

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ

سلسلۂ دار المصنفین

نمبر (۷۱)

سلسلۂ تاریخ ہند حصۂ اول

تاریخ سندھ

از

مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی (سابق رفیق دار المصنفین)

حال ریسرچ اسکالر گجرات ورنیکلر سوسائٹی احمد آباد

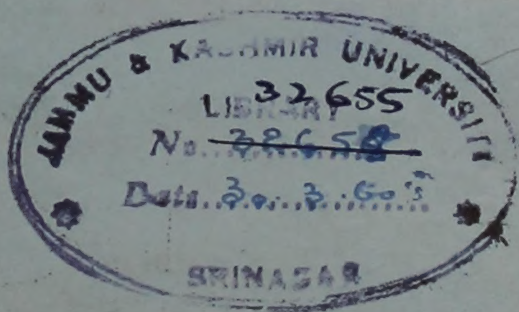
باہتمام :- مولوی مسعود علی صاحب، ندوی

در مطبع معارف اعظم گڈھ طبع شد

۱۳۶۶ھ

۱۹۴۷ء


ALLAMA IQBAL LIBRARY
32655


JAMMU & KASHMIR UNIVERSITY
LIBRARY
No. 32655
SRINAGAR

فہرست مضامین

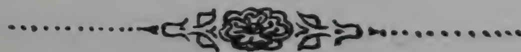
تاریخ سندھ حصہ اوّل

(۳)
سلطنت خاندان ہباری
۱۸۹ - ۲۵۲

فہرست مضامین

تاریخ سندھ حصۂ دوم

سندھ کی تمدنی تاریخ
۳۳۱ - ۳۹۰



ولاۃ سندھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

انگریزون نے اسلامی ہند کی جو تاریخین لکھین وہ بہت کم سیاسی اغراض سے خالی ہین، ان کا مقصد ہندو مسلمانون مین منافرت پیدا کرنا، مسلمانون کے دلون سے اُن کے نامور اسلاف اور شاندار ماضی کی وقعت گھٹانا اور اپنی حکومت کی عظمت و برتری کا نقش جمانا تھا، اس لئے ان کی لکھی ہوئی تاریخون مین عموماً بڑی تحریف و تدلیس ہے اور ان مقاصد کے مطابق واقعات کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نمایان کیا گیا ہی، اور رائی کو پہاڑ بنا کر دکھایا گیا ہی، ابتدا مین یہی کتابین اسکولون اور کالجون مین داخل ہوئین جن کے زہریلے اثرات سے آنے والی نسلین متاثر ہوتی رہین، اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ خود ہندوستانی مصنفین بھی اس غلطی مین مبتلا ہو گئے، اور ان کی مرتب کردہ تاریخین بھی عموماً اس اثر سے نہ بچ سکین، صاحب نظر مسلمانون نے بہت بعد مین اس کو محسوس کیا، اور سب سے پہلے علامہ شبلی مرحوم نے اس کی اصلاح کی جانب توجہ کی، اور ۱۹۱۰ء مین "اصلاح اغلاط تاریخی" کے نام سے ایک سوسائٹی قائم کی جس نے کچھ کام بھی کیا، لیکن آگے نہ بڑھ سکی،

یہ ظاہر ہے کہ کسی پوری کی پوری قوم کا دامن خامیون سے پاک نہین ہو سکتا، اور نہ کسی حکومت کے تمام حکمران عدل و انصاف کا نمونہ ہو سکتے ہین، اُن سے غلطیان بھی سرزد ہوتی ہین، لیکن اُن کو محض قومی و مذہبی تعصب کا نتیجہ قرار دینا صحیح نہین ہی، ایسے حکمرانون کا خود

اپنے ہم قوم محکومون کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے، کیا اُن کے ہاتھون اُن پر زیادتیان نہین ہوتین، اُن کے متعلق کیا کہا جائے گا، اور کیا یہ دور جس کو مذہبی تعصب سے خالی کہا جاتا ہے ایسی مثالون سے خالی ہے، درحقیقت حکمرانون کی بہت سی بے عنوانیان خود اُن کی سرشت، ذاتی مصالح اور حکومت کی سیاست کا نتیجہ ہوتی ہین جن کو مذہبی و قومی تعصب سے کوئی علاقہ نہین ہوتا، اور اس کا اثر بلا تفریق مذہب و ملت سارے محکومون پر یکسان پڑتا ہے، پھر انصاف و دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ ان بے عنوانیون اور بدنما واقعات کو اُن کی حد کے اندر محدود رکھا جائے اُن کو آب و رنگ دیکر قومی منافرت کا وسیلہ نہ بنایا جائے، اور ان حکمرانون کے عیوب اور خامیون کے ساتھ مسلمان حکومتون اور حکمرانون کے محاسن اُن کے ملکی خدمات اور کارنامون کا بھی اعتراف کیا جائے، اُنھون نے ہندوستان کو جو گوناگون فوائد پہنچائے، اور اُس کو جس ابتدائی درجہ سے جس معراجِ کمال تک پہنچایا، اس سے کون انکار کر سکتا ہے، پھر اتحاد و یکجہتی پیدا کرنے والے واقعات کی بھی کمی نہین، اُن کو اُجاگر کرنے کی ضرورت ہے، اور قومی اتحاد کا یہ زرین اصول بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ آگے بڑھنے مین پچھلے واقعات پر نگاہ نہین ڈالی جاتی،

اس زمانہ کی تاریخ محض واقعاتِ ماضی کی کہانی نہین ہے، بلکہ اس کو قومون کو بنانے اور بگاڑنے مین بھی دخل ہے، اس لئے ہندوستان کے اس تعمیری دور مین خصوصیت کے ساتھ تاریخ مین بڑی احتیاط کی ضرورت ہے،

ان اہم مقاصد کے پیشِ نظر دار المصنفین نے بارہا ہندوستان کی ایک مفصل و مستند تاریخ لکھنے کی تحریک کی جس مین تحقیق و صحت کے اہتمام کے ساتھ ان اعلیٰ مقاصد کا بھی پورا لحاظ رکھا جائے، اور خود اس کام کو شروع کیا، کئی سال کی محنت کے بعد اس کے بعض حصے تیار ہو گئے ہین، زیر نظر حصہ تاریخ سندھ سے متعلق ہے، سندھ کی تاریخ اس حیثیت سے بہت اہم ہے کہ ہندوستان کی سرزمین مین مسلمانون کا پہلا

قافلہ سندھ ہی مین اترا تھا، اور یہین اُن کی پہلی حکومت قائم ہوئی تھی، اور وہ ایک ہزار سال سے اوپر یہان کے حکمران رہے، جس کے آثار آج بھی سندھ کے در و دیوار سے نمایان ہین، اس کے باوجود اردو مین سندھ کی کوئی مفصل، محققانہ اور مستقل تاریخ موجود نہین ہے، مولوی عبد الحلیم شرر کی کتاب محض فتوح سندھ کی تاریخ اور وہ بھی صرف فتوح البلدان بلاذری کامل ابن اثیر اور چچ نامہ کے بیانات کا خلاصہ ہے، مولوی ذکاء اللہ اور دوسرے مورخین ہند کی کتابون مین سندھ کے حالات محض ضمنی ہین، اس لحاظ سے یہ کتاب اردو مین سندھ کی سب سے پہلی مفصل، مستند اور مستقل تاریخ ہے، اس مین سندھ کا جغرافیہ، مسلمانون کے حملہ سے پیشتر کے مختصر اور اسلامی فتوحات کے مفصل حالات، خلافت راشدہ کے زمانہ سے لیکر آٹھوین صدی ہجری تک سندھ جن جن حکومتون کے ماتحت رہا اور عباسیون سے آزاد یہان جو جو حکومتین قائم ہوئین اُن کی پوری تاریخ، اور ان تمام دورون کے نظام حکومت، علمی و تمدنی حالات اور رفاہ عام کے جو جو کام انجام پائے ان سب کی پوری تفصیل ہے، کتاب کے مباحث اور درجۂ اعتبار و استناد کا اندازہ اس کے مطالعہ سے ہوگا، اب سندھ کا جغرافیہ اور مقامون کے پرانے نام اتنے بدل گئے ہین کہ موجودہ جغرافیہ سے پرانی تاریخ کا پوری طرح سے سمجھنا مشکل ہے، اس لئے قدیم سندھ کے کئی نقشے مرتب کر کے کتاب مین شامل کر دیئے گئے ہین، اُمید ہے کہ اُن سے پرانی تاریخ کے سمجھنے مین سہولت ہوگی، یہ کتاب ایسے وقت مین شائع ہو رہی ہے جب سندھ کی تاریخ کا ایک نیا باب کھل رہا ہے، اور پاکستان کی ایک نئی حکومت کی بنیاد پڑ رہی ہے، یہ فال نیک تاریخ کا مُبارک توارد ہے،

سید سلیمان ندوی

ناظم دار المصنفین

۵ر اگست سنہ ۱۹۴۷ء، ۲۷ر رمضان المبارک سنہ ۱۳۶۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

سندھ کا بیان

سندھ نام رکھنے کا سبب — آریہ قوم سے پہلے سندھ کے پرانے باشندے اس ملک کو کیا کہتے تھے، ابھی تک تاریخ کی زبان اس بیان کے متعلق خاموش ہے، آریہ قوم نے جب سندھ کی وادی میں قدم رکھا تو اس کا نام سندھو رکھا، کیونکہ سندھو ان کی زبان میں دریا کو کہتے تھے، اور اسی دریائے سندھ کی مناسبت سے پورے ملک کو سندھو، اور پھر سندھ کہنے لگے[1]،

شروع میں آریوں نے سندھ کے ادھر جتنے ملک فتح کئے، سب کا نام سندھ ہی رکھا، یہاں تک کہ پنجاب کی سرحد سے بھی آگے بڑھ گئے، مگر نام میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی جب گنگا تک پہنچ کر رک گئے تو اس کا نام آریہ ورت رکھا، مگر ہندوستان سے باہر اس نام کو شہرت حاصل نہیں ہوئی،

ایرانیوں نے سندھ کو اپنے لہجے میں ہند کر ڈالا، اور یونانیوں نے "ھ" کو اس کے قریب المخرج حرف "ہمزہ" سے تبدیل کر کے "اند" کر دیا۔ رومن میں جا کر اند سے اندیا ہو گیا، اور انگریزی زبان میں چونکہ "دال" نہیں ہے اس لئے وہ انڈیا بن گیا۔

[1] انڈین امپائر مصنفہ ہنٹر صاحب بیان سندھ۔

ادھر ایشیا کے پوربی ملکوں مثلاً سیام، لنکا، برہما وغیرہ مین اس کو اندریا کہتے ہین، پالی زبان مین بھی یہی لفظ مستعمل ہے، لیکن خود سندھی اپنے ملک کو سندھ ہی کہتے رہے، اس لئے غیر ملکیون نے اس ملک کے دو حصے کر ڈالے، ایک کا نام سندھ، اور دوسرے کا ہند رکھا۔ چنانچہ عربون کی آمد تک یہی تقسیم قائم تھی۔

سندھ کے حدود | سندھ کے حدود مختلف زمانون مین مختلف رہے ہیں یعنی سندھ کے حاکموں کا قبضہ جہان تک رہا سب سندھ کہا جاتا تھا۔ راجہ داہر جو سندھ کا آخری ہندو راجہ تھا، اس کے عہد مین جب عربون نے حملہ کیا ہے تو سندھ کی حدین یہ تھین۔

شمال میں دریائے جہلم کا منبع جس مین کشمیر کے نشیبی اضلاع شامل تھے۔ اور کوہ کابل کا سلسلہ اس کی حد بندی کرتا تھا۔ پھر شمال مغرب تک دریائے ہلمند پر جا کر وہ ختم ہوتا۔ اور جنوب مغرب مین ایران اور سندھ کی سرحد اس مقام پر تھی جہان ساحل کے سامنے مکران کا جزیرہ "منشور" واقع ہے، جنوب کی طرف بحر عرب اور جنوب مشرق مین خلیج کچھ، مشرق مین راجپوتانہ اور جیسلمیر کی سرحدین آکر ملتی تھین۔

غرض اس وقت تمام شمال مغربی صوبہ، پنجاب کا علاقہ، افغانستان کا وہ علاقہ جو دریائے ہلمند تک ہے، سارا بلوچستان، موجودہ سندھ مع کچھ، علاقہ جودھ پور کی سرحد تک کا نام "صوبہ سندھ" تھا۔

موجودہ حدود | اس وقت یہ ملک احاطہ بمبئی کے شمال مغرب مین اس صوبہ کا آخری حصہ ہے، اس کے شمال کی طرف پنجاب اور بلوچستان (شمال مغرب کی جانب کوہ ہالار بلوچستان سے الگ کرتا ہے) مشرق کی طرف ریاست ہائے جودھ پور، بھاول پور اور جیسلمیر، جنوب مین کچھ کا ریگستان اور بحر عرب اور مغرب مین بحیرۂ عرب، کوہ ہالار اور بلوچستان[1]۔

---

[1] جغرافیۂ سندھ ص ۶ مرتبہ بشیر احمد خان۔

قدیم طول بلد وعرض بلد

عرب حملہ کے وقت اس کا طول اور عرض بلد مندرجۂ ذیل تھا۔

عرض - ۳۴ درجہ سے ۲۵ درجہ تک۔ طول ۶۲ درجہ سے ۷۱ درجہ تک پھیلا ہوا تھا۔

جدید طول وعرض بلد

فی الحال اس کا عرض البلد ۲۳ سے ۲۸ درجہ ۴۰ دقیقہ تک، اور طول البلد ۶۶ درجہ ۵۰ دقیقہ سے ۷۱ درجہ تک ہے۔

اور شمال سے جنوب تک طول میں زیادہ سے زیادہ (۳۶۰) میل، اور عرض مشرق سے مغرب تک ۱۷۰ میل ہے۔

رقبہ اور شہر

سندھ کا وہ حصہ جو برٹش گورنمنٹ کے زیر فرمان ہے ۱۸۸۱ء میں اس کا کل رقبہ (۴۱۰۸۴) میل مربع تھا، اور ریاست خیرپور کے قبضہ مین (۶۱۰۹) مربع میل زمین تھی، کل ملا کر سندھ کا رقبہ (۳۴۲۱۴۵) مربع میل ہوا۔ لیکن موجودہ رقبہ ۴۸۴۸۴ مربع میل ہے یعنی صوبہ بمبئی کے کل رقبہ کا ۱/۳ حصہ، اس میں ۷۱۴۴ شہر اور گاؤن آباد ہین۔ سب سے بڑا شہر کراچی ہے۔ اس کے بعد حیدرآباد، پھر خیرپور اور شکارپور۔

قدرتی تقسیم

سندھ کی زمین دو حصون مین منقسم ہے۔ بالائی اور زیرین۔ اس کو شمالی سندھ اور جنوبی سندھ بھی کہتے ہین۔ سندھی زبان مین ان کو لاڑ اور سرا بولتے ہین۔

شمالی سندھ (یا لار) وہ حصہ ہے جو شہر سہوان (قدیم سیوستان) سے اوپر افغانستان اور صوبہ سرحد کی حد کو ملتا ہے۔ جنوبی سندھ (یا سرا) وہ زمین ہے جو شہر سہوان سے نیچے نیچے سمندر تک چلی گئی ہے۔ لیکن آج کل شمالی بلند حصہ کو "سرو" مشرقی حصہ کو ریگستانی علاقہ یا صحرائی، مغربی حصہ کو پہاڑوں کے سبب کوہستانی علاقہ، اور درمیانی ہموار میدان کے باعث اس کو میدانی حصہ کہتے ہین۔

قدیم آبادی

۱۸۸۱ء مین سندھ کی کل آبادی ۲۵۴۲۹۷۶ تھی جن مین سے (۱۳۸۷۵۷۶)

مرد اور (۱۱۵۵۴۰۰) عورتین تھیں۔

ان مین سے (۱۸۸۷۲۰۴) مسلمان (۳۰۵۰۷۹) ہندو (۱۲۶۹۷۶) سکھ (۸۶۰۴۰) غیر ہندو (۶۰۸۲) عیسائی (۱۱۹۱) جین (۱۰۶۴) پارسی (۱۵۳) یہودی (۲۶) برہمو اور (۹) بودھ تھے، مسلمانون مین سے (۱۸۵۸۶۴۸) اہلسنت (۲۸۰۹۳) شیعہ (۱۷۴) اہلِ حدیث اور (۲۸۹) دوسرے لوگ۔

موجودہ آبادی

سنہ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری کے مطابق اس کی آبادی ۳۹ لاکھ آدمیون کی ہے، جو بمبئی احاطہ کی کل آبادی کے ۱/۵ حصہ کے برابر ہے۔ اس آبادی کا ۳/۴ حصہ مسلمان ہے اور باقی ۱/۴ مین مختلف اقوام، ہندو، سکھ، عیسائی، یہودی، پارسی مشترک ہین[1]۔

دریا

سرزمینِ سندھ کی ساری رونق دریاے سندھ سے ہے۔ اس کا پانی جہان تک پہنچتا ہے وہان تک سرسبزی و شادابی ہوجاتی ہے ورنہ خاک اڑتی ہے، یہ دریا ملک تبت کے "کیلاس" پہاڑ سے نکل کر تقریباً ۱۱ سو میل کشمیر، پنجاب اور سرحدی صوبہ سے چل کر مٹھن کوٹ کے نزدیک پانچون دریا پنجاب سے لے کر کشمور شہر کے قریب سندھ مین داخل ہوتا ہے، اور جنوب مغرب کی طرف ۷ سو میل بہہ کر کیٹی بندر کے نزدیک متعدد شاخون مین تقسیم ہو کر میدانون مین بہتا ہوا بحرِ عرب مین جا گرتا ہے، اس کا منبع سمندر کی سطح سے سولہ ہزار فٹ بلندی پر ہے۔ موسمِ سرما مین اکثر سندھ کے بالائی حصے پایاب رہتے ہین۔ شہر اٹک تک پہنچنے سے پہلے ہی دریاے کابل اس مین آکر مل جاتا ہے، دونون کے ملنے سے پاؤ میل کے قریب اس کا پاٹ ہوجاتا ہے۔

سمندر کے قریب پہنچکر اس کی مختلف شاخین ہوگئی ہین۔ جنھون نے تقریباً اس تمام زمین کو گھیر لیا ہے جو بحیرۂ عرب کے ساحل پر واقع ہے، اس کے گیارہ دہانے ہین جن مین سے بعض جہازرانی

[1] سندھ کا جغرافیہ۔

کے قابل ہین ۔ دہانے کی ان شاخون کا سلسلہ ستر میل تک چلا گیا ہے جہان جا بجا ببول اور سرو کے درخت اُگے ہوئے ہین اور آبادی بھی زیادہ تر اسی جگہ ہے،

دریاے سندھ کی شاخین | دریاے سندھ کی کئی شاخیں ہین ۔ ان مین سے بڑی بڑی شاخیں یہ ہیں،

(۱) مشرقی نارو ۔ دریاے سندھ کے مشرقی کنارے روہڑی شہر کے قریب سے نکلتی ہے، خیرپور اور تھرپارکر ضلع کو سیراب کرتی ہوئی کچھ کے بیابان (رن) مین غائب ہو جاتی ہے ۔

(۲) مغربی نارو ۔ دریا کے مغربی کنارے مقام ہماتل ضلع لاڑکانہ سے نکل کر اسی ضلع کو سیراب کرتی ہوئی جھیل منچھر مین جا گرتی ہے اور اس جھیل سے، ایک شاخ اڑل نامی نکل کر دریاے سندھ سے مل جاتی ہے ۔

(۳) گھاڑ ۔ مغربی نارو کے شمال ضلع لاڑکانہ ہی مین دریاے سندھ سے نکلتی ہے اور مغرب کی جانب بہہ جاتی ہے ۔

(۴) پھلیلی ۔ یہ شاخ حیدرآباد کے قریب گلن گاؤن سے نکلتی ہے اور کچھ کے ریگستان مین غائب ہو جاتی ہے، مقام جام شوری سے ایک نئی شاخ کاٹ کر پرانی شاخ مین ملا دی گئی ہے، اس کو "گونی" کہتے ہین ۔

(۵) بنجاری (۶) جام ڑو (۷) بگھاڑو ، یہ تینون شاخین ضلع کراچی مین ہین ۔

دریاے سندھ کے معاون | دریاے سندھ کے دو حصے ہین، ایک مشرقی حصہ، دوسرا مغربی ۔ مشرقی حصے مین ۶ دریا جاری ہین ۔

(۱) جھیلم (۲) چناب (۳) راوی (۴) بیاس (۵) ستلج (۶) گھگھر ۔ جس کا قدیم نام ہکرہ ہے، واہند اور داہان بھی کہتے ہین ۔ مگر آج کل نقشون مین سرسوتی لکھا ہے ۔

ان مین سے بیاس درحقیقت ستلج کا معاون ہے اور گھگھر آگے چل کر ریت مین غائب ہو گئی ہے ۔

پہلے زمانہ مین یہ بھی سندھ مین جا کر ملتی تھی۔ اور یہی ندی سندھ اور ہندوستان کی سرحد سمجھی جاتی تھی

دریاے سندھ کے مغربی حصے مین بھی چھ ندیان ہین۔

(۱) حب ندی۔ کھیر تھر پہاڑ سے نکل کر ۹۰ میل سندھ اور ریاست لس بیلہ کی سرحد پر بہتی ہوئی راس مانز کے قریب بحر عرب مین جا گرتی ہے۔ بعض جغرافیہ نویس اس کو پہاڑی برساتی ندی کہتے ہین اور چونکہ براہ راست بحر عرب مین گرتی ہے اس لئے سندھ کا معاون نہین سمجھا جائے گا۔

(۲) گاج ندی۔ کھیر تھر سے نکل کر مقام پھلجی کے پاس مغربی نارو مین مل جاتی ہے۔

(۳) موہن ندی۔ مقام رین گوٹ سے شروع ہو کر سن گاؤن کے نزدیک سندھ مین مل جاتی ہے

(۴) باران ندی۔ کھیر تھر سے نکلتی ہے اور کوٹری کے پاس سندھ مین جا ملتی ہے۔

(۵) ملیر ندی۔ پب پہاڑ سے شروع ہوتی ہے اور کراچی کے مغرب مین بحر عرب مین گر جاتی ہے۔

(۶) لیاری ندی۔ یہ بھی پب سے نکل کر کراچی کے مغربی سمت بہہ کر بحر عرب مین جا گرتی ہے

سندھ کے شمال مغربی دریا مین ایک دریاے کابل ہے جو اپنے معاونون کے ساتھ سندھ مین اٹک کے پاس مل جاتا ہے۔ دوسرا دریا ژوب (یا زاب[۱]) ہے جو اپنے معاونون سے مل کر ڈیرہ اسمٰعیل خان کے پاس دریاے سندھ مین مل جاتا ہے[۲]۔

چشمے | اس ملک مین تین چشمے ہین۔ ان مین نہانے کے لئے دور دور سے لوگ آتے ہین۔

(۱) منگھا پیر کے چشمے۔ اسی مقام کی پہاڑیون سے دو چشمے جاری ہین۔ ان مین سے ایک کا پانی نیم گرم اور دوسرے کا بہت گرم ہے۔

---

[۱] بعض اس کو ژوب یا زاب کہتے ہین اور غالباً اسی مناسبت سے اس سے متصل ملک کو زابل یا زابلستان کہتے تھے [۲] زیادہ تر حالات جغرافیہ سندھ سے اخذ کئے گئے ہین۔

متعلق صـ ۷

شمال

سندھ کے دریا، ندی، جھیل، چشمے، جزیرے کا نقشہ

(سنہ ۱۹۳۸ء)

دریاے سندھ

دوسری ندیاں

شہر

جھیل

چشمہ

جزیرہ

ریگستان

منبع دریاے سندھ

دریاے سوات

دریاے کابل

اٹک

جہلم

چناب

راوی

بیاس

ستلج

ہاکڑا

الرور

روپ

شاہی واہ

بیگاری واہ

سندھ واہ

سکھر واہ

گاڑ واہ

سیہی (سیوی)

گاج ندی

مغربی نارو

جزیرۂ بھکر

بکی کا چشمہ

باران ندی

قلات یا کیز کانان (دیقان)

ایاست کس بیلہ

ارمن بیلہ (ارمابیل)

کیز (کیچ)

تیز

روہڑی

مشرقی نارو

نصرت واہ

ریگستان

کھی جھیل

سومری

داوو

گونی

پنجاری

پھلیلی

پھلاڑ واہ

کنجھر جھیل

بحیرۂ عرب

مشرق

مغرب

جنوب

(۲) جھم پیر کا چشمہ - اسی نام کی بستی مین زمین سے ابلتا ہوا چشمہ نکلتا ہے۔ اس کا بھی پانی گرم ہوتا ہے۔

(۳) لکی کا چشمہ (یا دھارا تیرتھ) لکی اسٹیشن سے دو میل فاصلہ پر یہ گرم پانی کا چشمہ جاری ہے

جزیرے | سندھ مین چار جزیرے ہین۔ (۱) بھکر (۲) زندہ پیر (۳) سادھ بیلو (۴) دین بیلو۔ ان کے علاوہ کراچی سے تھوڑے فاصلہ پر بحر عرب مین ایک جزیرہ "منوڑا" ہے اور اسی سے متصل دو چھوٹے چھوٹے اور جزیرے ہین جن کو بابا اور بھٹ کہتے ہین۔

راس | صرف ایک راس ہے جس کو راس مانز کہتے ہین۔ کراچی شہر سے قریب مغرب جانب ساحل کا یہ گوشہ سمندر مین دور تک چلا گیا ہے۔

بندرگاہ (۱) آج صوبہ سندھ کا مشہور بندر کراچی ہے۔ غیر ممالک سے بڑے بڑے تجارتی جہاز یہیں آکر ٹھہرتے ہیں۔ اس وقت یہ سندھ کا صدر مقام بھی ہے۔ یہان کے اعلیٰ حکام یہیں رہتے ہین۔ اس کی آبادی پونے تین لاکھ ہے، پہلے یہ ایک گاؤن تھا۔ انگریزون نے اس کو بندر بنا کر بڑا شہر بنا دیا۔ یہ ہندوستان مین تیسرے درجہ کا بندر ہے۔ یہان سرکاری دفاتر کے علاوہ بہت سے مدرسے اور کالج ہین۔

(۲) کیٹی بندر۔ سندھ کے دہانے پر واقع ہے۔ اس کے ذریعہ بھی تجارتی مال آتا اور جاتا ہے۔

(۳) سندھو بندر۔ دہانے سے کچھ فاصلہ پر ہے۔ علاقہ کچھ اور گجرات کی تجارت اسی بندرگاہ سے ہوتی ہے۔

(۴) شاہ بندر۔ قدیم بندرگاہ ہے۔ یہان جہاز ٹھہرتے تھے۔ دہانے کے قریب واقع ہے۔

(۵) دیبل۔ پہلے یہی سندھ کا بڑا بندر تھا۔ اور تمام سندھ مین سب سے بڑا شہر تھا۔ غیر ممالک کے تمام جہاز یہین مال اتارتے تھے، اب یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ کس جگہ آباد تھا۔ لاڑ بندر کی آبادی کے

یہ تباہ ہو گیا۔ بعض لوگ "بھنبھور" مقام کو جو ضلع کراچی مین واقع ہے، اسی کو قدیم دیول (دیبل) کہتے ہین۔[۵]

(۶) لار - یہ بھی قدیم زمانہ مین بڑا بندر تھا۔

(۷) ٹھٹھہ - یہ کبھی پایۂ تخت بھی تھا۔ اور بندر گاہ بھی۔ کراچی کی آبادی نے اس کی حیثیت کو دبا دی

درآمد و برآمد | اس علاقہ سے آج کل گیہون، جو، تل، سرسون، چنا، روئی، اون، چمڑا، ہڈی، نیل اور خشک میوے باہر جاتے ہین، اور سوتی، اونی ریشمی کپڑا، مشین، شراب، شکر، چمڑے کا سامان، خشک و تازہ میوہ، گھی، رنگا ہوا چمڑا، شال، پیتل کا سامان، عمارتی لکڑی، مٹی کا تیل، چائے، چاول، گھوڑا، کافی، کھجور باہر سے آتی ہے۔

پہاڑ | بڑا اور اونچا پہاڑ اس ملک مین ایک بھی نہیں، چھوٹے چھوٹے پتھریلے ٹیلے ہر جگہ نمایان ہین۔ البتہ سندھ کے مغرب مین کوہ ہالا کا سلسلہ ہے جس کی بڑی شاخین "کیرتر" کھیر تھر (وربپ) ہین جو سندھ کو بلوچستان سے جدا کرتے ہین۔ اس سلسلہ کی بعض چوٹیان سطحِ آب سے ... فٹ بلند ہین، یہ کوہسار ۱۲۰ میل تک مملکتِ برطانیہ کی حد بندی کرتا ہوا چلا گیا ہے، اس کی ایک شاخ کا نام "ڈارٹھیارو" ہے، یہان کی آب و ہوا صحت بخش ہے۔ دوسری شاخ کا نام "بگوٹھورو" ہے، جو سیہون کے نزدیک ہے، تیسری ضلع دادو مین کوہستان کے نام سے مشہور ہے۔ اسی کوہسار سے کراچی کے مغرب مین پاپ کا سلسلہ ملا ہوا ہے جو نالوں اور ندیون کو لیتا ہوا دریائے ہاب (یا حب) بہا ہے، سندھ مین اٹک کے علاوہ یہ دوسرا دریا ہے جو ملک کی مغربی سرحد قائم کرتا ہے اور اٹک کی شاخون سے آزاد ہے، ان کے علاوہ باقی تمام پہاڑیان پست اور نیچی ہین، جن کے نام یہ ہین

(۱) کلی - ٹھٹھہ کے نزدیک ہے، اس پر شاہی مقبرے ہین۔

---

۵ جغرافیۂ سندھ،

شمال
سندھ کے پہاڑ ۱۹۳۸ء
منبع دریائے سندھ
جہلم
چناب
راوی
بیاس
ستلج
مشرق
سیبی (سیوی)
ہالا
سکھر
آدم شاہ
دریائے سندھ
حیدرآباد
ٹھٹھہ
کراچی
بحیرۂ عرب
جنوب
مغرب
متعلق صفحہ

(۲) گنجو ٹکر - حیدرآباد کے نزدیک ایک خشک پہاڑ ہے۔

(۳) آدم شاہ - سکھر کے قریب ہے، آدم شاہ کا مقبرہ اسی پر ہے۔

(۴) روہڑی کی پہاڑیاں - روہڑی اسی پر ہے۔

(۵) کارونجھر - نگرپارکر کے نزدیک ہے، زلزلہ بہت آتا ہے۔ اس لئے خیال ہے کہ غالباً یہ آتش فشاں پہاڑ ہے، جو ابھی خاموش ہے۔

جھیلیں | اس ملک میں جھیلیں بھی بہت کم ہیں[1] سب سے بڑی جھیل جو منچھار (یا منچھر) کہلاتی ہے دادو کے ضلع میں ہے، یہ جھیل مغربی نارو کے پھیلاؤ سے بن گئی ہے، بارش کے موسم میں اس کا طول بیس میل تک پھیل کر ہو جاتا ہے اور ۸۰ مربع میل زمین پر قبضہ کر لیتی ہے[2] دوسری جھیل کینجھر (۳) سنہری جھیل، ٹھٹھہ اور جھرک کے درمیان ضلع کراچی میں واقع ہے۔ (۴) ہالیجی - ضلع کراچی میں گجو گاؤں کے قریب ہے، (۵) سومری جھیل - ضلع تھرپارکر میں عمرکوٹ کے پاس ہے۔ (۶) لکھی جھیل - ضلع تھرپارکر میں سانگھڑ کے قریب واقع ہے۔ (۷) کنگری جھیل - مغل بھیس کے پاس ہے'

زمین | سندھ کی زمین زیادہ تر ریگستانی ناقابلِ زراعت ہے، صرف شکارپور اور لاڑکانہ کی زمین قابلِ زراعت ہے۔ شمال سے جنوب تک ایک بہت لمبا اور پتلا سا جزیرہ چلا گیا ہے۔ اس کے ایک پہلو پر دریائے سندھ، اور دوسرے پہلو پر مغربی نارو ہے، جو ایک جداگانہ شاخ کی طرح دریائے سندھ سے نکل کر ایک سو میل تک بہتا چلا گیا ہے۔ اور پھر اسی میں جا کر مل گیا ہے، پس اس دوآبہ کی زمین ہونے کے باعث کافی زرخیز ہو گئی ہے، باقی اکثر اضلاع بے آب و گیاہ ہیں چھوٹے چھوٹے کوہسار بھی ہیں لیکن ان سے کوئی مدد زمین کی زرخیزی میں نہیں ملتی، فصل ربیع میں گیہوں، جو، چنا، سرسوں، مٹر، آلو، سونف اور زیرہ ہوتا ہے، فصل خریف میں مکئی، باجرہ، جوار، تل، مونگ، ماش، کپاس، نیل کی پیداوار ہوتی ہے، فصل ربیع زائد میں مرچ، خربوزہ، تربوز، ککڑی،

اور دوسری سبزیاں اور ترکاریاں ہوتی ہیں۔

موسم یہاں کا عام موسم سردی میں سخت سرد اور گرمی میں سخت گرم۔ مثل مشہور ہے کہ یہاں کی گرمی "گورے کو کالا" کر دیتی ہے۔ دھوپ میں ایسی تیزی ہوتی ہے کہ اس میں انڈا بھون سکتے ہیں جس کا تجربہ بعض یورپین لوگوں کو ہوا ہے۔

جیکب آباد میں سب سے زیادہ گرمی ہوتی ہے، وسط علاقہ کی آب و ہوا دریا کے سبب سے معتدل ہے خصوصاً حیدر آباد کی آب و ہوا بڑی اچھی ہے، صحرائی حصہ گرم ترین و سرد ترین۔ لار یعنی نشیبی حصہ معتدل اور مرطوب، کوہستانی علاقہ بھی سخت سرد و گرم ہوتا ہے، سوائے جنوبی حصہ کے جو معتدل ہے۔[۱]

دریا کے چڑھاؤ کے موسم میں مچھروں اور پسوؤں کی ایسی وبا آتی ہے کہ لوگ الامان والحفیظ پکار اٹھتے ہیں۔

ساحل سندھ کے مقابل خشکی سے دو میل ہٹ کر ایک پست قطعہ زمین کا کراچی سے کچھ تک جو پھیلتا چلا گیا ہے یہی سندھ کا ساحل ہے، یہ قطعہ تین میل چوڑا ہے، یہ اس قدر پست ہے کہ سمندر کے چڑھاؤ کے وقت پانی میں غائب ہو جاتا ہے، اور جب پانی اترتا ہے تو ایک جزیرہ کی شکل میں نظر آتا ہے۔ اس سبب سے جہازات بڑی مشکل سے ساحل تک پہنچ سکتے ہیں۔

پیداوار زیادہ تر جو، جوار ہوتا ہے، مکئی اور باجرہ بھی ہوتا ہے، پھلوں میں کھجور کی کثرت ہے، سفید اور لال چاول لاڑکانہ اور لاڑ ضلع میں ہوتے ہیں، گنا حیدر آباد میں۔ گیہوں دریائے سندھ کے دونوں کناروں پر، تل تھرپارکر ضلع میں، تمباکو اور بھنگ جھیل منچھر کے قریب، خربوزہ جیکب آباد میں ہوتا ہے، تربوز، سنگترہ، پپیتا، ناریل وغیرہ بھی ہوتے ہیں۔

۱؎ جغرافیۂ سندھ سے تمام مندرجۂ بالا بیانات ماخوذ ہیں۔

حیوانات | جانوروں میں اونٹ اور گھوڑے اچھی نسل کے ہوتے ہیں۔

معدنیات | تعلقہ کوٹڑی کے نزدیک کوئلے اور لوہے کی کان ہے۔ پہاڑوں سے عمارتی پتھر نکالے جاتے ہیں، روہڑی کے جنوب پہاڑوں سے میٹ (گچنی مٹی) نکالی جاتی ہے۔ کچھ کے رن اور تعلقہ کھپر و جھیل سے نمک تیار کیا جاتا ہے، کپڑا دھونے کا کھار خیرپور سے، اور پھٹکری کھیر تھر کے پہاڑوں میں ملتا ہے[1]۔

قومیں | اس ملک کی قدیم سے قدیم قوم جو معلوم ہو سکی ہے وہ جاٹ اور مید تھے۔ یہ دونوں وحشی قومیں دریائے سندھ کے کنارے آباد تھیں، اس وقت بڑی تعداد ان میں جاٹوں اور بلوچیوں کی ہے۔ جو شہر اور گاؤں میں آباد ہیں۔ ان کے علاوہ متعدد قبائل ایسے بھی ہیں جو خانہ بدوش رہتے ہیں اور کسی جگہ ان کا مستقل قیام نہیں رہتا، یہ عموماً مسلمان ہیں۔

ہندوؤں میں ممتاز قوم "عامل" ہے جو اسلامی عہد میں عموماً حاکم رہ چکی ہے، اور آج بھی زیادہ تعلیم یافتہ یہی ہے،

ایک تیسری قوم یہاں حبشیوں کی بھی ہے، جو قدیم زمانہ میں بطور غلام کے یہاں آئے تھے، اور اب بھی اپنے آقاؤں کے ساتھ رہتے ہیں، اس وقت مسلمان، ہندو، سکھ، پارسی، عیسائی اور کچھ یہودی آباد ہیں۔

زبان | یہاں کی موجودہ زبان "سندھی" ہے جس میں قدیم زبان کے ساتھ عربی اور فارسی کے لفظ ملے ہوئے ہیں۔ یہ زبان عربی حروف میں لکھی جاتی ہے، شمالی اور جنوبی اضلاع کا لہجہ الگ الگ ہے، اور تھار علاقہ کا لہجہ ان دونوں سے مختلف۔ خط "خداآبادی" نام ایک اور خط بھی ہے جس کا استعمال زیادہ تر ہندو کرتے ہیں۔

---

[1] جغرافیہ سندھ

سندھ کی حدین چونکہ مختلف صوبون سے ملتی ہین۔ اس لیے بروہی، بلوچی، گجراتی، کچھی، مرہٹی، مکرانی اور انگریزی زبانیں بھی بولی جاتی ہین، اردو کا بھی رواج دن بدن زیادہ ہوتا جاتا ہے۔[1]

ہندوؤں کا آخری راج چونکہ پہلی صدی ہجری سے سندھ کی اسلامی تاریخ لکھی جارہی ہے اس لئے اس سے قبل کی غیر اسلامی تاریخ کو نظر انداز کیا جاتا ہے لیکن تسلسل واقعات کے لحاظ سے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں کے آخری راج کا کچھ حال تحریر کر دیا جائے۔

چھٹی صدی عیسوی مین راجہ ساہسی کا لڑکا شری ہرش سندھ کا حکمران تھا اس کا پایہ تخت سندھ کا مشہور آباد شہر "ارور" (الور) تھا۔ جو گاؤں کی شکل میں روہڑی کے پاس دریائے سندھ کے کنارے آج بھی موجود ہے۔

حدود اربعہ شمال مشرق کی طرف راجہ کشمیر کے ملک سے سرحد ملی تھی جنوب مغرب کے جانب مکران کا صوبہ اس کا حد فاصل تھا، مغرب کے رخ کوہستان کروان، وقیقان، قلات، اور جنوب میں بحر عرب کے مشرق مین ریگستان اور ہندوستان۔

ملکی تقسیم اس وقت سندھ کے پانچ صوبے تھے۔

(۱) برہمن آباد۔ اس میں مندرجۂ ذیل اضلاع شامل تھے۔ نیرون، دیبل، لوہانہ، لکھا، سمہ،

(۲) سیوستان۔ ذیل کے اضلاع اس کے ماتحت تھے، بودھیہ (بودھی ممالک) جھنکان، کوہستان روجیان یعنی کوہ پایہ، سرحد مکران۔

(۳) اسکلندہ۔ یہان کا والی پابیا، تلواریہ، پرچ پور، اور اضلاع بودھ پور کی چھند مین پر حکمران تھا۔

(۴) ملتان۔ اس کے ماتحت سکہ، برھما پور، کرور، اشہار (شاہار) اور کمبھ تھے، اس

سلہ سندھ کا جغرافیہ۔

صوبہ کی سرحد کشمیر سے ملتی تھی۔

(۵) اروڑ (الور)[1] پایۂ تخت تھا، گرد ان قیقان، اور نیرون[2] پر راجہ کی نگرانی رہتی تھی،

ایرانیوں کا حملہ

ایک عرصہ تک راجہ باطمینان تمام عدل و انصاف کے ساتھ حکمرانی کرتا رہا، اور ملک میں بھی ہر طرح سے امن و امان تھا، کہ ایرانیوں (حاکم نیمروز) نے حملہ کر دیا، راجہ نے اس کو پہلے تو معمولی بات سمجھی، لیکن جب وہ مکران تک پہنچ گیا تو راجہ بھی ایک جرار فوج لے کر نکلا، جنگ صبح سے دوپہر تک ہوتی رہی، یکایک دوپہر کے وقت ایک تیر نے راجہ کا خاتمہ کر دیا، اور سندھی فوج شکست کھا کر بھاگ نکلی، حملہ آور فوج نے ان کا تعاقب کر کے تخت کو نقصان پہنچایا، سندھی بیشمار قتل کئے گئے، اور شاہ نیمروز[3] کامیابی کے ساتھ واپس گیا۔ ادھر جب پایۂ تخت میں خبر پہنچی تو کہرام مچ گیا، آخر اراکین دولت نے اس کے لڑکے کو جو ولی عہد بھی تھا "راے ساہسی" کے خطاب سے راج گدی پر بٹھایا۔ وہ ایک سال تک عام انتظاموں میں مشغول رہا، پھر ملک کا اس نے دورہ کیا، اور ہر طرف ملک میں امن و امان قائم کیا۔ اس کے بعد وہ راجدھانی میں واپس آکر عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا۔

اس کا ایک وزیر "رام" نامی بڑا دانشمند تھا، تمام امور سلطنت وہی انجام دیتا تھا، اہم امور پر دستخط لینے کے لئے محلسرا میں راجہ سے ملاقات کر لیتا تھا۔

چچ برہمن کی آمد

عرصہ تک اس کا یہی حال رہا۔ ایک دن اس کے دربار میں ایک نوجوان حاضر ہوا، اس نے بتایا کہ مشہور پنڈت "سلاج" (سلائج) کا لڑکا ہوں اور میرا نام چچ ہے، میرا باپ الور کا شہری اور مندر کا پجاری ہے[4]، وزیر رام نے دیول سے آئے ہوئے کاغذات پڑھا کر

---

[1] اروڑ (الور) ساتویں صدی ہجری میں دریا کے رخ پھیر لینے سے ویران ہو گیا، اب اس سے ۵ میل فاصلہ پر دوسرا گاؤں روہڑی کے نام سے آباد کیا گیا ہے،

[2] چچ نامہ قلمی صفحہ ۵

[3] نیمروز کو آجکل سجستان (سیستان) کہتے ہیں، (دیرو ڈی لینڈن صفحہ ۹)

[4] لیکن اصلی وطن برہمن آباد تھا، جیسا کہ آگے تحریر کیا گیا ہے

امتحان لیا، اس کے حسنِ لیاقت، شیرین زبانی اور اخلاق پسندیدہ سے اتنا متاثر ہوا کہ فوراً اس کو دیوانی کے ایک عہدہ پر مقرر کر دیا، ایک دن راجہ دربار مین تھا، سیوستان سے کچھ کاغذات آئے تھے وزیر کو طلب کیا، وہ نہ تھا، چچ نے کہا، مین اس کا نائب ہون، ارشاد ہو بجا لاؤن۔ کاغذات اس کو دئے گئے، جس کا اس نے بہترین جواب لکھا، جو راجہ کو بہت پسند آیا، راجہ نے وزیر سے اس کی لیاقت کا تذکرہ کیا، وزیر نے بھی اس کی قدردانی شروع کر دی۔ اور پھر رفتہ رفتہ وہ وزیر کا نائب ہوگیا، آخر جب وزیر مر گیا تو اس کی جگہ چچ وزیر مقرر ہوا۔

ایک دفعہ آئے ہوئے کاغذات پر راجہ کا دستخط بہت ضروری تھا۔ اس لئے وزیر چچ محلسرا مین دستخط لینے کیلئے گیا، راجہ نے اس کو اندر ہی بلا لیا، اور رانی نے یہ کہہ کر کہ یہ تو پنڈت ہے، بغیر پردہ کئے وہین بیٹھی رہی، چچ اندر داخل ہوا، اس نے نہایت ادب اور شایستگی سے گفتگو کی، جس کا اثر راجہ اور اس کی رانی دونون پر ہوا، راجہ نے فوراً خلعت سے سرفراز کیا، اب اس کے بعد بلا روک ٹوک محلسرا مین اس کی آمد و رفت ہوگئی، اس کا آخری نتیجہ یہ نکلا کہ کچھ دنوں کے بعد رانی اس پر فریفتہ ہوگئی، اور اس سے گہرے تعلقات پیدا کئے، لیکن جب خفیہ طور پر اس سے ناجائز تعلقات کی خواہش کی گئی تو اس نے صاف طور پر کہلا دیا کہ مین برہمن ہون، اور ایسی نمک حرامی کرنے کے لئے مین کسی طرح تیار نہیں ہون، اس انکار نے آتشِ شوق کو اور تیز کر دیا۔ اس نے کہا کہ اچھا کبھی کبھی تو ملاقات کر لیا کرو، تاکہ تم سے ملنے کی امید باقی رہے، محبت کی خوشبو مشک کی طرح پھیلی، مخالفون نے راجہ تک یہ خبر پہنچائی، راجہ کو یقین نہ آیا، بلکہ اس پر اعتماد بڑھتا گیا، یہان تک کہ کل کاروبارِ سلطنت اس کے سپرد کر دیا،

کچھ دنون کے بعد راجہ بیمار ہوگیا، اور بیماری نے خطرناک صورت اختیار کی، تمام وید علاج سے عاجز آگئے، اور نظر آنے لگ گیا کہ راجہ کا یہ آخری وقت ہے، اس وقت رانی نے چچ کو

بلا کر کہا کہ دیکھو، راجہ کا آخری وقت ہے، اور اس کی کوئی اولاد نہیں ہے، تم اگر امید دلاؤ کہ میری آرزو بر لاؤ گے تو مین تمہارے لئے تخت نشینی کا بندوبست کرون، اب چچ نے اس کو منظور کرلیا[1]

رانی نے احکامات جاری کئے کہ راجہ دربار کرنا چاہتا ہے، تمام ارکینِ دولت حاضرِ دربار ہون، جب سب حاضر ہو گئے تو رانی نے سب سے کہا کہ مہاراج ضعف کے باعث دربار مین نہیں آسکتے، مگر ان کا حکم ہے کہ مین نے اپنا قائمقام چچ کو بنایا، سب اس کی فرمان برداری کرین، اور نشانی کے طور پر اپنی انگوٹھی (مہر) چچ کو دی ہے، (جس کو رانی نے پہلے ہی سے راجہ کے ہاتھ سے نکال کر چچ کو دے دی تھی)

تمام درباریون نے بلاعذر تسلیم کرلیا، اور پھر چند دنون کے بعد راجہ وفات پا گیا، مگر رانی نے اس خبر کو پوشیدہ رکھا، اور خاندانِ شاہی کے ہر دعوی دار کو الگ الگ طلب کیا کہ راجہ نے آخری وصیت کے لئے آپ کو یاد کیا ہے، اس طرح سے جو جو آتا گیا، الگ الگ گھر ون مین نظربند کر کے راستہ صاف کر دیا، باقی وہ رشتہ دار جو کمزور تھے، اور ان دعوی دارون سے بر سرِ پرخاش تھے' ان کو بلا کر کہہ دیا کہ ان لوگون کا مال و اسباب، گھر بار سب لوٹ لو، اور ان کو قتل کر ڈالو، چنانچہ دیرینہ کینہ نکالنے مین یہ لوگ مصروف ہو گئے، ادھر راجہ کی لاش جلائی گئی اور چچ راج گدی پر بیٹھ گیا، مبارک سلامت کی دھوم مچی، یہ واقعہ سنہ ہجری کے پہلے سال کا ہے،[2]

راجہ چچ	اس کے بعد چچ متوفی راجہ کی بیوہ رانی سوہن دیوی کو اپنے عقد مین لے آیا۔ پھر

خزانہ سے روپیہ نکال کر بڑی سخاوت سے سب لوگون کو انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا، اس سے

---

[1] چچ نامہ قلمی ص ۱۰ [2] مواد تاریخ ہند مین مسٹر ایلیٹ نے یہ سنہ تحریر کیا ہے۔

رعایا خوش اور فوج وفادار بن گئی،

اس بات کی شہرت ہوتے ہی جے پور[1] کا راجہ جو متوفی راجہ سندھ کا رشتہ دار تھا، ایک جرار لشکر لے کر دوڑ پڑا اور جیسلمیر پہنچکر راجہ چچ کو پیغام بھیجا کہ تم برہمن ہو تم کو حکومت سے کیا واسطہ بہتر ہے کہ گوشہ نشین ہو کر کسی علمی کام میں مشغول ہو جاؤ۔

راجہ چچ نے یہ خط پاکر رانی سے مشورہ لیا، رانی نے غیرت دلا کر کہا کہ بہتر ہے کہ میرے زنانہ کپڑے تم پہنو اور اپنے مجھے دیدو، پھر اس نے فیاضی سے لشکر کو خوش کرنے کی ترغیب دی، اور اس تدبیر سے ایک بڑا لشکر تیار کر لیا۔

راجہ جے پور سے جنگ

جے پور کا راجہ ہمرت بڑھتا ہوا ارور کے پاس پہنچ گیا، چچ نے بھی بڑھ کر اپنی سپاہ اس کے سامنے کھڑی کر دی، تو راجہ ہمرت نے پیغام دیا کہ سپاہیوں کی مفت جان گنوانے سے کیا فائدہ؟ بہتر یہ ہے کہ ہم دونوں تنہا مقابلہ کر لیں، جو زندہ رہے وہ سندھ کا مالک بنے، راجہ چچ نے مجبوراً شرما کر یہ شرط قبول کر لی۔

الغرض دونوں اپنی اپنی فوجوں سے نکل کر دور ایک جگہ جمع ہوئے، اور چاہتے تھے کہ پاپیادہ جنگ آزما ہوں۔ کہ چچ کے اشارہ سے اس کا خادم گھوڑا لئے ہوئے پہنچ گیا جس کو اس نے پہلے ہی سے کہہ رکھا تھا، چچ نے فوراً سوار ہو کر تلوار کا ایک ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ ہمرت کا کام تمام ہو گیا تو چچ کی فوج نے ہمرت کی بے سری فوج پر حملہ کر کے شکست دیدی، اور چچ

---

[1] جے پور سے مراد آج کل کا جے پور نہیں ہے۔ کیونکہ یہ شہر تو جے سنگھ نے مغل دور میں محمد شاہ کے وقت میں آباد کیا ہے۔ غالباً اس سے مراد وہ جے پور ہے جو جیسلمیر کے قریب اور سندھ کی سرحد پر تھا، چچ نامہ میں جیسلمیر کا ذکر نہیں ہے۔ اور راجہ کو متوفی راجہ کا بھائی لکھا ہے۔ اور جے پور کی جگہ ایک مقام پر جے وز لکھا ہے جو ارور کے پاس ہے بس بہت ممکن ہے کہ یہی صحیح ہو۔

فتح کا جھنڈا اڑاتا اپنی راجدھانی مین پہنچ گیا، اور اس فتح پر اس نے بڑا جشن منایا۔

فتح پابیا اب چچ نے اپنے بھائی چندر میر کو کچھ دنون کے بعد اپنا نائب مقرر کیا، ایک دن راجہ نے وزیر سے دریافت کیا کہ راجہ ساہسی کے زمانہ مین سندھ کی حد کہان تک تھی۔ اس نے تفصیل سے اس کا ذکر کیا، راجہ نے وہان تک قبضہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اور خود تمام مقبوضات کے خود مختار اور باغی امرا کی سرکوبی کے لئے وزیر بودھی من کے ساتھ چل کھڑا ہوا اور بہت سی منزلین طے کر کے قلعہ پابیا پر پہنچا، جو دریاے بیاس (موجودہ ستلج) کے کنارہ پر تھا، میدان جنگ جیت کر قلعہ کا بھی محاصرہ کر لیا، جو چند دن کے بعد فتح ہو گیا اور قلعدار وہان سے بھاگ کر اسکلندہ جا کر پناہ گزین ہوا[1]

فتح اسکلندہ و سکہ شہر اسکلندہ مین ایک باثر شخص تھا، راجہ چچ نے اس کو والی قلعہ ہونے کا طمع دلا کر پابیا کے راجہ چتیرا کو قتل کرا ڈالا، اور ان دونون شہرون کا حاکم اسی قاتل کو بنا دیا جس نے اپنی زندگی بھر وفاداری سے کام لیا۔

اس کے بعد چچ سکہ کی طرف روانہ ہوا، جہان راجہ ساہسی کا ایک رشتہ دار جو علاقہ ملتان پر قابض تھا اس کے منچلے نوجوان بھتیجے "سوہے دل" نامی حاکم سکہ نے چچ کا بڑی بہادری سے مقابلہ کیا، لیکن شکست کھا کر محصور ہو گیا، اور محاصرہ کے چند دنون بعد وہ رات کو ملتان بھاگ گیا، جو اس علاقہ کا پایہ تخت تھا، راجہ چچ نے سکہ پر قبضہ کر کے ایک امیر کو حاکم بنایا اور خود ملتان کے محاصرہ کے لئے آگے بڑھ گیا،

فتح ملتان ملتان کے حاکم کا نام بجھرا (بجے رائے) تھا، اس نے جنگی ہاتھیون کو ساتھ لے کر زبردست لشکر سے اس کا مقابلہ کیا، مگر شکست کھا کر قلعہ ملتان مین محصور ہو گیا۔ اور راجہ کشمیر سے امداد کا طالب ہوا، لیکن اتفاق دیکھو کہ انھیں دنون راجہ کشمیر وفات پا گیا تھا اور خرد سال بچہ تخت نشین

---

[1] چچ نامہ قلمی ص ۱۰۴۔

تھا، جس کے باعث خود اس کے ملک مین امن نہ تھا،

بجے رائے (بجھرا) کو جب کشمیر سے مایوسانہ جواب ملا تو صلح کی التجا کی، جو قبول ہوئی،

اور ملتان کا حاکم مع اپنے اہل و عیال کے کسی طرف نکل گیا، اور تمام علاقہ پر راجہ چچ کا قبضہ ہوگیا، راجہ نے ایک ٹھاکر کو اس کا حاکم مقرر کیا، اس کے بعد برہماپور، کرور، اشاہار وغیرہ اس کے مطیع ہوئے، اس کے بعد وہ آگے بڑھتا چلا گیا، یہان تک کہ قلعہ شاکلھا پر پہنچا جو کمبار کے نام سے مشہور تھا، یہان ایک ماہ تک مقیم رہا، ہر جگہ امن و امان قائم کرنے کے بعد کشمیر اور اپنی سرحد پر جو ایک چشمہ کے کنارے پر پنجاب کہلاتا تھا، سرحدی درخت قائم کئے، اور وہاں اتنے دنوں مقیم رہا کہ دونون درخت بڑے ہوکر ایک دوسرے سے مل گئے،[1]

راجہ چچ اس کے بعد پایۂ تخت ارور واپس آگیا، اور ایک سال تک آرام کرتا رہا، پھر سیوستان کی طرف روانہ ہوا، دریاے سندھ سے اتر کر "بدھیا" (بودھیہ) کے اطراف مین وارد ہوا۔ اس ملک کا پایۂ تخت کاکاراج تھا، اور یہان کے باشندوں کو سوئیس کہتے تھے، اور اس کا حاکم بھیندر گو بھکشو کا لڑکا گوبند تھا، راجہ چچ نے اس ملک کے ایک قلعہ سیوہی پر حملہ کر کے فتح کرلیا۔ تو یہ دیکھ کر اس طرف کے دوسرے حاکم کاکا کے لڑکے کبا بجے سنگھ نے خراج ادا کرنے کا اقرار کر کے اطاعت قبول کرلی۔

فتوحات مغربی سندھ اب راجہ چچ سیوستان پہنچا، جہان کے حاکم کا نام "سردار جھتہ" تھا، یہ مقابلہ پر نکلا، مگر شکست کھا کر قلعہ مین محصور ہوگیا، ایک ہفتہ کے بعد بہ شرائط چند قلعہ بھی حوالہ کردیا، لیکن چچ نے اس پر مہربانی کر کے وہان کا حاکم اسی کو بنایا، البتہ بطور مشیر و نگران ایک اپنا افسر بھی متعین کردیا۔ یہان سے فارغ ہوکر برہمن آباد[2] پہنچا، جہان کا حاکم "اکھم لوہانہ" تھا، راجہ نے اطاعت کا

---

[1] چچ نامہ قلمی ص ۱۶ [2] برہمن آباد کا اصلی نام "بھمن وا" ہے (بیرونی ص ۱۹۲ لیدن)

فرمان اس کے نام جاری کیا، لیکن اتفاقاً ایک خط اکھم لوہانہ کا راجہ مہتہ (مٹا) والی سیوستان کے نام، ایک نامہ بر کی گرفتاری پر ملا جس سے دونوں کی سازش کا پتہ چلا، یہ خبر راجہ مہتہ کو ہوئی تو وہ ریگستان کے راجہ استی کے یہاں چلا گیا،

راجہ چچ کی فوج نے لوہانہ کو شکست دی، مجبور ہو کر برہمن آباد کے قلعہ میں محصور ہوا ایک سال تک اس کا محاصرہ رہا، اکھم لوہانہ نے کنوج کے راجہ راسل کے بیٹے ستبان سے مدد بھی مانگی،[1] مگر اس کے جواب آنے سے پہلے ہی لوہانہ چل بسا، اور اس کا لڑکا جانشین ہوا، آخر چچ نے ایک پُر زور حملہ کر کے اس کو فتح کر لیا، لوہانہ کے لڑکے "سربند" کو عزت کے ساتھ وہاں رہنے کی اجازت دی۔ اس کی ماں سے خود شادی کر لی، اور اپنے بھتیجے کی لڑکی "دھرسیا" نامی کو اس کے عقد میں دے دیا، اور ایک سال تک وہاں مقیم رہ کر اس ملک کا بخوبی انتظام کرتا رہا،

جاٹ اور لوہانہ اروڑ (الور) واپس آکر اس نے سرکش قوم جاٹوں اور لوہانوں کا بندوبست کیا، ان کا ایک ایک ضامن اروڑ (الور) میں بلا کر رکھا، اور مندرجۂ ذیل قوانین ان کے لئے وضع کر کے اس کی پابندی پر ان کو مجبور کیا گیا۔[2]

(۱) مصنوعی تلوار کے سوا کسی قسم کا ہتھیار نہ باندھیں۔

(۲) قیمتی کپڑے جیسے شال مخمل، ریشم وغیرہ نہ استعمال کریں۔ بغایت مجبوری صرف سرخ وسیاہ ریشم استعمال کریں۔

(۳) بغیر زین کے سوار ہوا کریں،

(۴) ننگے سر اور ننگے پیر رہا کریں۔

(۵) باہر نکلیں تو اپنا کتا ساتھ رکھیں،

---

[1] تاریخ سندھ جلد اول ص ۶۵ لکھنؤ۔ لیکن چچ نامہ قلمی ص ۹ میں کنوج کے راجہ کا نام "سیارس" بن بدل رائے ہے [2] چچ نامہ ص ۲۱

(۶) جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لایا کرین۔

(۷) جاسوسی اور رہبری کی خدمت انجام دین۔

حملۂ کرمان سنہ ۲ ھ | راجہ چچ ان انتظامات کے بعد کرمان کی طرف بڑھا، جو اس وقت ایرانیوں کے قبضہ میں تھا۔ اور ایرانی سلطنت ارکینِ دولت کی نااتفاقیون سے دم توڑ رہی تھی، ایسی حالت مین چچ جب آگے بڑھا تو سب سے پہلے ارمابیل (ارمن بیلہ) پہنچا، یہان کا حاکم بدھ مذہب کا پیرو تھا، اس لئے اس کا شاندار استقبال کیا، اور اتحاد باہمی کا دونون نے معاہدہ کیا، پھر آگے چل کر کنارپور پہنچا، جس کو عرب مورخین "فنزبور" (موجودہ پنج گور) کہتے ہیں۔ اس کے قلعہ کو از سر نو تعمیر کیا، اور قدیم ہندوستانی رسم کے مطابق اس پر نوبت رکھوائی، جو شبانہ روز مقررہ وقت پر بجا کرتی، اس سے آگے بڑھ کر اس دریا کے کنارے مقیم ہوگیا، جو کرمان اور مکران کے درمیان بہتا ہے، اسی مقام پر دریا کے کنارے کھجور کے درخت لگوائے، جو سندھ اور ایران کے درمیان حد فاصل کا کام دین،

اس سے فارغ ہو کر قندابیل (گنداوی) ہوتا ہوا دریائے سینی کے کنارے خیمہ زن ہوا، یہان کے لوگون نے مجبوراً راجہ کی اطاعت قبول کی، اور خراج مین ایک لاکھ درہم اور ایک سو پہاڑی گھوڑون کا وعدہ کیا،

وفات | راجہ چچ یہان سے اپنے دارالسلطنت ارور (الور) پہنچا، عرصۂ دراز کے بعد چالیس برس سلطنت کر کے سنہ ۴۲ ھ مین دنیا سے رخصت ہوگیا۔[1]

راجہ چندر | چچ کے بعد اس کا بھائی چندر سندھ کا راجہ ہوا، یہ بدھ مذہب کا پیرو تھا، اور اپنا وقت زیادہ تر عبادت اور برہمنون کی صحبت مین گذارتا، اس نے لوگون کو مجبور کرنا شروع

[1] چچ نامہ ص ۲۳

کر دیا کہ بدھ مذہب اختیار کریں، اس وقت سندھ میں عام آبادی بدھوں کی تھی لیکن ارکان حکومت برہمن مذہب کے متبع تھے،

سیلوستان کا حاکم مہتہ (مٹّا) جب ہندوستان پہنچا تو قنوج[1] کے راجہ سری ہرش (متوفی ۲۷ھ ۶۴۷ء) کو اس بات پر آمادہ کیا کہ سندھ کی حکومت چھین لے، چنانچہ اس نے ہرباس بن کسایس کو سپہ سالار بنا کر ایک فوج کے ساتھ روانہ کیا، راجہ چچ کا نواسہ جو سرحد کشمیر پر حکمران تھا، وہ بھی اس سے مل گیا، اور اب دونوں فوجیں دریائے ہاسی پر خیمہ زن ہوئیں، پھر قلعہ دیو پر قبضہ کر لیا، اور آگے بڑھ کر "ببند کا ہوبا" سے سندھ کے راجہ چندر کو ایک دھمکی کا خط لکھا، کہ فوراً اطاعت قبول کرے، مگر راجہ نے اس ذلت پر موت کو ترجیح دی، چنانچہ نہایت مستعدی سے اس نے فوجی تیاری شروع کر دی، اور تمام قلعوں کی مرمت اور استحکام پر فوری توجہ مبذول کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ غنیم اپنا سر ٹکرا ٹکرا کر واپس ہو گیا، اس کے بعد پوری قوت اور طاقت کے ساتھ سات سال اس نے حکومت کی، اور ۴۸ھ ۶۶۸ء میں اس دنیائے ناپائدار سے رخصت ہو گیا،

راجہ داہر

چندر کے مرنے پر طوائف الملوکی شروع ہو گئی، اروڑ (الور) کے تخت پر چچ کا چھوٹا لڑکا راجہ داہر بیٹھ گیا، اور برہمن آباد میں چندر کا لڑکا "راج" نامی راجہ بن گیا، ایک سال کے بعد جب یہ مر گیا تو داہر کے بڑے بھائی دھرسنگھ نے اس پر قبضہ کر لیا، اور داہر نے بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا،

ایک سال کے بعد ۴۹ھ ۶۶۹ء میں دھرسنگھ دورے پر نکلا، پہلے مشرقی اطراف میں داخل ہوا، اور مکمل انتظام کر کے جنوبی ملک کی طرف چلا گیا، اور چھ ماہ مقیم رہ کر راور کے قلعہ کی تکمیل کی،

[1] اس قنوج (کنوج) سے غالباً ہندوستان کا وہ مشہور پایۂ تخت مراد ہے جو گنگا کے کنارے واقع ہے کیونکہ راجہ ہرش جو قنوج کا مشہور حکمران گذرا ہے، اگرچہ وہ ۲۷ھ ۶۴۷ء میں وفات پا چکا تھا، تاہم اس کا رعب داب اور اس کی شہرت اب تک باقی ہے،

جس کی تچ نے بنیاد رکھی تھی، اور آس پاس گاؤن آباد کئے۔

غرض ان تمام انتظامات سے جب فراغت پائی تو دار السلطنت برہمن آباد مین واپس آیا، جہان رعایا نے بڑی شان و شوکت سے استقبال کیا، راجہ دہر سنگھ اب اطمینان سے داد عیش و کامرانی دینے لگا۔ اس طرح سندھ کے دو حصے ہو گئے، شمال پر داہر اور جنوب پر دہر سنگھ قابض رہے۔

داہر کا نکاح بہن سے

راجہ کی بہن رانی بائی جو ایک جاٹ کے بطن سے تھی، اب جوان ہو گئی تھی، راجہ بھاٹیہ نے درخواست کی، دھرسین نے اس کے جہیز کا سامان کر کے چالیس ٹھاکر کے ساتھ اور راجہ داہر کے پاس بھیجدیا، ایک دن راجہ داہر کا ایک درباری ذرا دیر کر کے آیا، اور ایک نجومی کی صحیح پیشین گوئی کا ذکر کیا، راجہ نے اس سے مل کر اپنے زائچہ کے متعلق دریافت کیا، اس نے کہا کہ ہر طرح سے آپ کی سلطنت مین امن رہے گا، پھر اس نے اپنی بہن بائی کی نسبت دریافت کیا، اس نے کہا کہ آپ کی بہن کا ستارہ بڑے عروج پر ہے، جو شخص آپ کی بہن سے شادی کرے گا وہ سندھ کا راجہ ہوگا، اور وہ پھر بھی اسی جگہ رہے گی، یہ سن کر راجہ داہر بہت پریشان ہوا، وزیر نے کہا کہ راج کے لئے لوگ باپ اور بھائی کو قتل کر ڈالتے ہین، اگر آپ نے بہن سے شادی کر لی تو یہ کونسی بڑی بات ہوگی، راجہ نے کہا کہ یہ بڑی بدنامی کی بات ہے، وزیر نے ایک بڑے بال والی بکری کے بالون مین رائی کا دانہ ڈال دیا، اور حفاظت سے روزانہ پانی ڈالتا رہا، یہان تک کہ سبزی اس مین نکل آئی، جب بازار مین اس کو پھرایا تو لوگون کو بڑا تعجب ہوا اور تمام شہر مین اس کا ذکر ہونے لگا، تین دن اسی طرح ہوا، اس کے بعد وہ بکری تمام شہر مین گھومتی پھرتی کوئی توجہ نہ کرتا، وزیر نے راجہ سے کہا کہ بھلائی یا برائی کا چرچا مخلوق مین تین دن رہتا ہے، پھر کوئی نہیں پوچھتا، شادی کے بعد یہی حال آپ کا ہوگا، اب راجہ داہر نے دل مین ٹھان لیا کہ بہن سے خود ہی شادی کر لے گا، چنانچہ کچھ مشیر دن

اور معتمدوں کو رخصت کر کے ہندوانہ رسم کے بموجب اس پر چادر ڈال دیا، گویا نکاح کر لیا۔[1]

دھر سین کا حملہ

باوجود اس نکاح کے دونوں آپس میں ملے نہیں بلکہ صبح ہی اس کو اپنے گھر بھیج دیا گیا، اس کارروائی سے وہ دل میں خوش تھا اور سمجھا کہ سندھ کا راجہ اب کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا، لیکن اس کی خبر جب برہمن آباد پہنچی تو اس کا بڑا بھائی دھر سنگھ بے حد آزردہ ہوا، اس نے نصیحت کا ایک خط لکھ کر ملاقات کے لئے طلب کیا، مگر وزیر نے جانے نہ دیا، تب دھر سنگھ ایک لشکر لے کر اس سے جنگ کرنے چلا، داہر بھی اس کے لئے تیار تھا، فوراً فوج ظفر موج کے ساتھ الور سے نکل کھڑا ہوا اور ایک جگہ مقیم ہو کر اس کا انتظار کرنے لگا، اور جب دیر ہو گئی تو شکار کھیلنے چلا گیا، ادھر دھر سنگھ آپہنچا اور قلعہ میں داخل ہونا چاہا، مگر قلعہ کا دروازہ بند کر دیا گیا، بعض نیک نفس لوگوں نے بیچ میں پڑ کر صلح کرا دی، اور پھر بڑی عزت سے مغربی شہر پناہ کے پاس ایک معزز مہمان کی حیثیت سے اس کو اتارا اور داہر کو اطلاع دی گئی، وہ فوراً واپس آیا، اور دعوت کا پیام دیا، مگر اس نے انکار کر دیا، سہ پہر کو داہر کی ماں اور دوسرے عمائدینِ شہر اس سے ملنے آئے، اور شادی کی حقیقت سے اسے آگاہ کیا کہ یہ شادی فقط ستارہ کی نحوست اتارنے کے لئے کی گئی ہے، ورنہ اس سے کوئی دوسرا مطلب نہیں ہے، تب دھر سنگھ نے بظاہر اس کا قصور معاف کر دیا،

دوسرے دن ہاتھی پر سوار ہو کر محل کے سامنے قلعہ کے پاس پہنچا، اور آدابِ شاہی بجا لایا، داہر نے اندر طلب کیا، محل کے اندر دونوں بڑے گرم جوشی سے ملے، دھر سنگھ نے کہا کہ میرے ساتھ چلو تاکہ لوگوں کو ہمارے اتحاد کا یقین آجائے، چنانچہ داہر ہاتھی پر سوار ہو کر اپنے بھائی کے ساتھ چلا، جب قلعہ کے پھاٹک کے نزدیک آیا تو داہر کی آنکھ کھلی اور اسے یقین آگیا کہ میرے

[1] چچ نامہ ص ۲۷

ساتھ فریب کیا گیا، اپنے برہمن وزیر سے مشورہ کیا، اس نے کہا کہ قلعہ کے پھاٹک مین رُک جاؤ، ہاتھی نکل جائے گا تو فوراً دروازہ بند کر دون گا، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، جب دھرسنگھ نے پلٹ کر اس کو دیکھا تو نہ پایا، اور قلعہ کا دروازہ بھی بند ہو گیا تو سمجھ گیا کہ وار خالی گیا، اس کا اس کو اس قدر صدمہ ہوا کہ دھرسنگھ واپس آتے ہی سخت بخار مین مبتلا ہو گیا، اس کے بدن پر بڑے بڑے آبلے نکل آئے، اور تیسرے دن ۵۲ھ مین مر گیا، وفات کے بعد راجہ داہر نے اکھم لوہانہ کی لڑکی سے شادی کر لی جو اس کے بھائی کی بیوہ تھی، پھر ایک ماہ کے بعد برہمن آباد پہنچا، اور ایک برس تک مقیم رہ کر وہان کے انتظامات مکمل طور پر انجام دیئے، دھرسنگھ کے لڑکے چچ کے ساتھ بڑی محبت سے پیش آیا، یہان سے سیوستان گیا پھر راور پہنچا اور یہان کے قلعہ کی تکمیل کی جس کو چچ نامکمل چھوڑ کر مر گیا تھا[1]

یہ مقام چونکہ ذرا سرد تھا، اس لئے گرمیون کے چار مہینے وہ ہر سال اسی جگہ بسر کرتا تھا اور چار مہینے سردیون کے برہمن آباد مین، اور چار مہینے بہار کے الور مین رہتا، چنانچہ ۸ سال تک وہ اس طریقہ پر زندگی بسر کرتا رہا،

راجہ رَنمل کی بغاوت — ۷۹ھ مین رنمل راجہ نے بغاوت کی، اور بڑی فوج لے کر روانہ ہوا جس مین جنگی ہاتھی بھی تھے، یہ فوج بودھیا[2] کے راہ سے علاقہ راور پر حملہ آور ہوئی اور قبل اس کے کہ راجہ داہر ان کی کوئی مدافعت کر سکے، وہ ان علاقون پر قابض ہو گئی اور پھر دار السلطنت

[1] اس سے قبل دھرسنگھ نے بھی اس کی تکمیل کی تھی، معلوم ہوتا ہے کہ داہر نے کچھ نئی عمارت اور بنوائی جس کو چچ نامہ کے مصنف نے تکمیل کے نام سے تحریر کیا ہے [2] بودھ سے مراد سیوی اور قندبیل تو ناممکن ہے، کیونکہ دریا پار ہو کر راور پر حملہ کرنا زیادہ آسان تھا، بہ نسبت اس کے کہ پورا مغربی علاقہ طے کر کے راور کے پاس آئے، اس لئے میرے خیال میں اس سے مراد علاقہ ریگستان کچھ کی طرف کا ملک ہے، اور اس کی تائید آگے چل کر محمد بن قاسم کی تحریر سے ہوتی ہے، غالباً یہ ریاست بابیہ (یا بھاٹیہ) کا راجہ تھا، جو کسی سبب سے ناراض تھا، سے بہت ممکن ہے کہ اس کو قلعہ میں کسی نامعلوم ذریعہ سے زہر دیا گیا ہو،

ارور (الور) کی طرف بڑھی،

عربون کی امداد

اس وقت غنیم کے پاس بڑی زبردست فوج تھی، جو پے در پے حملہ کرتی چلی آتی تھی، انہی دنون اتفاقاً کچھ عرب محمد علافی کے ماتحت اسلامی ملکوں سے بغاوت کرکے بھاگ آئے تھے اور اسی مقام پر راجہ داہر کے زیر حکومت امن کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے، راجہ داہر نے گھبرا کر وزیر سے مشورہ کیا، وزیر نے کہا کہ سب سے بہتر بات تو یہ ہے کہ لڑ کر غنیم کو شکست دینی چاہئے اور نہ ہو سکے تو صلح اچھی ہے اور مال سے کام چل سکے تو بھی ٹھیک ہے، کہ بادشاہ خزانہ اسی دن کے لئے بھرا رکھتے ہین، اس کے علاوہ آج کل کچھ عرب آئے ہوئے ہین ان سے بھی مشورہ لے لینا اچھا ہے، کیونکہ یہ لوگ اچھے جنگجو اور سیاست دان ہوتے ہین، راجہ داہر ان کے پاس گیا، اور مشورہ دریافت کیا، اس نے کہا کہ اول تو تم یہان سے ایک میل کے فاصلہ پر ایک خندق کھود کر وہان ٹھہرو اور مجھے کچھ فوج دو تاکہ ان کا حال معلوم کرکے کوئی تدبیر کرون، راجہ داہر نے اس پر عمل کیا، علافی فوج لے کر دشمنون کے حالات معلوم کرنے لگا، اس کو یہ معلوم ہوا کہ یہ لوگ رات کے وقت کوئی احتیاط نہیں برتتے، اور غافل رہتے ہین۔ پس محمد علافی نے اپنے ماتحت پانچ سو سوارون کو لے کر رات کے وقت شب خون مارا، اور اس شدت سے حملہ کیا کہ رن مل کی فوج بے تاب ہو کر بھاگ نکلی، ہزارون مارے گئے، اور ہزارون گرفتار ہوئے پچاس ہاتھی بھی عربون کے ہاتھ لگے۔

داہر کو غیر متوقع طور پر جوان سے مدد ملی تو بہت خوش ہوا، اور ان کی بڑی عزت افزائی کی، اس کے بعد راجہ داہر داخلی مشکلات مین کبھی مبتلا نہ ہوا، یہان تک کہ ۹۲ھ ۷۱۱ء مین ۳۳ برس حکومت کے بعد خلافت عرب سے اس کی ان بن ہو گئی، اور محمد بن قاسم نے ایک جرار لشکر سے اس کی سلطنت کا تختہ الٹ دیا، چنانچہ ۱۰ رمضان ۹۳ھ (مطابق ۷۱۲ء) مین راجہ داہر مارا گیا اور

اور سندھ عرب مسلمانون کے قبضہ مین آگیا۔

عربون کا ابتدائی بحری حملہ ربیع الاول ۱۱ھ مین حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت ابوبکرؓ آپؐ کے خلیفہ ہوئے، اس عہد مین مثنیٰ بن حارثہ شیبانی نے عراق عرب پر حملہ کیا، اور وہ مختلف مقامات مین کامیابی کے ساتھ فتوحات حاصل کرتے رہے، ۱۳ھ مین حضرت ابوبکرؓ کی وفات پر حضرت عمرؓ ان کے جانشین ہوئے،

۱۵ھ مین عثمان بن ابی عاص ثقفی بحرین اور عمان کے گورنر مقرر ہوئے، وہ خود تو عمان مین رہے، مگر اپنے بھائی حکم بن ابی عاص کو اپنا نائب بنا کر بحرین بھیجا۔

تھانہ پر حملہ عثمان نے کچھ دنون کے بعد ایک بحری بیڑا تیار کیا، اور ہندوستان پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کردیا، یہ جہاز اتفاق سے تھانہ بندرگاہ پر پہنچا، (جو گجرات اور کوکن بمبئی کی سرحد پر واقع ہے) عربون نے اس کو لوٹ لیا، اور مال غنیمت لے کر عمان پہنچے،[1] عربون کا گجرات بلکہ ہندوستان پر یہ پہلا حملہ تھا،

چونکہ یہ بحری بیڑا بلا اجازت خلیفہ کے بھیجا گیا تھا، اس لئے عثمان نے ڈرتے ڈرتے اپنی کامیابی اور مال غنیمت حاصل کرنے کی اطلاع دربارِ خلافت مین روانہ کی، حضرت عمرؓ اس سے اس قدر برہم ہوئے کہ مندرجۂ ذیل جواب لکھ بھیجا۔

"اے برادر ثقفی! تم نے یہ فوج نہیں بھیجی تھی، بلکہ گویا ایک کیڑے کو لکڑی پر بٹھا کر سمندر مین ڈال دیا تھا، بخدا یہ لوگ اگر مبتلائے آفت ہو گئے ہوتے تو ان کا معاوضہ مین تمہاری قوم سے بھر لیتا۔"

سندھ پر پہلا بحری حملہ لیکن اس دھمکی پر بھی عثمان بن ابی عاص نے پروا نہ کی، اور اپنے بھائی مغیرہ

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۴۳۲ لیڈن۔

ابن عاص کو پھر ایک بیڑے کا افسر بنا کر بھیجا، اس دفعہ وہ سندھ کے مشہور شہر دیبل پر پہنچے اور دشمنوں کو شکست دے کر مالِ غنیمت کے ساتھ بحرین واپس آئے، یہ سندھ پر پہلا حملہ تھا، اسی زمانہ میں ان کے دوسرے بھائی حکم بن ابی عاص دوسرا بیڑہ لے کر گجرات کی مشہور بندرگاہ بھروچ پر پہنچ گئے، یہ گجرات پر دوسرا حملہ تھا۔

لیکن اس قسم کے حملوں سے کوئی مفید نتیجہ نہ نکلا، غالباً یہ وقتی حملے تھے، جن سے مقصود ملک کا حال معلوم کرنا اور بحری ڈاکوؤں کا انسداد تھا، جو تاجروں اور مسافروں کے جہازوں پر چھاپہ مارتے پھرتے تھے، اور بوقت ضرورت سندھ اور کاٹھیاوار کے بندروں میں پناہ لیتے تھے، ہندوستان اور سندھ پر اصلی حملہ خشکی کی طرف سے ہوا۔

یعنی جب مسلمان ایران فتح کرتے ہوئے مکران، کرمان اور سیستان تک پہنچ گئے تو سندھ کی سرحدیں ان اسلامی مقبوضات سے مل گئیں جو ابھی نومفتوحہ تھیں۔

عربوں کا بری حملہ

مکران پر سب سے پہلے ابو موسیٰ اشعریؓ نے اپنی حکومت کے وقت میں ربیع بن زیاد کو بھیج کر قبضہ کر لیا تھا، لیکن کامل اقتدار حاصل کئے بغیر مجاہدین واپس آگئے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ لوگ خودمختار ہو گئے۔

سنہ ۲۲ھ میں جب تمام ایران مفتوح ہوا تو اسی ضمن میں عبداللہ بن عامر بن ربیع کرمان پر قبضہ کر کے سیستان کی طرف بڑھے، حاکم (مرزبان) سیستان نے اطاعت قبول کر لی، تو مکران پر حملہ آور ہوئے، مکران والوں نے راجہ سندھ سے مدد مانگی، لیکن ابن عامر نے سندھی اور مکرانی دونوں متحدہ فوجوں کو شکست دے کر تمام ملک کو زیر نگین بنا لیا، یہ پہلا موقع ہے کہ سندھیوں نے بلاوجہ عربوں سے لڑائی مول لی، اور بلا ضرورت عربوں کو دعوتِ جنگ دی، چنانچہ سندھیوں سے برسرِ پرخاش ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔

ابن عامر صرف فاتح تھا، ملکی انتظام اس سے نہ ہو سکا، چنانچہ اس کے واپس ہوتے ہی یہ تمام ممالک پھر خود مختار ہو گئے، اس لئے ۲۳ھ میں ان کا مستقل انتظام کیا گیا، سہیل بن عدی اور عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان نے کرمان فتح کر کے اس کا انتظام کیا، اور عاصم بن عمر اور عبداللہ ابن عُمیر سیستان پہونچے، جہاں کے مرزبان نے خراج دینا قبول کیا۔

حکم بن عمر تغلبی مکران کی طرف بڑھے، مکران کے راجہ نے پھر سندھی راجہ سے مدد طلب کی، جو ایک بہادر فوج لئے ہوئے میدانِ جنگ میں فوراً پہنچ گیا، ادھر شہاب بن مخارق، سہیل بن عدی، عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان بھی مدد کے لئے آپہنچے، معرکہ بڑا سخت تھا، ہر دو فریق نے دادِ مردانگی دی، آخر کار مکران کا راجہ جس کو رتبیل کہتے تھے، مارا گیا،[۱] سندھی اور مکرانی فوج بڑی بے ترتیبی سے پسپا ہوئی، دریاے دوین تک عربوں نے ان کا تعاقب کیا، ان فتوحات کے بعد حکم تغلبی نے مال غنیمت سے پانچواں حصہ دربار خلافت میں ارسال کیا، صحار عبدی جب مدینہ پہنچے اور حضرت عمرؓ کے سامنے مالِ غنیمت پیش کیا تو خلیفۂ دوم نے خدا کا بے حد شکر ادا کیا،

صحار عبدی چونکہ اس سرزمین کو دیکھ کر آئے تھے، اس لئے حضرت عمرؓ نے ان سے وہاں کے حالات دریافت کئے، کیونکہ فوجی عہدہ دار دریاے سندھ سے آگے بڑھنے کی اجازت طلب کر رہے تھے، صحار عبدی نے کہا کہ

"امیر المومنین! یہاں پانی کی بے حد قلت ہے اور یہاں کے لوگ ڈاکو ہیں، تھوڑی فوج جائے تو لوٹ لی جائے، اور زیادہ جائے تو پیاسوں مرے۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ وہاں کے حالات بیان کر رہے ہو یا شاعری کرتے ہو، صحار نے

[۱] الکامل لابن اثیر جلد ۳ ص ۳۵ لیدن۔

یقین دلایا کہ وہ سچ کہہ رہے ہین، تو حضرت عمرؓ نے مسلمانون کو آگے بڑھنے سے منع فرمادیا[1]، حالانکہ یہ حال مکران کا تھا، نہ سندھ کا،

خلافت عثمانیہ

محرم ۲۴ھ مین حضرت عثمان بن عفانؓ خلیفہ ہوئے، ایک سال کے بعد ۲۵ھ مین اپنے ماموں زاد بھائی عبد اللہ بن عامر بن کریز کو سیستان روانہ کیا جہان سے وہ کابل پر حملہ آور ہوئے[2]، کابل اس عہد مین صوبہ سیستان کا ایک حصہ تھا، اور گو سیستان عہد فاروقی میں فتح ہوچکا تھا، لیکن کابل کا حاکم ابھی تک خود مختار تھا، ابن عامر نے کابل پہنچکر قلعہ کا محاصرہ کرلیا، کابلی بھی قلعہ کے نیچے بہادری سے خوب لڑے، مگر آخر کار عربون کے آگے سر جھکانا پڑا، اور کابل مسلمانون کے قبضہ مین آگیا، یہ ہندوستان کا وہ دروازہ تھا جس کو مسلمانون نے بزور فتح کیا، لیکن جیسے ہی عربی فوج واپس گئی، کابل خود مختار ہوگیا،

۲۹ھ مین عبد اللہ بن عامر بجاے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے تمام مشرقی ممالک کے اعلیٰ حاکم مقرر ہوئے، ان دنون بصرہ اس کا پایہ تخت تھا، چنانچہ ابن عامر نے جب بصرہ مین چارج لیا تو یہ دیکھ کر متحیر ہوگئے کہ اکثر مفتوحہ ممالک باغیون کے ہاتھ مین ہین، اس لئے عبد اللہ بن عُمیر لیثی کو والی سیستان بنا کر روانہ کیا جنھون نے وہان پہنچتے ہی تمام سرکشون کو زیر کرکے کابل تک اپنے قبضہ مین کرلیا[3]،

دوسری طرف عبید اللہ بن معمر کو مکران کا حاکم بنایا گیا، جو بڑی بہادری سے فتوحات حاصل کرتا ہوا

---

[1] بلاذری نے اس واقعہ کو حضرت عثمانؓ کے عہد مین تحریر کیا ہے کہ آپ نے عبد اللہ بن عامر کو عراق کا حاکم بنا کر لکھا کہ کسی کو ہندوستان کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجو، انھون نے حکیم بن جبلہ عبدی کو روانہ کیا، واپسی کے بعد وہی سوال وجواب ہوئے، جو حضرت عمرؓ کے متعلق تحریر کیے گئے۔ (ص ۴۳۲ لیڈن) [2] کامل ابن اثیر جلد ۳ ص ۶۷ [3] ابن اثیر جلد ۳ ص ۷۷ ۔

ہندوستان کی سرحد تک پہنچ گیا، اور تمام باغیون کو از سرِ نو مطیع کیا۔

تیسری طرف عبد الرحمن بن عبیس کرمان کے گورنر ہوئے، جنھون نے نہایت خوبی سے امن وامان قائم کیا، باوجود ان انتظامات کے باغی ہر وقت شر وفساد کے لئے تیار نظر آتے، اس لئے ابن عامر خود خراسان پہنچے، سیستان کی حکومت ربیع بن زیاد حرثی کو دی، اور کرمان مجاشع بن مسعود کے سپرد کیا[۱]۔

ابن مسعود نے کرمان پہنچ کر شہر "ہمید" فتح کر لیا، اور ایک عالیشان قصر یہان تعمیر کرایا، اس کے بعد سیستان کے پایۂ تخت "سیرجان" پر قبضہ جمایا، گو مفتوحین کے بار بار بغاوت کرنے سے فاتحون کے دل غبار آلود تھے، مگر مذہبی احکام کے باعث کسی کو قتل وغارت کرنے نہ دیا، فقط باغیون کے سرغنہ اور مفسد لوگون کو جلاوطن کرنے پر اکتفا کیا، اس سے آگے بڑھ کر جیرفت کو اپنے مفتوحہ ممالک مین شامل کر لیا، پھر قفص[۲] کے پہاڑون مین ایک خونریز جنگ کے بعد داخل ہوا، اور کچھ عرب خاندان یہان آباد کئے، اس طرح اس نے تمام ممالک کو دشمنون سے پاک کر کے اطمینان سے حکومت کرنا شروع کیا[۳]۔

ہندوستان پر پہلا حملہ

ربیع بن زیاد نے سیستان پہنچکر سب سے پہلے قلعہ "زالق" پر قبضہ کیا، لیکن اطاعت کے اقرار پر اس کو واپس کر دیا گیا، پھر شہر "کرکویہ" مطیع ہوا، اس کے بعد شہر زاشت پر سخت معرکہ آرائی ہوئی، اس کے مطیع ہو جانے پر آگے بڑھ کر "ناشرود" اور "شرواذ" دونون شہر مقبوضات اسلامی مین داخل کئے گئے، اور پھر زرنج جا پہنچے، زرنج کے حاکم نے پہلے تو خوب

[۱] ابن اثیر جلد ۳ ص ۹۷ [۲] قفص بظاہر قیچ کا معرب معلوم ہوتا ہے، غالباً اس سے مراد وہ لوگ ہین جو قبچاق (ترکستان) کے باشندے تھے، جو ہجرت کر کے یا فاتحانہ کسی زمانہ مین ہندوستان کے مغربی پہاڑون مین آ بسے، غالباً انہی کو آج پٹھان اور بلوچی کہتے ہین۔ [۳] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۰۰،

مقابلہ کیا، مگر آخر میں قلعہ بند ہوگیا، لیکن جب محاصرہ کی سختی سے تنگ آگیا، تو صلح کا پیام دیا اور خود حاضر ہوکر اطاعت کا اقرار کرنا چاہا، ربیع نے اس کو قبول کرلیا[1]،

ربیع بڑے مدبر اور ہوشیار افسر تھے، انھوں نے فقط غنیم کو مرعوب کرنے کے لئے اپنے لشکرگاہ کے سپاہیوں کو ایسے کپڑوں میں ملبوس کردیا، اور ان کی ہیئت ایسی بنادی کہ جس کو دیکھتے ہی انسان مرعوب ہوجائے، خود بھی ایک لاش پر بے تکلف بیٹھ گئے، اور دوسری لاش سے تکیہ کا کام لیا۔ اس حالت میں انھوں نے مرزبانِ سیستان سے ملاقات کی،

مرزبان یہ دیکھ کر اس قدر مرعوب ہوا کہ وہ ربیع کے سامنے کھڑا کانپ رہا تھا، آخر صلح ہوگئی، اور مسلمان شہر میں داخل ہوگئے، ربیع زرنج فتح کرنے کے بعد دریاے سنارود کے پار اتر کر اصطبل رستم گاؤں میں مقیم ہوا، گاؤں والوں نے کچھ مقابلہ کیا، مگر آخر مطیع ہوگئے، غرض تمام سیستان میں امن و امان قائم کرکے ربیع زرنج واپس آیا،

ایک سال کے بعد ربیع ابن زیاد حاکم اعلیٰ ابن عامر سے ملنے خراسان چلا گیا، اور اپنا ایک نائب چھوڑ گیا، باغیوں نے پھر سر اٹھایا، اور نائب کو نکال باہر کیا، ابن عامر کو جب اس کی خبر ہوئی، تو فوراً اس نے عبدالرحمن رضؓ بن سمرہ بن حبیب کو والی مقرر کرکے روانہ کیا، یہ ایک تجربہ کار افسر تھے، اور حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ صحابی تھے، آپ نے زرنج کا ایسا سخت محاصرہ کیا کہ چند ہی دن میں اطاعت پر لوگ مجبور ہوگئے، اس فتح کے بعد آپ آگے بڑھے، اور ان تمام علاقوں پر قابض ہوگئے جو زرنج اور کش کے درمیان تھے، یہ علاقہ گو اس وقت بلوچستان میں شامل ہے، مگر اس عہد میں ہندوستان کے ماتحت تھا، کیونکہ اس وقت تک بلوچستان کے نام کا کوئی صوبہ نہ تھا، بلکہ مکران اور سیستان ہی سندھ سے

[1] ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۰۰ — ۱۰۱

ملے ہوئے تھے، اس لحاظ سے ہندوستان کی سرزمین پر یہ پہلا حملہ خشکی کی طرف سے ہوا اور یہی پہلا علاقہ ہندوستان کا ہے جو مسلمانوں کے قبضہ میں آیا، اور خود صحابہ رسول کے مقدس ہاتھوں سے مفتوح ہوا،

اس کے بعد آپ نے زرنج اور "داون" پر قبضہ کیا، داون والے فرار ہو کر "کوہ زور" کے مندر میں پناہ گزین ہوئے، حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ نے وہاں بھی جا گھیرا، آخر اطاعت پر مجبور ہوئے، اور مسلمان مندر میں داخل ہو گئے،

یہاں ایک بت تھا جس کا نام "زور" تھا، اور اسی مناسبت سے اس پہاڑ کو بھی کوہ زور کہتے تھے، اس بت کی آنکھیں یاقوت کی تھیں، اور خود سونے کا تھا، عبدالرحمٰن سیدھے بت خانہ میں پہنچے، پہلے اس کی آنکھیں نکالیں پھر ایک ہاتھ توڑ دیا، اس کے بعد وہاں کے حاکم سے مخاطب ہوئے، جو اسی جگہ کھڑا یہ تماشا دیکھ رہا تھا، فرمایا کہ یہ یاقوت اور سونا اپنا اٹھا لو مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں ہے، میں نے یہ کام صرف یہ دکھانے کے لئے کیا ہے کہ ان بتوں میں کوئی طاقت نہیں ہے، یہ بت نہ کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے، نہ نقصان، اس کے بعد عبدالرحمٰن نے کابل، زابلستان (غزنہ) اور قندھار وغیرہ کو فتح کیا، گویا کہ سارا سیستان مکمل طور پر دوبارہ فتح کیا گیا، عبدالرحمٰن ان فتوحات سے فارغ ہو کر زرنج چلے آئے، اور عرصہ تک مقیم رہے۔[1]

خلافت مرتضویہ | ۳۵ھ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ خلیفہ ہوئے، ابتداء ۳۶ھ میں آپ نے تمام عثمانی والیوں کو معزول کر دیا، اسی ضمن میں عبداللہ بن سمرہ بھی واپس گئے، ان کے واپس ہوتے ہی تمام مشرقی ممالک میں بغاوت پھیل گئی، متعدد والی آئے مگر کوئی کامیاب نہ ہوا۔

۳۶ھ میں واقعہ جمل کے بعد اصحاب جمل میں سے حسکہ بن عتاب حبطی نے سیستان

[1] ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۰۱ لیدن

پہنچکر تمام صوبہ پر قبضہ کرلیا، اور ایک خود مختار حکومت قائم کرلی، امیر المومنین حضرت علیؓ کو جب یہ خبر ہوئی، تو عبد الرحمٰن بن جرو طائی کو روانہ فرمایا، لیکن یہ خود جنگ مین مارے گئے، تب عبد اللہ بن عباس والی بصرہ نے جو مشرقی ممالک کے حاکم اعلیٰ تھے، چار ہزار فوج کے ساتھ ربعی بن کاس عنبری کو ابن عتاب کی سرزنش کے لئے روانہ کیا جس نے جاتے ہی فتح حاصل کی، ابن عتاب مارا گیا، اور تمام سیستان ربعی کے ہاتھ آگیا[۱]،

سنہ ۳۸ھ مین ثاغر بن دعور اکو سرحدی حملہ کے لئے روانہ کیا گیا[۲]، یہ ایک بڑی فوج لے کر جس مین حارث بن مرہ جیسے تجربہ کار لوگ بھی تھے، تمام ساز وسامان کے ساتھ وہان پہنچے، اور تمام سرحدی علاقے ور مقامات فتح کرتے ہوئے کوہستان قیقان کے پاس جب آئے تو بڑا سخت معرکہ پیش آیا، کیونکہ بیس ہزار قیقانی تمام درون کی ناکہ بندی کئے ہوئے پڑے تھے، یہان اگرچہ سخت لڑائی ہوئی، مگر ایک دلچسپ واقعہ یہ ہوا کہ مسلمانون نے بوقت جنگ نعرۂ تکبیر اللہ اکبر ایک دفعہ اس زور سے بلند کیا کہ اس کی ہیبت سے لوگ کانپ اٹھے، اور قیقانی خود بخود منتشر ہوگئے، مسلمانون نے جنگی قیدی کثیر تعداد مین گرفتار کئے، جن کی تعداد ہزارون بتائی جاتی ہے[۳]۔

ربعی عنبری کچھ ہی دنون آرام سے بیٹھنے پائے تھے، کہ پھر بغاوت شروع ہوگئی جاریہ ابن قدامہ کے مشورہ سے حضرت امیر المومنین علیؓ نے زیاد کو یہان کا حاکم بنایا، جس نے سنہ ۳۹ھ مین خراسان پہنچکر ان ممالک کا بہترین انتظام کیا[۴]۔

عہد امیر معاویہ | سنہ ۴۰ھ مین حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد امیر معاویہؓ خلیفہ ہوئے تو سنہ ۴۱ھ مین

---

[۱] ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۱۸ [۲] چچ نامہ قلمی ص ۴۳ [۳] ابن اثیر جلد ۳ ص ۳۲۱ [۴] ابن اثیر جلد ۳ ص ۳۲۱

ع قیقان (کیکان) سندھ کا وہ حصہ ہے جو خراسان سے ملتا ہے، اور آج اس کو قلات کہتے ہین (بلاذری ص ۴۲۲ لیڈن)

عبد اللہ بن عامر اعلیٰ حاکم مقرر ہو کر بصرہ پہنچے[1] جو عہد عثمانی میں بھی اسی عہدہ پر سرفراز ہو چکے تھے، انھوں نے راشد بن عمر کو حدود ہند پر روانہ کیا، جو لوٹ مار کر واپس آ گئے۔

سنہ ۴۲ھ میں حارث بن مرہ عبدی نے قیقان پر ایک سخت حملہ کیا، لیکن افسوس کہ اپنے اکثر رفقاء کے ساتھ شہید ہو گئے،[2] عبد اللہ بن عامر نے ان بغاوتوں کو فرو کرنے کے لئے جو ان ممالک میں آئے دن ہوتی رہتی تھیں عبد الرحمٰن بن سمرہ کو سنہ ۴۳ھ میں والیِ سیستان بنایا، جو پہلے بھی ایک دفعہ اس عہدہ پر رہ کر بڑی خوبی سے تمام امور انجام دے چکے تھے، یہ سنہ ۴۳ھ میں سیستان پہنچے، اور تمام بغاوتوں کو فرو کرتے ہوئے کابل تک پہنچ گئے، کابلی قلعہ بند ہوئے، تو عبد الرحمٰن نے محاصرہ کر لیا، اور منجنیقوں سے ایک دیوار توڑ کر اندر داخل ہو گئے، فتح کابل کے بعد شہر بست پر قبضہ کیا، پھر رزان پہنچے، اور اس کا انتظام کر کے آگے بڑھے تو شہر خشک والوں نے اطاعت قبول کر لی، اس کے بعد رُخج پر حملہ کر کے اس کو فتح کیا، پھر زابلستان (غزنہ) اور قندھار کے علاقہ پر قبضہ کیا، اور ان تمام ممالک کا انتظام کر کے کابل واپس آئے، گو کابلیوں نے پھر مقابلہ کیا، مگر ناکام رہے، کابل میں کچھ دنوں مقیم رہ کر حکومت کو مضبوط رکھنے کا ہر قسم کا انتظام کیا، اور تسلی بخش کام ہو جانے پر آپ بصرہ واپس آ گئے، جہاں چند سال بآرام زندگی بسر کرنے کے بعد سنہ ۵۰ھ میں وفات پائی۔

سنہ ۴۳ھ ہی میں عبد اللہ بن عامر نے عبد اللہ بن سوار عبدی کو سواحلِ ہند کے سرکش لوگوں کو سزا دینے کے لئے چار ہزار لشکر کے ساتھ روانہ کیا۔ وہ مکران میں کئی ماہ رہے۔[3] انھوں نے قیقان والوں کو سخت شکست دی، اور مالِ غنیمت لے کر دربارِ امیر معاویہ میں حاضر ہوئے اور قیقانی گھوڑے نذر کئے، دمشق سے یہ پھر واپس ہو کر ملک قیقان میں آئے، اور آتے ہی یہاں

[1] ابن اثیر جلد ۳ ص ۳۵۰ لیدن [2] بلاذری ص ۴۳۲ بسیل [3] یعقوبی جلد اول ص ۲۶۸ لیدن

ترکی گروہ سے مقابلہ ہو گیا جس مین مع اپنے ساتھیون کے شہید ہو گئے[1]

ابن سوار عبدی جوہر شجاعت کے ساتھ فیاضی کا مادہ بھی رکھتے تھے، گویا اپنے وقت کے حاتم تھے، ان کا حکم تھا کہ لشکر مین کوئی شخص آگ روشن نہ کرے، بلکہ ہر سپاہی کو شاہی (سرکاری) مطبخ سے کھانا اور دیگر تمام لوازم عطا کئے جائین، ایک دن اتفاقاً کسی خیمہ سے دھوان اٹھتے دیکھ لیا، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ کسی کو وضع حمل ہوا ہے، اور اپنے لئے خرما کا حلوہ تیار کر رہی ہے، حکم دیا کہ تین دن تک تمام لوگون کو یہی قیمتی غذا دی جائے، کسی شاعر نے ان کی مدح میں قصیدہ لکھا ہے، جس کا ایک شعر یہ ہے:۔

وابن سواد علی عداتہ   موقد النار وقتال الشغب

اور ابن سوار جو فوج کشی کے وقت ہمیشہ اپنا باورچی خانہ گرم رکھتا ہے، اور دشمنون کو تہ تیغ کرتا ہے[2]

درۂ خیبر پر حملہ

۴۴ھ میں مہلب بن ابی صفرہ جو ابن سمرہ کی فوج کے ایک سردار تھے، اپنی فوج لئے ہوئے ہند کی طرف روانہ ہوئے، ان کی یہ روانگی تاریخ مین بڑی اہمیت رکھتی ہے کیونکہ عربون مین یہ پہلے شخص ہین جو ہند کے اس دروازے سے داخل ہوئے، جس سے آج تک قدیم قومین آتی رہی ہین، یہ درۂ خیبر تھا،

مہلب کابل اور پشاور کی درمیانی گھاٹیون کو طے کر کے سرزمین ہند مین پہنچے، (موجودہ نقشے کے لحاظ سے ورنہ اس عہد مین تو یہ علاقہ سندھ مین داخل تھا) تاخت و تاراج کر کے واپس ہوئے، واپسی مین ملتان اور پشاور کے درمیانی علاقون کو پامال کر ڈالا، شہر قندابیل (گنداوی) کے پاس غنیم سے مقابلہ ہوا، سخت معرکہ آرائی کے بعد غنیم کو شکست ہوئی، لوٹ کا مال و اسباب

---

[1] ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۶۶ [2] بلاذری ص ۴۳۳

لیے ہوئے ملک قیقان (قلات) میں آئے، تو اٹھارہ ترکی سواروں سے ملاقات ہوئی جو باوجود قلت تعداد کے جنگ پر آمادہ ہوگئے، اور بڑی شجاعت سے لڑکر اپنے وطن پر قربان ہوئے، مال غنیمت میں ان ترکون کے گھوڑے ملے جن کے ایال کٹے ہوئے تھے، اور دم بریدہ یہ طرز مہلب کو بہت پسند آیا، اس نے حکم دیا کہ تمام لشکر کے گھوڑے بھی اسی طرح کر دیے جائیں کیونکہ اس عہد مین عرب اپنے گھوڑون کے نہ ایال کاٹتے تھے، اور نہ دمین، یہ واقعات ہندوستان مین پیش آئے، اور موجودہ حدود ہندوستان کے مطابق کہا جاسکتا ہے کہ مہلب پہلا شخص ہے جو اصل ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔[1]

مکران اور سندھ | ادھر سندھ کے طرف کا یہ حال ہوا کہ جب عبداللہ بن سوار شہید ہوئے تو خراسان کے حاکم اعلیٰ زیاد نے سنان بن سلمہ بن محبق ہذلی کو روانہ کیا، یہ بڑے عالم فاضل اور خوف خدا رکھنے والے انسان تھے، یہ جب سواحل ہند پر پہنچے، تو مکران کے لوگ باغی ہوگئے تھے، حالانکہ اس سے پہلے حکیم بن جبلہ عبدی فتح کر چکے تھے۔ غرض سنان نے بڑی بہادری سے اس ملک کو دوبارہ فتح کیا، اس کی آبادی بڑھائی اور اس ملک کو رونق دینے مین کافی کوشش کی،

طلاق کی قسم | ان کے متعلق مشہور ہے کہ فوجی لوگون کو طلاق کی قسم دینے کا رواج انہی سے شروع ہوا۔ اس سے پہلے لوگ اس قسم کی قسم سے ناواقف تھے، اسی کے متعلق ایک شاعر کہتا ہے:

رأیت ھذیلا احدثت فی یمینھا   طلاق نساء ما یسوق لھا مھرا

لھان علی حلفة ابن محبق   اذا رفعت اعناقھا حلفا صفرا[2]

مین نے ہذیل والون کو دیکھا کہ انھون نے اپنے قسم کھانے مین بے مہر ادا کئے عورتون کو طلاق دے دینے کی نئی قسم کی بدعت ایجاد کی ہے، مگر مجھے ابن محبق کی قسم آسان ہے جبکہ عہدین گردنین اٹھا اٹھا کے

---

[1] بلاذری ص ۴۳۲ لیدن، [2] ایضاً ص ۴۳۳

سونے کی بالیاں دکھائیں۔

راشد بن عمر جدیدی باوجود نوعمر ہونے کے بڑے شریف النفس اور بہادر تھے، امیر معاویہؓ کے زمانہ میں زیاد نے ان کو سرحدی حاکم بنا کر سنان بن سلمہ کے عوض بھیجا۔

غرض جب یہ سرحد پر پہنچے تو سنان نے ان کا استقبال کیا، اور سرحد کے تمام حالات سے ان کو آگاہ کیا۔ پھر فوجی تیاری کر کے بلادِ قیقان پر حملہ آور ہوئے، گذشتہ اور موجودہ دو سال کا خراج وصول کیا، اور سرکشوں کو زیر کر کے اور مالِ غنیمت حاصل کر کے براہِ سیستان وہ واپس آرہے تھے کہ مندر (منذر) اور بہرج کے پہاڑوں کے درمیان وہاں کی پہاڑی قوم "مید" پچاس ہزار کی تعداد میں آپہنچی۔ صبح سے شام تک جنگ ہوتی رہی۔ اور آخر راشد شہید ہو گئے، اور سنان نے فوجی باگ اپنے ہاتھ میں لے لی۔ خراسان کے گورنر زیاد کو جب یہ حال معلوم ہوا تو اس نے بھی سنان ہی کو اس جگہ پر بحال رکھا۔[1]

سنان نے اپنی مدبرانہ لیاقت سے قیقان پر حملہ کر کے متعدد فتوحات حاصل کئے، وہ دو سال یہاں مقیم رہے، اور کئی جدید اضلاع کا اپنے قلمرو میں اضافہ کیا، فارورڈ پالیسی پر عمل کرتے ہوئے وہ مقام بدھا[2] میں جا پہنچے، جہاں غنیم سے بڑی سخت جنگ ہوئی، اور اسی میں وہ شہید ہو گئے۔[3]

۵۳ھ میں خراسان کے والی زیاد کا لڑکا عباد مجاہد ہو کر سواحلِ ہند آیا، پہلے سیستان ہو کر سناروز پہنچا، پھر علاقۂ روبارست گزر کر جو سیستان (سجستان) ہی میں واقع ہے، ہندمند (ہلمند) کی

---

[1] چچ نامہ قلمی ص ۳۶ مملوکہ دار المصنفین اعظم گڈھ، [2] ریاست بدھ (یا بدھیا) ایک بڑا علاقہ تھا، طول میں سواد (باجوڑ) سے لے کر گندھابیل (قندابیل) تک اور عرض میں سیسی ساحل دریائے سندھ تک تھا، آخر زمانہ میں قندابیل توران میں مل گیا، اور سیسی تک اس کی حد رہی۔ (فرشتہ جلد اول ص ۱۰۸) اس کا دوسرا نام روہ بکی تھا، جو غالباً بدھ کا علاقہ محدود ہونے کے بعد اس کا نام پڑا ہو گا۔ [3] بلاذری ص ۴۳۲ لیڈن و چچ نامہ ص ۳۷

راہ لی، اور وہاں سے کش ہوتے ہوئے قندھار پر حملہ آور ہوا۔ اگرچہ قندھار والوں نے پرزور مقابلہ کیا، آخرکار قندھار پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا، مشہور شاعر ابن مفرغ بھی اس سفر میں ساتھ تھا جس نے شہیدوں کا ایک پُر درد مرثیہ لکھا ہے[۱]

ادھر تو یہ واقعات ہوئے، دوسری طرف سندھ کی سرحد پر سنان کی شہادت کے بعد ۶۱ھ میں ابوالاشعث منذر بن جارود عبدی حاکم ہو کر آئے، آتے ہی توقان (یا بوقان) پر حملہ آور ہوئے، پھر قیقان پر فوجکشی کی، ہر دو جگہ سے کامیاب واپس آئے، تو باغی شہر قصدار فتح کیا[۲]

اب مشرقی ممالک کا اعلیٰ حاکم عبیداللہ بن زیاد ہوا۔ اس نے منذر بن حارث بن بشر کو سرحد کا حاکم بنا کر بھیجا، اتفاقاً حدود توران میں پہنچکر علیل ہوگیا اور پھر وہیں پیوند زمین ہوا۔

ابن زیاد نے اس کے لڑکے حکم بن منذر کو اس کے باپ کا عہدہ دیا۔ وہ اس وقت کرمان کا حاکم تھا، اب دونوں صوبوں کا حاکم ہوگیا۔ بڑی فیاضی سے تین ہزار درہم بھی خزانہ سے ابن زیاد نے سامان سفر کے لئے عنایت کیا، لیکن بعض اسباب کی بنا پر چھ ماہ کے بعد واپس بلا لیا گیا۔[۳]

ابن زیاد نے اس کے بعد ابن حری باہلی کو اس عہدہ پر مامور کیا جس نے اپنی فتوحات سے اسلامی ممالک کو بہت وسعت دی، انہی واقعات سے متاثر ہو کر ایک شاعر کہتا ہے کہ

لولا طعانی بالبوقان ما رجعت ۔۔۔ منہ سرایا ابن حری باسلاب[۴]

"اگر بوقان میں اپنی نیزہ بازی کے جوہر میں نہ دکھاتا تو ابن حری کی فوجیں مال غنیمت کے ساتھ واپس آتیں"

عبدالملک کا عہد

۶۵ھ میں خلیفہ عبدالملک بن مروان تخت نشین ہوا، لیکن وہ اندرونی انتظامات اور خانہ جنگی کو دور کرکے امن وامان قائم کرنے میں اس قدر منہمک رہا کہ سرحدی معاملات کو ایک عرصہ تک اس نے نہیں چھیڑا۔

---

[۱] بلاذری ص ۴۳۳ [۲] ص ۴۳۲ [۳] چچ نامہ ص ۷۴ [۴] بلاذری ص ۴۳۵ لیدن۔

سنہ ۷۵ھ میں حجاج ابن یوسف ثقفی جب مشرقی ممالک کا اعلیٰ حاکم ہوا تو اس نے سعید بن اسلم بن زرعہ کلابی کو مکران اور سرحد سندھ کا حاکم مقرر کیا۔

اسی عہد میں ایک مشہور سردار محمد علافی جو قبیلہ بنی آسامہ سے تھا جب اسے عبدالرحمن بن اشعب کے مقابلہ میں شکست ہوئی تو اس نے راہ فرار اختیار کی، اور اس کے بعد پوشیدہ طور پر اس نے عبدالرحمن کو مار ڈالا، اور پھر اپنے قبیلہ کے پانچسو آدمی کو لے کر عمان کی راہ سے سندھ آپہنچا، اور دریائے سندھ کے کنارے پر مقیم تھا کہ اسے خبر معلوم ہوئی کہ راجہ سندھ کے مقابل رن مل اپنی فوجیں لئے پڑا ہے۔ راجہ داہر کی استدعا پر علافی نے اپنے قبیلہ کے پانچ سو سواروں کو لے کر رات کے وقت شبخون مارا۔ سندھی فوجیں اس قسم کے حملوں کی عادی نہ تھیں۔ دوسرے یہ واقعہ اچانک خلاف توقع وقوع پذیر ہوگیا، رن مل کی فوجیں فوراً منتشر ہوگئیں، اور باوجود اسی ہزار ہونے کے بھی ان کو بری طرح شکست ہوئی، راجہ داہر بہت خوش ہوا، اور اس نے ایک علاقہ ان لوگوں کے قیام کے لئے مقرر کر دیا، یہ علاقہ سرحد مکران پر واقع تھا، اور اس کے قبائل کے لوگ اکثر مکران آتے جاتے رہتے تھے، سعید بن اسلم جب مکران پہنچا تو کسی جرم پر صفوی بن لام الحمامی کو پکڑ کر قتل کر ڈالا، یہ معلوم کر کے تمام علافی خاندان سعید کا دشمن ہوگیا، چنانچہ سعید خراج لے کر واپس آنے کے ارادہ میں تھا، کہ یکایک ان لوگوں نے موقع پا کر قتل کر دیا، اور مکران پر قابض ہوگئے[1]،

بلاذری میں ہے کہ حارث علافی کے دونوں بیٹے معاویہ اور محمد اس کے مقابلہ میں صف آرا ہوئے، سعید اسی جنگ میں مارا گیا،

اس معاملہ کی خبر جب حجاج کو ملی، تو وہ نہایت ہی برہم ہوا اور علافی قوم کے سردار سلیمان جو عرب میں تھا، گرفتار کر کے اس کو قتل کر ڈالا۔ اور اس کے ساتھ ہی مجاعہ بن سعر تمیمی کو مکران بھیجا،

[1] ابن اثیر جلد ۴ ص ۳۰۸ لیدن۔

اب علافی سمجھ گئے کہ معاملہ اہم ہوگیا، اور حجاج جیسا مستقل مزاج آدمی بے انتقام لئے نہ رہے گا،
اس کے علاوہ سلطنت اسلامیہ کی مرکزی طاقت کا مقابلہ کرنا بے حد دشوار ہے، اس لئے وہ
سب مکران خالی کرکے سندھ بھاگ گئے، اور راجہ داہر کے زیر سایہ امن زندگی بسر کرنے لگے۔[1]

راجہ سندھ نے حکومت اسلامیہ کے باغی اور مجرم کو اپنے یہان پناہ دی۔ یہ دوسرا سبب ہے
جس کے باعث سلطنت اسلامیہ کو سندھ پر خاص توجہ کرنی پڑی۔ اور ہر وقت نگاہ میں یہ ملک
کھٹکنے لگا۔

مجاعہ مکران پہنچے تو پہلا انتظام یہ کیا کہ مکران کو فتنہ و فساد سے پاک کیا۔ پھر سرحدی علاقے
کے سرکشون کو زیر کرکے سندھ کے علاقہ تک گھستے ہوئے چلے گئے۔ اور قندابیل دگندھاوی کے
قبائل پر کامیابی حاصل کی، مگر افسوس کہ اجل نے زیادہ بہادری دکھانے کا موقع نہ دیا، اور ایک
سال کے بعد سنہ ۷۶ھ مین داعی اجل کو لبیک کہا، اور مکران ہی مین غالباً دفن کئے گئے۔[2]

حجاج ثقفی نے ان کی جگہ محمد بن ہارون بن وزارع نمری کو مامور کیا۔ اور خصوصیت سے
حجاج نے ان کو تاکید کردی کہ علافی خاندان کو جس طرح ممکن ہو تباہ کردو، تاکہ سرحد سے اس
فساد کی جڑ ہی کٹ جائے، چنانچہ یہ بھی اس جستجو مین برابر لگے رہے، اور سنہ ۸۶ھ مین ایک علافی کو
پکڑ کے قتل کرڈالا، اور حجاج کے پاس اس کا سر روانہ کیا، سنہ ۹۱ھ تک محمد بن ہارون اس عہدہ
پر رہ کر ملکی نظم و نسق مین مشغول رہے، اور حتی الامکان ہر باغی اور سرکش کو مطیع کیا، کوہ و دشت
ہر جگہ یکسان امن قائم کردیا تھا۔[3]

فتح سندھ اور عہد ولید ابن عبدالملک

اسی عہد مین وہ مشہور واقعہ پیش آگیا جس سے سندھ کو فتح کرنے پر عرب
مجبور ہوگئے۔ اور عربون نے اس طرف پیش قدمی کرنا ضروری سمجھا، حالانکہ

[1] چچ نامہ قلمی ص ۳۸ [2] بلاذری ص ۴۳۵ لیدن [3] چچ نامہ قلمی ص ۳۹ ۔

خلیفہ دوم کے حکم پر اس وقت تک قائم تھے، اور بجز سرحدی سرکشوں پر تاخت کرنے کے فتحِ سندھ کا کبھی خیال نہ آیا تھا۔

مسلمانوں میں ابتداء سے تجارت کا شوق رہا ہے۔ چنانچہ نہ صرف اسلامی ممالک میں بلکہ دور دراز ملکوں میں بھی تجارت کا بازار گرم رکھتے تھے، اسکندریہ سے لے کر چین تک ان کی جولانگاہ تھی۔ بحیرہ روم میں اسکندریہ، بحر احمر میں جدہ، احدیدہ اور عدن، خلیج فارس میں بصرہ جزیرہ ہرمز، بحر عرب میں دیول، سومناتھ، کھنبایت، بھروچ، تھانہ، بحر ہند میں کالیکٹ، لنکا، مالدیپ، معبر ان کے جہازوں کی آمد و رفت سے پُر رونق رہتے تھے، ہندوستان سے چین تک میں خصوصیت سے قابلِ ذکر لنکا ہے، جس کو عرب سیلان کہتے تھے، یہاں تاجروں کی ایک جماعت رہا کرتی تھی۔ ان کے ساتھ ان کے اہل و عیال بھی رہتے۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک کا عہد تھا، مسلمانوں کے فتوحات کا شہرہ سب جگہ پہنچ چکا تھا، اور دنیا کا ہر بادشاہ خلیفہ سے دوستی کا متمنی تھا، لنکا کا راجہ بھی انہی میں سے ایک تھا، اتفاقاً ایک مسلمان تاجر وہاں وفات پا گیا، اس کی بیوہ عورت اور یتیم لڑکے اور لڑکیاں تھیں، راجہ لنکا نے ان کو بڑے آرام سے مع تحف و ہدایا کے ایک جہاز پر سوار کر کے خلیفہ کے پاس روانہ کر دیا، اور اسی وساطت سے اس نے چاہا کہ خلیفہ سے رسم اتحاد بڑھائے۔ اس جہاز میں کچھ حاجی بھی تھے، یہ جہاز جب سندھ کی مشہور بندرگاہ دیبل (دیول) کے قریب پہنچا، تو سندھی قزاقوں نے اس کو لوٹ لیا، یہ سندھ کی مشہور قوم "مید" کے لوگ تھے، ان قزاقوں نے دیبل کو جائے پناہ بنا رکھا تھا، اور اس طرح اکثر جہازوں کو لوٹ کر دیبل چلے آتے تھے۔

ان قیدیوں میں سے ایک عورت قبیلہ یربوع کی بے اختیار پکار اٹھی کہ "فریاد اے حجاج"! جب اس کی خبر حجاج کو ہوئی تو وہ غصہ کے مارے بے تاب ہو گیا، اور انتہائی جوش میں کہہ اٹھا کہ

"ہاں میں آیا"

اس واقعہ سے حجاج کے دل پر ایک چوٹ سی لگی - اور اس نے سندھ فتح کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ لیکن اس قدر اہم کام بغیر اجازت خلیفہ کے نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے اس نے دربارِ خلافت میں ایک عرضداشت اس مضمون کی ارسال کی کہ سندھ پر فوج کشی کی اجازت دی جائے۔ مگر ولید بن عبد الملک نے اس کو قبول نہیں کیا۔ لیکن حجاج بھلا کب ماننے والا انسان تھا، اس نے پھر دوسری درخواست پیش کی کہ

"خلیفہ نے کثیر اخراجات کے خیال سے فتحِ سندھ کی اجازت نہیں دی، لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ جس قدر رقم خزانۂ عامرہ سے اس پر صرف ہوگی میں اس کا دوگونہ خزانہ میں داخل کر دوں گا[1]"

غالباً خلیفہ نے یہ سوچ کر اجازت دے دی کہ اس کی دوگنی رقم تو خزانہ میں آہی جائے گی اس میں نقصان کیا ہے؟

اس کے بعد حجاج نے ایک سفارت راجہ داہر کے پاس سندھ بھیجی، تاکہ راجہ کے ذریعہ سے وہ تمام قیدی واپس کر دیئے جائیں، راجہ داہر نے اس کے جواب میں لکھا کہ

یہ کام بحری قزاقوں کا ہے جو میری اطاعت سے باہر ہیں، اس لئے میں اس معاملہ میں کچھ نہیں کر سکتا[2]

حجاج کو بھلا ایسا خشک جواب سننا کب گوارا ہو سکتا تھا خون کے گھونٹ پی کر غور کرنے لگ گیا کہ کس طرح اس کو حل کیا جائے۔

اس نے اس معاملہ میں فوری کاروائی یہ کی کہ ایک فوج زیر کمان عبید اللہ بن نبہان

---

[1] یعقوبی جلد اص ۳۴۶ لیدن [2] چچ نامہ قلمی ص ۳۹ .

روانہ کی کہ جو دیبل پہنچ کر جنگ میں مصروف ہوگئی، عبید اللہ ایک بہادر شخص تھے، لیکن مدبر نہ تھے، انھوں نے ذاتی تہور کو اس قدر نمایاں کیا کہ میدانِ جنگ میں خود شہید ہوگئے[1]۔

بدیل کی فوجکشی

حجاج کو جب یہ خبر ہوئی تو اس نے فوراً بدیل بن طہفہ بجلی کے نام فرمان بھیجا جو اس وقت عمان میں تھے، کہ تم سندھ کے لشکر کا چارج لو اور اس کے ساتھ ہی والیِ مکران محمد بن ہارون کے نام حکم بھیجا کہ تین ہزار فوج تیار رکھو، جو بدیل کے ساتھ ہو کر جنگ آزما ہوگی،

محمد بن ہارون خود بھی فتح سندھ کے خواہشمند تھے، اور اسی سبب سے بعض بردہ فروش تاجروں کے علاوہ دوسرے جاسوسوں کو مقرر کر رکھا تھا، جو مختلف حیلوں سے سندھ کی آمد و رفت رکھتے تھے، اور وہاں کے حالات بہم پہنچاتے تھے۔

عمان سے سندھ کا راستہ بدیل کے لئے قریب تر بحری راستہ تھا، مگر بدیل اس طرف سے سندھ میں نہیں آئے، بلکہ سواحلِ عرب سے گذر کر خلیجِ فارس طے کرتے ہوئے ایران کے راستہ خشکی سے مکران پہنچے، شاید محمد بن ہارون کی فوجوں کو ساتھ لینے کے لئے اس قدر مسافت طے کی۔ اور پھر غالباً اسی بعد مسافت کے باعث اپنے ساتھ صرف تین سو آدمی لائے تھے۔

غرض بدیل تین ہزار فوج محمد بن ہارون والیِ کرمان کی لے کر شہر دیبل پہنچے۔ دشمنوں کی فوج سے مقابلہ ہوا، بڑی دادِ شجاعت دی۔ طرفین سے پُرزور حملے ہوئے، ابھی کچھ فیصلہ نہ ہونے پایا تھا کہ بدیل کا گھوڑا بھڑکا اور سوار زین سے زمین پر آرہا غنیم نے اس موقع کو غنیمت سمجھا، چاروں طرف سے محصور کر لیا، اور گرفتار کر کے شہید کر ڈالا، کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ بودھ کے مقلدین تھے[2]۔

نیرون والوں کا عہد نامہ

یہ بات بہت ہی عجیب ہے کہ عربوں کو متواتر دو دفعہ شکست ہوئی، پھر بھی اہلِ سندھ

---

[1] بلاذری ص ۴۳۵ لیدن [2] ص ۴۳۶ لیدن

بہت ہی مرعوب تھے، چنانچہ نیرون کے لوگ عربون سے خوفزدہ ہوکر آپس مین مشورہ کرنے لگے،
انھون نے کہا کہ ناممکن ہے کہ عرب اس کا انتقام نہ لین، اس لئے اگر اسی وقت سے اطاعت
قبول کرلی جائے تو شہر بربادی سے محفوظ رہ جائے گا۔ ورنہ عربون کے برسرراہ ہونے کے باعث
یہ سب سے پہلے پامال ہوگا۔ چنانچہ حاکم نیرون جو بدھ مذہب کا پیرو تھا، اس نے ایک وفد حجاج کے
پاس بشرط جزیہ اطاعت قبول کرکے امان کا طالب ہوا جس کو بڑی خوشی سے حجاج نے قبول لیتے
کا فرمان عطا کردیا[1]۔

اسی زمانہ مین ایک بات اور پیدا ہوگئی جس کے باعث حجاج کو سندھ فتح کرنے کی ایک
ضد ہوگئی۔ عبدالرحمن بن محمد بن اشعث بغاوت کے پاداش مین قتل کیا گیا۔ اور تمام ساتھی بھی
اسی گھاٹ اتارے گئے۔ لیکن اس جماعت کا ایک بااثر شخص عبدالرحمن بن عباس بن ربیعہ
ابن حارث بن عبدالمطلب بھاگ نکلا، اور سندھ مین آکر پناہ گزین ہوا[2]۔ حجاج اس سے انتقام
لینا فرض اولین سمجھتا تھا، اس لئے اس مسئلہ پر پہلے سے زیادہ توجہ کرنے لگا۔

چنانچہ عربون کی ان دو ناکامیون کے بعد وہ اچھی طرح سمجھ گیا کہ معمولی تنبیہوں سے کام
نہیں چلے گا۔ بلکہ اس کے لئے مستقل انتظام کرنا پڑے گا۔

حجاج نے ان تمام امور پر غور کرکے ایک فوج تیار کی۔ اور اس کی افسری کے لئے اپنے
چچا کے لڑکے محمد بن قاسم کا انتخاب کیا، جو صوبہ فارس میں تھا[3]۔ اور کسی ضروری امر کے واسطے
رے جانے کا حکم پاچکا تھا، وہ اسی تیاری مین تھا کہ حجاج کا حکم پہنچا کہ رے کے عوض تم سندھ
جاؤ۔ اور فی الحال اس فوج کا جو تمہارے لئے بھیج رہا ہون انتظار کرو،

---

[1] چچ نامہ ص ۸۴ [2] ابن اثیر ص ۳۹۰ جلد ۴ بیدن [3] اس کا نسب نامہ بلاذری نے اس طرح لکھا ہے۔ محمد بن
قاسم بن محمد بن حکم بن ابی عقیل۔ اور ابن اثیر نے لکھا ہے کہ حجاج کا باپ یوسف تھا جو حکم کا لڑکا تھا۔

(اسلام سے قبل سندھ کا قدیم نقشہ)

سندھ ندی
بیاس
سرسوتی
تانبے کی کان
سابرمتی
اساول
کھنبایت
مہی ندی
عقیق کی کان
بھڑوچ
نربدا ندی
راندیر
تاپتی ندی
سوپارا
بسین
تھانہ
بمبئی
بور گھاٹ
کرلا اسٹیشن
سورٹھ
سومناتھ

محمد بن قاسم کی فوجی نقل و حرکت

محمد بن قاسم شیراز میں چھ ماہ تک خیمہ زن رہا۔ ابو الاسود جہم بن ظہر جعفی کے ماتحت چھ ہزار شامی نوجوانوں کی فوج جب شیراز پہنچی۔ تو ابن قاسم سندھ کی طرف روانہ ہوا۔ چھ ہزار سانڈنی اور تین ہزار بختی اونٹ باربرداری کے لیے بھی اس کے ساتھ تھے[1]۔

حجاج کو اس فوج کا کس قدر خیال تھا، وہ اس کے اس اہتمام سے ظاہر ہوتا ہے جو اس نے اس کے لیے کیا تھا، حجاج نے فوجی ضروریات کی کوئی شے ایسی نہ تھی جو اس کیلئے مہیا نہ کی ہو، بلکہ روزمرہ تک کی چیزیں لشکر کے ساتھ تھیں۔ یہاں تک کہ سوئی تاگا بھی اس کے لئے سامانِ رسد میں موجود تھا[1]۔ ابن قاسم نے مختصر سامانِ سفر تو ساتھ لے لیا، باقی تمام بھاری اور تکلیف دہ چیزیں بڑے بڑے جہازوں میں بھر کر سندھ کی مشہور بندرگاہ دیبل (دیول)، روانہ کردیں، اور خود براہ کرمان عازم دیبل ہوا۔ انہی جہازوں پر پانچ منجنیقیں بھی تھیں جن میں سے ایک کا نام عروس تھا، اور پانچ پانچ سو آدمی ان کو حرکت میں لاتے تھے[2]۔

محمد بن قاسم کو جنگی ضروریات کے لئے حجاج نے عام سامانِ رسد کے ساتھ تیس ہزار دینار بھی بھیجے تھے[3]، اور جب حجاج کو معلوم ہوا کہ فوجیوں کو وہاں سرکہ نہیں ملتا ہے۔ تو سرکہ کو روئی میں تر کر کے سایہ میں خشک کرایا، اور اس طرح خشک شدہ روئی سندھ بھیجی گئی کہ جب ضرورت ہو تو پانی میں ڈال کر تر کرلیں۔ تاکہ سرکہ پانی میں حل ہوکر کارآمد ہو جائے[4]۔

محمد بن قاسم شیراز سے مکران آیا، پھر مکران کی سرحد سے چل کر پہلے "قنزپور (پنج گور) پر حملہ آور ہوا اور کئی ماہ کے بعد جب یہ شہر فتح ہوگیا تو آگے بڑھ کر ارمابیل (ارمن بیلہ) کا محاصرہ کرلیا۔ جو ریاست لس بیلہ کا پایۂ تخت تھا، اس شہر کو فتح کر کے اسی جگہ کئی ماہ تک مقیم رہا۔ تاکہ فوجیں دم لے لیں۔ اور تازہ دم ہو جائیں۔ اسی مقام پر محمد بن ہارون والی مکران بھی حسب الحکم حجاج اپنی

---

[1] بلاذری ص ۴۳۶ [2] لیدن ص ۴۳۲ [3] حصومی قلمی ص ۷ بلاذری ص ۴۳۷ [4] چچ نامہ قلمی ص ۳۴

فوج لیے ہوئے آپہنچے، یہان سے کوچ کرنے کا ارادہ ہی تھا کہ محمد بن ہارون دفعتہ وفات پاگئے اور اسی سے قریب مقام قنبلی مین زمین کے سپرد کئے گئے، اس کے بعد جہم کو بطور طلیعہ کے آگے روانہ کیا گیا۔[1]

محمد بن قاسم ارمابیل (ارمن بیلہ) سے چل کر سیدھا دیول (دیبل) پہنچا، ان دنون یہ شہر سندھ مین سب سے زیادہ مشہور تھا، یہ بڑی قدیم بندرگاہ تھی، ایران، عراق، عرب اور افریقہ کے جہاز اسی جگہ ٹھہرتے تھے۔

اس شہر مین بودھون کا ایک مشہور دیول تھا، اور غالباً اسی مناسبت سے اس شہر کا بھی نام دیول پڑ گیا تھا، عربون نے اسی کو معرب کرکے "دیبل" (بکسر دال وبضم بار موحدہ) کر دیا، اور اب تمام عربی تاریخون مین یہی نام ملتا ہے۔

اس دیول مین بے شمار مورتیان تھیں، ان مین سے ایک سب سے بڑی مورتی زیادہ ممتاز تھی۔ اس بتخانہ مین ایک بڑا گنبد تھا، اس کے نیچے وہ مکان تھا جہان یہ مورتیان رکھی تھیں، اس کی چوٹی سطح زمین سے چالیس گز بلند تھی، اور اس پر سرخ جھنڈا لہرا رہا تھا جب ہوا چلتی تو یہ چارون طرف گھومتا جس کو عوام عقیدت مندانہ نظر سے دیکھتے، اس دیول مین سات سو پجاری تھے، جو عوام کی رہبری کرتے تھے۔[2] اس دیول مین جو مورتی تھی وہ مہاتما بدھ کی تھی۔ کیونکہ تمام مورخین عرب اس پر متفق ہین، کہ اس بت کا نام بدھ تھا۔

فتح دیبل | محمد بن قاسم ارمابیل سے متواتر کوچ کرتا ہوا جب جمعہ کے دن سنہ ۹۲ھ مین دیبل پہنچا تو یہان کے لوگون نے قلعہ بند ہو کر لڑنا زیادہ مناسب سمجھا، مسلمانون نے بھی اس کا محاصرہ کر لیا، اتفاق کی بات دیکھئے کہ اسی دن جہاز کے ذریعہ وہ سامان بھی پہنچ گیا جو شیراز سے روانہ کیا گیا تھا۔[3]

---

[1] بلاذری ص ۴۳۶ [2] ،، ص ۴۳۶ لیدن۔ بلاذری نے سندھ آنے کا کوئی سنہ نہیں دیا ہے۔ ابن اثیر نے اس واقعہ کو سنہ ۸۹ھ کے تحت ذکر کیا ہے، مگر یعقوبی نے سنہ ۹۲ھ لکھا ہے اور یہی زیادہ مشہور ہے۔ [3] یعقوبی جلد اول ص ۳۴۶ لیدن

محمد جمعہ کے دن دیبل پہنچا تھا، اور سرزمین سندھ پر یہ پہلا جمعہ تھا، جہاں سب سے پہلا خطبہ محمد بن قاسم نے دیا، اب مکمل طور پر شہر کا محاصرہ کر لیا گیا، موقع سے منجنیقین بھی لگا دی گئیں، اپنے لشکر کے سامنے خندق کھود دی تاکہ اچانک دشمن حملہ نہ کر دے، یہ خندق شہر کے چاروں طرف تھی، جس کے باعث دیبل والوں کو بہت زیادہ تکلیف محسوس ہونے لگی۔ اور خارجی امداد کا ہر امید افزا ذریعہ مایوس کن ہو گیا۔

جنگ شروع ہو گئی، طرفین داد شجاعت دینے لگے۔ منجنیقین ہر طرف سے سنگ باری کر رہی تھیں۔ شہر پناہ کی دیوارین جگہ جگہ سے ٹوٹ رہی تھین۔ پھر بھی شہر کسی طرح سے فتح نہیں ہوتا تھا۔ حالانکہ محاصرہ کو کئی ماہ گذر گئے تھے۔

اس دوران میں حجاج بن یوسف برابر خط و کتابت کرتا رہا۔ وہ ہر تیسرے دن محمد بن قاسم کو خط لکھتا۔ جو ساتویں دن اس کو مل جاتا۔[1] محمد بن قاسم اس کے جواب میں یہاں کے مفصل حالات لکھتا، جب جنگ نے طول کھینچا تو نقشۂ جنگ کو دیکھ کر حجاج نے لکھا کہ منجنیق عروس کو مشرق کی طرف نصب کر دو اور ایک پایہ کم کر کے موجودہ حالت سے ذرا نیچے کر دو، اور نشانہ انداز کو حکم دو کہ دیول کے گنبد پر سنگ باری کرے۔[2]

بعض تاریخون مین یہ بھی لکھا ہے کہ محمد بن قاسم کے پاس ایک برہمن حاضر ہوا اور اس نے دریافت کرنے پر بتایا کہ اس دیول مین ایک طلسم ہے اور جب تک یہ طلسم نہ ٹوٹے گا شہر فتح نہیں ہو سکتا ہے۔[3]

غرض محمد بن قاسم نے عروس کو اسی طرح مشرق مین قائم کرا کے گنبد پر گولہ باری کرائی، جس سے وہ ٹوٹ گیا اور اس کے ساتھ ہی سارے شہر مین کہرام مچ گیا، اور ہر شخص کے چہرہ پر مایوسی چھا گئی۔ سپاہی جوش و خروش کے ساتھ باہر نکل آئے، اور بڑی بہادری سے لڑنے لگ گئے،

[1] تحفۃ الکرام جلد سوم ص ۱۳ بمبئی [2] بلاذری ص ۴۴۲ [3] چچ نامہ قلمی ص ۱۴۳

عرب بھی اسی دن کے منتظر تھے۔ کہ سندھی قلعہ سے باہر نکل آئیں تو پھر ایک دفعہ حوصلہ آزمائی کی جائے۔ بس عرب بھی بڑی بے تابی کے ساتھ ان پر ٹوٹ پڑے۔ اور ایک خونریز جنگ کے بعد سندھیون کو شکست ہوئی، اور پھر شہر مین جاکر پناہ گزین ہوئے۔

عربون نے یہ دیکھ کر زینہ کے ذریعہ فصیلون پر چڑھنا شروع کردیا، سندھیون نے بے حد کوشش کی کہ کسی طرح عربون کو کامیاب نہ ہونے دین۔ مگر عربون مین اس وقت اس قدر جوش تھا کہ سندھیون کی مدافعت اس کو نہ روک سکی، اور قبیلہ مراد کا ایک جری سپاہی جو کوفہ کا رہنے والا تھا سب سے پہلے فصیل پر چڑھ کر اس نے اسلامی جھنڈا نصب کردیا[1]۔ اور اللہ اکبر کی پر رعب آواز سے مسلمانون کو اپنی کامیابی کا خیال دلایا، پھر تو ہر طرف سے مسلمان فصیل پر پہنچ گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے شہر مین داخل ہوکر دروازے کھول ڈالے۔ اور تھوڑی دیر مین سارا شہر مسلمانون کے زیر علم ہوگیا۔

مسلح شہری جو ابھی میدان سے شکست کھاکر گھر پہنچے تھے۔ اور ان کو اطمینان تھا کہ فصیلون کی حفاظت فوجی لوگ کر رہے ہون گے، یہ سن کر بدحواس ہوگئے کہ مسلمانون نے شہر فتح کرلیا، یہ لوگ اپنے اپنے گھرون کو چھوڑ چھوڑ کر جس طرف جس کو موقع ملا بھاگ نکلے یہ واقعہ ابتداے رجب سنہ ۹۳ھ کا ہے[2]۔

سندھی سپاہی اگرچہ مفتوح ہوچکے تھے۔ لیکن پھر بھی جہان جہان تھے اپنے وطن پر جان قربان کرنے مین دریغ نہ کیا کرتے، اسی طرح سے تین دن تک اندرون شہر قتل کا بازار گرم رہا، شہر کا حاکم بھاگ نکلا، اور شرمندگی سے ایسا غائب ہوا کہ پھر اس کا پتہ نہ چلا۔

تین دن کے بعد امن قائم ہوا، تو سب سے پہلا کام یہ کیا گیا کہ ایک جامع مسجد کی بنیاد رکھی گئی۔

---

[1] بلاذری ص ۴۳۷ ہیڈن[2] چچ نامہ قلمی ص ۴۹، لیکن کامل ابن اثیر نے ۸۹ سنہ کے ضمن مین اس کو درج کیا ہے۔

اور چار ہزار گھر مسلمانون کے یہان آباد کیے گئے[1]

فتح نیرون[2]

فتحِ دیول کے بعد محمد نے آگے بڑھنے کا ارادہ کیا، منجنیقین اٹھا کر جہازون پر سوار کی گئیں اور سندھو دریا کے معاون نالہ سانکڑا کے راستہ سے روانہ کردی گیئں، اور خود بھی چھ دن تک برابر کوچ کرتا ہوا اسیسم کی سڑک سے نیرون کی طرف روانہ ہوا۔ جو دیول سے ۷۵ میل پر واقع تھا، ساتوین دن نیرون کی ایک ترائی مین جس کا نام بلھار تھا پہنچا، برسات مین یہ زمین زیر آب ہوتی ہے۔ مگر اس وقت جب کہ ابن قاسم وہان پہنچا موسمِ گرما کے باعث خشک تھی، اور دریا اس قدر فاصلہ پر تھا کہ وہان سے اس قدر پانی مہیا کرنا کہ تمام لشکر کو کفایت کرے ناممکن تھا، اس سبب سے لشکر کو پانی کی اس قدر تکلیف ہونے لگی۔ کہ سپہ سالار نے نمازِ استسقا، ادا کی، اور خدا نے بھی ان کی دعاؤن کو شرفِ قبولیت بخشا، پانی برسا اور تمام تالاب اور ندی لبریز ہوگئے۔

نیرون کا حاکم بودھ مذہب کا پیرو تھا، اس نے اس سے پہلے ہی حجاج سے معاملہ طے کرلیا تھا جس وقت محمد بن قاسم نیرون پہنچا، وہ راجہ داہر کے پاس تھا۔ وہ وہان سے فوراً نیرون پہنچا، نیرون والون نے شہر کے دروازے بند کردیئے تھے، حاکم کے پہنچنے پر دروازے کھول دئے گئے۔ تحفے اور ہدایا کے ساتھ سپہ سالار سے ملاقات کی، اور بڑے تزک اور احتشام کے ساتھ اس کا استقبال کرکے شہر مین لائے اور ہر طرح سے وفاداری کا یقین دلایا، اس کے علاوہ مکمل طور سے سامانِ رسد کا اہتمام کیا،[3] جس سے آگے کی فتوحات مین بڑی مدد ملی، محمد بن قاسم نے بھی اس کی بڑی عزت کی۔ اور خلعت سے سرفراز کیا۔

---

[1] بلاذری ص ۴۳۷ [2] ایضاً ص ۴۳۸ لیدن [2] بعض کتابون مین نیرون کی جگہ بیرون (ب ی ر و ن) لکھا دیکھا اور ابوریحان بیرونی کو اسی طرف منسوب کیا ہے جو کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ بیرون۔ خوارزم کے اس حصہ کا نام ہے جو قلعہ کے باہر آباد تھا، برخلاف نیرون (ن ی ر و ن)، کے کہ یہ سندھ کا ایک ساحلی شہر تھا جو دیبل سے ۷۵ میل پر تھا۔

نیرون میں محمد بن قاسم نے ایک مسجد وہار (خانقاہ) کی جگہ تیار کرائی[1] اور امام مقرر کر کے حکم دیا کہ پانچون وقت نماز ہوا کرے، چنانچہ وہان اذان کے ساتھ باجماعت روزانہ نماز ادا کی جانے لگی۔ پھر محمد ذہلی بصری کو توال شہر مقرر کئے گئے۔

سالار لشکر نے یہان مقیم رہ کر حجاج کو اپنی تمام فتوحات سے آگاہ کیا۔ اور آگے بڑھنے کی اجازت چاہی، حجاج نے نہ صرف آگے بڑھنے کی اجازت ہی دی۔ بلکہ یہ بھی لکھا کہ ہندوستان اور ترکستان دونون کی سرحدین چین پر ختم ہوتی ہین۔ سندھ مین تم اور ترکستان مین قتیبہ بن مسلم، دونون دشمنون سے برسرپیکار ہو، پس تم دونون میں سے جو بھی پہلے چین مین داخل ہوگا وہ اپنے حریف پر حاکم ہوگا۔[2]

اس بات نے ابن قاسم کو آمادہ کیا کہ جس قدر جلد ممکن ہو اپنے فتوحات کا دائرہ وسیع کرے، محمد بن قاسم وہان سے چل کر دریائے سندھ کی ایک شاخ پر پہنچا۔ مگر کسی کو روکنے کی جرأت نہ ہوئی، اس نے اطمینان سے دریا کو عبور کیا، شہر ویداس کے بدھ لوگ یہ خبر سنتے ہی حاضر خدمت ہوئے اور اطاعت اور وفاداری کا یقین دلا کر خراج پر صلح کر لی۔[3]

فتح سیوستان اب سپہ سالار نے سیوستان (سہوان)[4] کا رخ کیا۔ اور رہبری کے لئے "نیرون" کا حاکم (بھبد رکن) ساتھ تھا، نیرون سے ۳۰ فرسخ (۹۰ میل) پر بہرج مقام پر پہنچا۔ جہان کے لوگ بدھ کے پیرو تھے۔ اور ایک صاحب اثر شخص اس کا حاکم تھا۔ اس نے لوگون کو جمع کرا کر مشورہ کیا کہ کیا کیا جائے؟ اس وقت یہ شہر سیوستان کا تابع تھا، اور وہان کا حاکم "بجہرا" (بجے رائے) نام ایک شاہزادہ تھا جو راجہ داہر کا بھتیجا اور اس کے بھائی چندر کا بیٹا تھا، بہرج کے لوگون نے

---

[1] تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۱۵۔ لیکن یہ بات کسی طرح قابل قبول نہیں ہے کہ نیرون جب صلح سے فتح ہوا تو پھر محمد بن قاسم بودھون کے وہار کو توڑ کر کس طرح مسجد تعمیر کرا سکتا تھا۔ [2] یعقوبی جلد اول ص ۳۴۶ [3] ایضاً [3] بلاذری ص ۴۳۸۔

[4] اس شہر کا مختلف زمانہ مین سدوسان، سیوستان، سہوان، اور سیوان الگ الگ نام رہا ہے، آج کل سیوہن کہتے ہیں۔

آخر یہ طے کیا کہ ایک عرضداشت حاکم سیوستان کے پاس بھیجی جائے۔ آخر ان بودھیون نے لکھ بھیجا کہ ہم لوگ بودھی ہین، اور ہمارے مذہب مین خونریزی ناروا ہے، آپ کی طرح ہم لوگ محفوظ بھی نہیں ہین۔ عربون کے متعلق جہان تک علم ہے وہ یہ ہے کہ امان مانگنے سے وہ شہر کو نہیں لوٹتے بلکہ وعدہ کے مطابق ہر طرح شہر کی حفاظت کرتے ہین۔ اس لئے مجبور ہوکر ہم لوگ اطاعت قبول کر لیتے ہین۔ اس معاملہ مین آپ ہم کو معذور سمجھین،

چندر کے بیٹے بجے رائے (بجہرا) نے اس عرضی کا کوئی جواب نہ دیا، اور اپنی حفاظت مین مشغول ہوگیا[1]، سپہ سالار اسلام یہان سے چل کر خاص قلعہ سیوستان کے سامنے جا پہنچا، لوگ قلعہ بند ہوگئے، لیکن آبادی کا کثیر حصہ بودھی تھا، جو کسی طرح جنگ کو پسند نہ کرتا تھا۔

محمد بن قاسم نے اندرونی حالات معلوم کرنے کے لئے جاسوس روانہ کئے، جو یہ خبر لائے کہ شہری تو کسی طرح جنگ کے لئے آمادہ نہیں ہین مگر قلعہ کی محفوظ فوج آمادۂ جنگ ہے،

سپہ سالارِ فوج نے ریگستانی صحرا کے جانب جو دروازہ تھا اس طرف بوجہ محفوظ مقام ہونے کے خیمہ زن ہونے کا حکم دیا۔ کیونکہ بارش ہو جانے سے زمین کا بڑا حصہ زیرِ آب ہوگیا تھا، اور شمال جانب دریائے سندھ بہہ رہا تھا۔ اس طرح نہ تو دشمن کا خدشہ تھا، نہ قابلِ استعمال پانی کی قلت کا اندیشہ،

غرض قلعہ کا محاصرہ کر لیا گیا، اور منجنیق سے سنگ باری شروع کردی گئی، شہری گھبرا اٹھے، اور حاکم سے کہا کہ ہم مین ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے۔ اس لئے جنگ موقوف کی جائے، مگر بجہرا (بجے رائے) نے نہ مانا اور جنگ جاری رکھی، شہریون نے محمد بن قاسم کو اطلاع دی کہ ہم لوگون کو اس جنگ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور ہم لوگ حاکمِ شہر چندر کے بیٹے بجہرا (بجے رائے) سے سخت نفرت کرتے ہین۔ اس کے پاس کوئی ایسی فوج بھی نہیں ہے جو آپ کے مقابلہ کو نکل سکے۔

---

[1] چچ نامہ قلمی ص ۱۵۔ غالباً بہرج کے لوگون نے اطاعت قبول کرلی، اس لئے محمد بن قاسم آگے روانہ ہوا۔

مسلمانون کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو بڑی دلیری سے حملہ آور ہوئے، اور شب و روز جنگ جاری رکھی۔ ایک ہی ہفتہ کے بعد غنیم بیدل ہو گیا، اور محصور فوج جنگ سے جان چرانے لگی۔ حاکمِ شہر بجہرا (بجے راے) نے جب یہ حال دیکھا تو سمجھ گیا کہ اب زیادہ توقف کرنا خطرہ سے خالی نہیں۔ شمالی دروازہ سے رات کی تاریکی مین قلعہ سے نکل کر بھاگ گیا، دریا پار ہو کر حدودِ سیوستان کو طے کر کے علاقہ "بودھا" مین پہنچا، ان دنون یہان کا حاکم بودھ مذہب کا پیرو کوتل کا لڑکا کاکا تھا جس کا پایۂ تخت "سیسم" دریاے کمبھ کے کنارے واقع تھا، کاکا کو جب معلوم ہوا کہ شاہزادہ یہان آیا ہے تو تمام معززین کو لے کر استقبال کے لئے نکلا، اور بڑی عزت کے ساتھ قلعہ مین لاکر اس کو اتارا۔

حاکمِ سیوستان کے فرار ہو جانے پر شہریون نے اطاعت قبول کر لی، اور عرب سپاہ بلا تردد قلعہ پر قابض ہو گئی۔ آرام کے خیال سے چند دن وہان قیام کیا گیا۔ پھر ملکی انتظام کی طرف توجہ کی گئی، مختلف مقامات مین جدید حکام کا تقرر ہوا، دیہاتون پر خاص توجہ کی گئی، شہریون کو امن دینے کے بعد فوجیون سے جو لوٹ کا مال حاصل ہوا تھا، وہ بھی کچھ کم نہ تھا۔[1]

محمد بن قاسم ابھی اسی جگہ مقیم تھا کہ "چنہ" کے لوگون نے ایک جاسوس تفتیشِ حالات کے لئے بھیجا۔ یہ جاسوس کیمپ (لشکرگاہ) مین ادھر ادھر چکر لگا رہا تھا کہ نماز کا وقت آگیا، اذان ہوئی اور تمام لشکر نے یکجا ہو کر سپہ سالارِ لشکر محمد بن قاسم کی امامت مین نماز ادا کرنی شروع کر دی، جاسوس نے صف بہ صف یہ منظم مطیعانہ عبادت متفقہ طور پر کرتے ہوئے جو دیکھا تو بے حد متاثر ہوا، اس نے شہر والون سے ہو بہو کیفیت بیان کر کے مشورہ دیا کہ ایسے لوگ جو اس قدر اتحاد رکھتے ہین، ان سے جنگ کرنے مین کامیابی ناممکن ہے۔ چنانچہ چنہ والون نے اطاعت قبول

---

(۱) چچ نامہ قلمی ص ۵۲۔

کرلی۔ اور تحف وہدایا لے کر سردار کے پاس حاضر ہوئے، اور سالانہ مالگذاری ادا کرنے کا یقین دلا کر واپس گئے۔ اسی سبب سے یہان کی زمین عشری[1] کہلاتی تھی۔ اسی طرح نیرنکوٹ کی زمین بھی اطاعت کے باعث عشری مانی گئی۔[2]

محمد بن قاسم نے سیوستان کا بندوبست کر کے مالِ غنیمت جمع کیا، اور خمس (پانچواں حصہ) نکال کر بقیہ سپاہیون مین تقسیم کردیا۔ پانچوان حصہ حجاج کے پاس بھیجا تاکہ خلافت کے خزانہ مین داخل کیا جائے۔ اور اسی کے ساتھ ایک مفصل خط بھی تحریر کیا جس مین اپنی فتوحات کی تفصیل درج کی تھی۔ اور جدید انتظامات کا حال بھی تحریر تھا۔

سیسم یا سیوی کی فتح

اس نے تھوڑی فوج سیوستان کی حفاظت کے لئے چھوڑ دی۔ اور باقی تمام فوج کو ساتھ لے کر قلعہ سیسم[4] کی راہ لی۔ اس کے حسنِ سلوک سے سندھی دن پر دن زیادہ گرویدہ ہوتے جاتے جس سے اس کو اپنی فتوحات مین بڑی مدد ملتی۔

بُدھیا کا حاکم جس کا نام "کاکا" اور لقب رانا تھا، وہ دراصل گنگا کے کنارے مقام اودھا (یا "آو، دہارہو) کا باشندہ تھا، یہ آو جس نسل سے تھا، عرصہ ہوا کہ اس کا خاندان گنگا کنارے سے ہجرت کر کے سندھ کے کنارے آباد ہو گیا تھا۔ اس وقت سے یہ خاندان راجہ سندھ کے ماتحت اس علاقہ پر حاکم ہے، کاکا خود بھی بودھ تھا۔ اور رعایا کی کثیر تعداد بھی اسی مذہب کی پیرو تھی۔ یہ عقلمند، ذی ہوش، حالاتِ زمانہ سے بہت زیادہ واقف تھا۔

محمد بن قاسم جب سیسم کی راہ پر گامزن تھا، تو راستہ مین ایک مقام دریائے کمبھ کے کنارے "ہلیان"[3] نامی ملا، وہان کے لوگون کو اسلامی لشکر کی آمد جب معلوم ہوئی تو مشورہ کر کے کاکا کے

---

[1] معصومی قلمی [2] تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۱۶ [3] چچ نامہ کے ایک نسخہ مین اس جگہ کا نام "بندھان" لکھا ہے ص ۵۲
[4] سیسم کو ... بھی کہتے تھے۔ آج کل اس کو سیبی کہتے ہین۔ اور بلوچستان کے علاقہ مین شمار کیا جاتا ہے۔

پاس گئے۔ اور کہا کہ ہم لوگ اسلامی لشکر پر شب خون مارنا چاہتے ہیں۔ کاکا نے ان کو بہت شاباشی دی۔ اور ہر طرح سے ہمت دلائی۔ لیکن دور اندیشی سے جو اس نے سمجھا تھا وہ بھی کہا کہ مجھ کو یقین نہیں ہے کہ سندھی فتحیاب ہوں، پھر بھی ہر طرح سے ان کی جرأت کی داد دی، اور ایک سردار دیبے سنگھ، کی ماتحتی میں ایک ہزار جوانوں کا دستہ شب خون مارنے کے لئے منتخب کیا، جو اس عہد کے تمام ہتھیاروں سے آراستہ تھا،

یہ لوگ کاکا سے رخصت ہو کر روانہ ہوئے، ان کے چار حصے کئے گئے۔ اور یہ طے پایا کہ ہر فریق علٰحدہ علٰحدہ راستہ سے روانہ ہو اور جو پہلے پہنچے وہ بقیہ کا انتظار کرے، جب چاروں پہنچ جائیں تو سب مل کر یک بار حملہ کر دیں۔

یہ چاروں دستے اپنی اپنی راہ سے روانہ ہو گئے۔ مگر یہ لوگ راستہ بھول گئے اور صبح تک پریشان اور حیران پھرتے رہے، اور صبح جب ہوئی تو وہ قلعہ سیسم کے نیچے اپنے کو کھڑا پایا، غرض دن کو جب کاکا کے پاس پہنچے، اور شب کی رام کہانی سنائی تو وہ اس سے بڑا متاثر ہوا اور سمجھا کہ قسمت میں مفتوح ہونا لکھا ہے[1]۔

کاکا نے اپنے تمام ماتحت سرداروں اور دوستوں کو ساتھ لیا، اور اسلامی لشکر کی طرف چل پڑا۔

ادھر سپہ سالار نے بھی "بنانہ بن حنظلہ" نامی ایک شخص کو دریافت حالات کے لئے روانہ کیا، جب یہ قلعہ سیسم کے قریب پہنچا تو کاکا ملا، بنانہ نے کاکا کی زبانی تمام حالات معلوم کر کے اس کو ساتھ لے لیا۔ اور سپہ سالار کے سامنے حاضر کیا، کاکا نے محمد بن قاسم کو اپنی اطاعت اور فرمان برداری کا یقین دلایا، اس نے بھی اس کی بڑی عزت کی جس سے دونوں میں

[1] چچ نامہ قلمی ص ۵۳۔

دوستانہ تعلقات پیدا ہوگئے۔ اور آیندہ فتوحات مین اس کے مشورہ سے بڑی مدد ملی۔

کاکا کی عزت افزائی

کاکا کے اس خلوص کو معلوم کر کے سردار عرب نے دریافت کیا کہ تمہارے ملک میں جب کسی کی عزت کی جاتی ہے تو اس کے ساتھ کیا کرتے ہین، اور کس طرح اس کو سرفراز کرتے ہین؟ کاکا نے کہا کہ سر دربار اس کو کرسی دی جاتی ہے، اور ریشمی لباس پہنا کے اس کے سر پر پگڑی باندھتے ہیں، ہمارے بودھی جاٹ باپ داد‌ون سے یہی رسم چلی آرہی ہے۔

سردار عرب نے فوراً اس کو کرسی نشین بنایا اور پھر خلعت سے سرفراز کیا، اس واقعہ سے اس کے ساتھی بہت مسرور ہوئے، اور ہر شخص کے دل مین وفاداری کا جذبہ پیدا ہوگیا، اور جو لوگ کہ ابھی متردد تھے، کاکا نے ان کو بھی راہ پر لگا دیا، محمد بن قاسم نے عبدالملک بن قیس الدامانی کو ریزیڈنٹ (وکیلِ مختار) بنا کر کاکا کے ساتھ کر دیا، تاکہ انتظامِ مملکت مین آسانی ہو، اور اسلامی نقطۂ نگاہ سے غلط روی نہ پیدا ہو۔[ع]

کاکا نے اس جدید اسلامی طاقت سے یہ فائدہ اٹھایا کہ جس قدر دولت مند اور طاقتور دشمن اس کے تھے سب کو لوٹ لیا، اور ایک ایک کو پامال کر کے اپنا راستہ صاف کر لیا، لوٹ کا مال اس کثرت سے حاصل ہوا کہ سونا، چاندی اور کپڑے اور غلام کے علاوہ مویشی بے شمار تھے، چنانچہ اسلامی لشکر مین غلہ اور چارہ ضرورت سے زیادہ موجود تھا۔[1]

محمد بن قاسم اس علاقہ (بدھیا) کا انتظام کاکا کے سپرد کر کے کوچ کر گیا، اور قلعہ سیسم

---

[1] چچ نامہ قلمی ص ۵۴۔ بعض نسخوں مین کاہ (چارہ) کے بجائے گائے گوشت لکھا ہے، جو میرے خیال میں کاتب کی تحریف (تصحیف) ہے، کیونکہ یہ کسی طرح عقل قبول نہیں کرتی کہ بدھ لوگون کے جذبات کے خلاف محمد بن قاسم نے اس کو جائز رکھا ہو [ع] یہ بات قابلِ غور ہے کہ کاکا جس نے بجے رائے کو اس عزت سے قلعہ مین رکھا یکایک وہ اس کے دشمنون (عرب) سے کیونکر مل گیا، اس کے دو سبب ہین، (بقیہ صفحہ ۵۶ پر)

پر حملہ آور ہوا، جہاں بجہرا (بجے رائے) نے پناہ لی تھی، مسلمانوں کو جنگ کرتے صرف دو ہی دن ہوئے تھے کہ غنیم بھاگ نکلا، اور بجہرا (بجے رائے) مع اپنے سرداروں کے بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے میدانِ جنگ میں کام آیا، بقیہ فوج نے "بھتیلور" (بھلت لور) کی راہ لی، جو سالوج اور قندابیل کے درمیان تھا، ان لوگوں نے وہاں سے ایک عرضی محمد بن قاسم کے پاس بھیجی، جس مین معافی کی خواستگاری اور اطاعت کا اقرار تھا، یہ لوگ راجہ داہر کے وفادار نہ تھے، کیوں کہ ان کے بعض آدمیوں کو اس نے قتل کر دیا تھا، اس لیئے گو مسلمانوں سے انھوں نے شکست کھائی مگر راجہ داہر کے پاس جانا قبول نہ کیا، غرض سپہ سالار نے ان کو امان دی، ان لوگوں نے ایک ہزار درہم سالانہ خراج دینا قبول کر لیا، اور اپنے کفیل (ضامن) سیوستان بھیجے، کیونکہ سیوستان پر مسلمانوں کا بلا توسط غیرے قبضہ تھا۔ اور لشکرگاہ اسلامی کے مرکز سے قریب تھا۔ فتح سیسم کے بعد وہاں کے لوگوں پر خراج مقرر کر دیا، اور اطمینان کے لئے ان کو عہدنامہ لکھ دیا گیا، حمید بن وداع اور عبدالقیس جارودی کو ان پر حاکم مقرر کر دیا[1]۔

محمد بن قاسم کی واپسی

محمد بن قاسم آگے بڑھنے ہی کو تھا کہ حجاج کا خط آیا، کہ اب نیرون واپس آجاؤ اور دریا کو عبور کر کے راجہ داہر کی طرف قدم بڑھاؤ، اور خود راجہ داہر سے مقابلہ کرو۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۵) اوّل تو مذہبی اختلاف۔ کاکا بودھ کا مقلد تھا، اور وہ برہمن۔ (۲) یہ کہ کاکا نے ابتداء مین یہ سمجھ کر آؤ بھگت کی ہوگی کہ یہ شاہزادہ ہے۔ دو چار روز رہ کر پایۂ تخت چلا جائے گا، لیکن امید کے خلاف اس نے قلعہ پر قبضہ کر لیا، اور جنگی تیاری مین مصروف ہوگیا۔ اور غالباً محکوم قوم سمجھ کر توہین آمیز طریقہ پر کاکا سے پیش آیا ہو تو تعجب کی بات نہیں ہے، انہی وجوہات کی بنا پر کاکا عربوں سے مل گیا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ بہرحال اس کو کسی نہ کسی کا محکوم ہو کر رہنا ہے، اور اس وقت سپہ سالار محمد بن قاسم کا برتاؤ محکوموں کے ساتھ جس قدر فیاضانہ تھا اس کو سن کر وہ اور زیادہ مائل ہوگیا ہوگا۔ [1] چچ نامہ ص ۱۴۵

نصیحت کے طور پر یہ بھی لکھا تھا کہ

"بھروسہ ہمیشہ خدا پر رکھو، اور اسی کی طرف سے مدد کے امیدوار رہو۔ جن شہروں اور قلعوں پر قبضہ کرو، اس کو خوب مضبوط کر لو، اور پختہ انتظام کر کے آگے بڑھو۔ تاکہ دشمنوں کو پیچھے سے ستانے کا موقع نہ ملے۔"

سپہ سالارِ اسلام نیرون واپس آگیا، اور ایک پہاڑی پر جس کے آس پاس سرسبز زمین تھی، اور پانی وافر تھا مقیم ہوا۔ اور اطراف کے اضلاع پر ایک ایک دو دو دستے بھیج کر مطیع بنانے اور انتظام کرنے میں مشغول ہوگیا، اور مندرجۂ ذیل خط حجاج کو بھیجا۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بندہ محمد بن قاسم کی طرف سے بعد سلام علیک کے معروضِ خدمت ہے کہ بحمد اللہ ہم تمام مسلمان اعلیٰ و ادنیٰ مع الخیر ہیں۔ ہر بات بہترین طریقہ سے انجام پا رہی ہے اور سب لوگ بہت خوش ہیں۔

رائے عالی پر واضح ہو کہ صحراؤں اور پرخطر منازل طے کر کے اور دریائے سندھ کو عبور کرنے کے بعد وہ حصہ ملک جو مقام بدھیا کے گرد ہے، اور قلعہ بغرور کے سامنے لب دریائے سندھ واقع ہے، سب پر قبضہ کر لیا گیا ہے۔[1]

قلعہ نیرون جو راجہ داہر کے پایۂ تخت الور کے ماتحت تھا معمولی مقابلہ کے بعد وہ بھی قبضہ میں آگیا ہے۔ چونکہ دار الخلافہ سے واپسی کا حکم صادر ہوگیا اس لئے اس جانب آگے پیشقدمی روک کر قلعہ نیرون میں واپس آگیا ہوں، مجھے امید ہے کہ خدا کی مدد، امیر المومنین کی مہربانی، اور جناب کی ذات والا صفات کی توجہ سے مضبوط سے مضبوط قلعے بھی فتح ہو جائیں گے، اور ہمارے خزانہ کو جو بار اٹھانا پڑا ہے۔ اس کا بہت جلد معاوضہ ہو جائے گا۔ سیسم اور سیوستان کے قلعوں پر

[1] چچ نامہ۔

پر بھی ہمارا قبضہ ہے، اور داہر کا بھتیجا میدان جنگ مین مارا گیا۔

ہر ضروری مقام پر مسجدین بنا دی گئین جہان اذان اور خطبے وقت پر ہوتے ہین دریائے سندھ کے مشرقی جانب ایک قلعہ جزیرہ مین ہے۔ یہان کے ٹھاکر دیا راجہ) کو راسل کہتے ہین، ہند اور سندھ کے اکثر راجہ اس کی بات مانتے ہین۔ اگر یہ ہمارے ساتھ مل جائے تو دریا پار اترنے مین بڑی آسانی ہوگی۔[1]

محمد بن قاسم نیرون سے چل کر ایک منزل پر خیمہ زن تھا، کہ راجہ راسل اور قوم "بھٹو" کے لوگ آئے، اور امان کے خواستگار ہوئے۔ اس نے حجاج کے احکام کے مطابق شرائط پیش کر کے ایک عہد نامہ کے ذریعہ صلح کرنے کی ترغیب دی۔ یہ لوگ وہان سے اپنے اپنے حاکمون کے پاس واپس گئے۔

فتح قلعہ اشیہار محرم ۹۳ھ مین محمد بن قاسم آگے بڑھا اور قلعہ اشیہار پہنچا۔ یہ ایک مضبوط قلعہ تھا یہان کے لوگون نے اس کو کافی مضبوط کر کے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ اس کے چارون طرف خندق کھود دی، مغربی جانب جو گاؤن تھے۔ ان لوگون کو قلعہ کے اندر لے لیا۔

سپہ سالار عرب نے یہ دیکھ کر جنگ شروع کر دی۔ اور ایک ہفتہ تک محاصرہ کئے رہا۔ اس عرصہ میں کئی بار دونون جنگ آزما ہوئے۔ اس سے غنیم نے اندازہ لگایا کہ عرب فوج زیادہ طاقتور ہے، اس لئے ان لوگون نے امان طلب کی، سپہ سالار نے ان کی درخواست قبول کر لی۔ سالانہ ٹیکس اور حاکم مقرر کر دیا، اور قلعہ کی چابی ایک معتمد کے سپرد کر دی، اور خود کچھ دنون یہان آرام لیا۔

محمد بن قاسم یہان سے چل کر دریائے سندھ کے مغربی کنارے آیا، اور اپنے خط کے جواب کا انتظار کرنے لگا۔ اس نے راجہ راسل کو لکھا تھا کہ ولایت (صوبہ) کچھ اور جورتہ (سورتہ) یہ دونون

---

[1] چچ نامہ ص ۵۵۔

متعلق صہ ۵

شمال

نقشہ فتوحات مغربی سندھ محمد بن قاسم سنہ ۹۳ھ

کشمیر
نمک سار
جہلم
چناب
راوی
بیاس
ستلج
ہکڑہ (دریاب خشک ہوگیا ہے)
یا واہند
سوستان
چینہ
بہاڑی
ریگستان
بہروج
سری بدیس
نالہ
نیرون
بہاڑی
اسپہار کا قلعہ
نالہ سانکڑا
جزیرہ بیت
دیبل
قنبلی
ارمبیل
ارمن بیلہ
قزدار
قیقان (کیکانان) یا قلات
پنجبور (پنجگور)
کنیز
تیز

مشرق

مغرب

جنوب

تم کو دے جاتے ہیں۔ اور اس پر تمہاری حکومت تسلیم کی جاتی ہے۔ غالباً اس کا کچھ جواب نہ آیا تو موکہ بن بسایہ کو یہی شرط پیش کی، جو سوستہ کا حاکم تھا۔ اس دوران میں "جاہین" "جاکم بیت" سے جنگ ہوتی رہی[1] جو غالباً موکہ کے مل جانے پر ختم ہو گئی۔

راجہ موکہ کا جواب | چند دنوں کے بعد اس کا جواب آیا کہ

"آپ نے جو میرے ساتھ احسان کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اس کا شکریہ، مجھے آپ کی اطاعت میں کوئی عذر نہیں ہے، بلکہ میں اپنے حق میں بہتر سمجھتا ہوں، لیکن یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ بادشاہ جو اپنے خادموں کو کوئی ملک بخیالِ حفاظت سپرد کرتا ہے تو وہ بغیر کسی ایسی وجہ کے کہ جس سے جان اور عزت خطرہ میں ہو اس سے غداری اور بیوفائی کرنا امانت میں خیانت کرنا ہے؛ میرا ملک بلکہ داہر کی تمام سلطنت میرا وطن اور باپ دادوں کا ورثہ ہے۔ داہر سے میری رشتہ داری بھی ہے۔ جو بلندی اس کو حاصل ہوئی، اس میں میرا بھی حصہ ہوگا۔ اس لئے اس کے ہر رنج و راحت میں شریک رہنا میرا فرض ہے۔ لیکن عقلی اور فلسفیانہ دلائل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ ملک ہمارے قبضہ سے نکل کر کسی دوسرے کے قبضہ میں جانے ہی والا ہے۔ اور عقلمند وہ ہے جو موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دے، تاکہ آنے والی مصیبت سے محفوظ رہے۔

چونکہ آپ نے مجھے قابلِ اعتماد سمجھا، اور میرے ساتھ بڑی فیاضی سے پیش آئے۔ اس لئے میرا بھی فرض ہے کہ آپ کا ساتھ دوں۔ لیکن اگر بغیر جنگ کے آپ کا ساتھ دوں تو میرا خاندان بدنام اور میں ذلیل ہو جاؤں گا۔ اس لئے تدبیر یہ ہے کہ میں اپنی لڑکی کی شادی کے بہانہ سے "ساکرٹا" جاتا ہوں آپ ایک ہزار سپاہی بھیج کر مجھے گرفتار کر لیجئے[2]۔"

[1] چچ نامہ قلمی ص ۵۰ [2] ص ۵۰ ۔ [3] تحفۃ الکرام جلد ۳ میں ہے کہ راسل اور موکہ دونوں بھائی تھے مگر آپس میں بنتی نہ تھی، غالباً اسی اختلاف سے محمد بن قاسم نے فائدہ اٹھایا۔

یہ خط لکھ کر محمد بن قاسم کے پاس روانہ کردیا۔ اور خود اپنی سلطنت کے بڑے بڑے ٹھاکروں کو لے کر ساکرہ چل پڑا، موکہ کا خط پاکر محمد بن قاسم خود تو اپنی جگہ پر مقیم رہا۔ لیکن بنانہ بن حنظلہ کو اسی کے قبیلہ سے ایک دستہ فوج پر افسر بنا کر مع ایک ترجمان کے مقام ساکرٹھ کی طرف بھیجدیا،

بنانہ نے وہاں پہنچ کر اچانک ان کو گھیر لیا، "موکا" مع اپنے خاندان کے گرفتار ہوگیا۔ گرفتار ہونے والوں میں بیس ٹھاکر (سردار) بھی تھے۔

راجہ موکا کی عزت افزائی

جب یہ لوگ محمد بن قاسم کے سامنے لائے گئے۔ تو وہ بہت متاثر ہوا، اس نے فوراً موکا کو کرسی پر بیٹھنے کی اجازت دی۔ اور ایک لاکھ درہم بطور انعام کے عنایت کیا، اور خلعت دے کر سرفراز کیا، پھر اس کو ایک سبز چھتر جس کی چوٹی پر مور بنا ہوا تھا، مرحمت کیا، اس کے خاندانی ٹھاکروں کو بھی خلعت اور گھوڑے عطا کئے۔ علاقہ "بیٹ" کی حکومت موکا کے سپرد کی گئی، اور مزید عنایت کا اظہار کرنے کے لئے ایک عہد نامہ تحریر کردیا کہ اس ضلع کی حکومت موکا اور اس کے خاندان میں نسلاً بعد نسلٍ قائم رہے گی۔

سندھ میں مسلمانوں کی طرف سے یہ پہلی تاج بخشی تھی، جس کے باعث موکا دل سے مسلمانوں کا وفادار ہوگیا، اور نہایت عاجزانہ لہجہ میں اس نے وفاداری کا اقرار کیا پھر وہ رخصت کردیا گیا۔[1]

ان انتظامات کے بعد وہ دریائے سندھ پار اترنے کی فکر میں تھا۔ کہ داہر کو ان حالات کی اطلاع ہوئی، نہایت برہم ہوا۔ اور سب سے زیادہ غصہ اس کو اس پر آیا کہ اس کے مقرر کردہ حاکم اس سے باغی ہوکر محمد بن قاسم کے مطیع اور وفادار بن رہے ہیں۔ غرض اس نے ایک جرار فوج عربوں کے مقابلہ کے لئے

---

[1] موکا بن بسایہ کچھ کے راجہ راسل کا بھائی تھا، اور آپس میں دونوں کی بنتی نہ تھی، محمد بن قاسم نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ بھائی کا تخت اس کو دے کر اپنا طرف دار بنالیا، (تحفۃ الکرام وچچ نامہ ص ۶۸)

روانہ کی، جو دریا پار ہو کر عربی فوج کے بالمقابل خیمہ زن ہو گئی۔

مسلمان بھی مقابلہ کے لئے فوراً تیار ہو گئے، اور ایسے دلیرانہ حملے کئے اور اس استقلال سے میدانِ جنگ میں جم کر لڑے کہ داہر کی فوج مقابلہ سے عاجز آ گئی۔ اور شکستِ فاش اٹھا کر بھاگ نکلی،[1]

عربون کا وفد راجہ داہر کے پاس

اس موقع پر سپہ سالارِ عرب نے مناسب سمجھا کہ ایک وفد راجہ داہر کے پاس روانہ کرے، چنانچہ شام کے ایک معزز شخص کو مع ایک سندھی نومسلم کے جن کا نام مولانا اسلامی تھا، راجہ داہر کے دربار میں بھیجا، جب یہ سفارت پہنچی تو برخلافِ رسم و رواج ان لوگون نے دربار میں پہنچ کر نہ تو سجدہ کیا اور نہ سر جھکایا۔

غرض عام تعظیم جو رائج تھی، اس کی عدم ادائگی سے راجہ داہر بہت برہم ہوا خصوصاً مولانا اسلامی سے جو دیبل کے ایک معزز ہندو خاندان سے تھے، اور راجہ داہر ان کو بخوبی جانتا تھا، داہر نے ان سے مخاطب ہو کر دریافت کیا کہ

"تم آدابِ شاہی کیون نہ بجالائے۔ کیا اس کی تم کو ممانعت کر دی گئی ہے؟"

مولانا نے جواب دیا کہ

"جب تک مین ہندو تھا اور آپ کی رعایا تھا، شاہی آداب بجالانا میرا فرض تھا لیکن اب کہ مین مسلمان ہو گیا ہون، اور خلیفہ کی رعایا مین سے ہون۔ سوائے خدا کے کسی انسان کے آگے سر جھکانا جائز نہیں ہے۔"

اس وقت راجہ داہر گو اس جواب سے بہت متاثر ہوا، مگر انتہائی مایوسی سے اس نے کہا کہ

"افسوس تم سفیر بن کر آئے ہو، ورنہ قتل کے سوا اور کوئی دوسری سزا تمہاری نہ تھی۔"

مولانا نے فرمایا کہ

---

[1] یعقوبی جلد اول ص ۳۴۶ لیدن۔

"میرے جیسے ایک آدمی کے قتل سے عربوں کا کوئی نقصان نہیں۔ لیکن یاد رکھو کہ میرے
خون کا معاوضہ مسلمان اس طرح لیں گے کہ آپ کو سخت نقصان اٹھانا پڑے گا۔"[1]

اس کے بعد سفارت کی اصل کارروائی شروع ہوئی، اور سالارِ فوج کا پیغام سنایا گیا، راجہ
داہر نے اپنے وزیر "سی ساکر" سے اس بارہ میں مشورہ لیا، اس نے کہا کہ عربوں کا اس پار آنا ہمارے
لئے زیادہ مفید ہوگا، پھر باغی عرب یعنی خاندانِ علافی کے سردار جو اس وقت راجہ داہر کے پاس
پناہ گزین تھے۔ اس مشورہ میں شریک کئے گئے، علافی نے اس کے مخالف رائے دی، آخر وفد سے
کہہ دیا گیا کہ تمہاری کوئی شرط منظور نہیں ہے، اور تلوار ہی اس کا فیصلہ کرے گی۔ اور دریا پار اترنے
میں تم کو اختیار ہے"۔

اراکینِ وفد اس انکاری جواب کو لے کر واپس آ گئے، داہر نے اسی وقت سے فوجی تیاری
شروع کر دی، اور جلد ہی وہ دریائے سندھ کے قریب آکر خیمہ زن ہوگیا،[2]

اسلامی فوج کا سردار آگے بڑھنے کا خیال کر ہی رہا تھا کہ حجاج کا خط مع دو ہزار سوار کے پہنچا،
جس میں دریا کو عبور کرنے کا حکم تھا۔

محمد بن قاسم نے ایک خط حجاج کو لکھا تھا جس میں دریا عبور کرنے کی اجازت مانگی، وہ ابھی
جگہ پر تھا کہ حجاج کی اجازت آ گئی، بس ایک معزز شخص کو سدوستان کا حاکم بنا کے دریا عبور کرنے کی
تدبیروں میں مشغول ہوگیا، اور موکا کو کشتیاں فراہم کرنے کا حکم دیا، اسی درمیان حجاج کا دوسرا خط
پہنچا جس میں اس نے دریائے سندھ کا ایسا نقشہ طلب کیا، جس میں طول و عرض، نشیب و فراز

---

[1] چچ نامہ ص ۶۰ [2] میرا خیال ہے کہ راجہ اس وقت برہمن آباد میں تھا، کیونکہ راجہ برسات اور میں،
سردی برہمن آباد میں، اور گرمی راور میں گذارا کرتا تھا، محمد بن قاسم جب نیرون میں تھا تو موسم گرما تھا، سیوستان موسم برسات
میں فتح کیا، اور جب نیرون واپس آیا تو موسم سرما تھا، کیونکہ نیرون اور سیستان میں چند ماہ گذار چکا تھا۔

بارہ میل تک ہو۔

ادھر داہر لشکر لے کر عربی لشکر کے مقابل اترا، (دریاے سندھ کے اُس پار مشرقی جانب) جو جیور کے سامنے تھا، ہاتھی پر سوار ہو کر ساحل پر آیا، اس وقت ایک شامی تیر انداز گھوڑے پر سوار دریا کنارے آیا ہوا تھا، گھوڑا پانی دیکھ کر بھڑکا۔ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر داہر نے تیر کمان سے جوڑ کر اس طرح نشانہ لگایا کہ شامی کا خاتمہ ہو گیا۔

پھر داہر نے ملک جاہین کو حکم دیا کہ دریا کی حفاظت کرو (یہ کہ خبردار) دشمن کسی طرح پار نہ اترنے پائے، اسی اثنا میں سیوستان مین بغاوت ہو گئی، چندرام (چندر رام) نے جو سیوستان کا پہلے حاکم تھا، موقع دیکھ کر وہان کے عرب حکام کو نکال دیا، اور خود قلعہ پر قابض ہو گیا،

محمد بن قاسم کو جب یہ معلوم ہوا تو محمد بن مصعب بن عبدالرحمٰن کی سرداری مین ایک ہزار سوار اور دو ہزار پیادہ سیوستان روانہ کیا، ابن مصعب نے دشمنون کو مار کر قلعہ واپس لے لیا، اور محمد بن قاسم کے حکم کے مطابق قلعہ قابلِ اعتماد آدمی کے سپرد کر دیا، پھر نئی بھرتی کر کے چار ہزار جاٹ سپاہیون کے ساتھ محمد بن قاسم سے آملا۔

قحط | داہر کا لڑکا جے سنگھ قلعہ بیٹ کی حفاظت کے لئے دریاے گونگ کے راستہ کنارے پہنچا، عرب بھی جھم اور کوئیل کے برابر اتر پڑے۔ اور پچاس روز تک ان کا یہان قیام رہا جس سے عرب لشکر مین قحط پڑ گیا، جانورون مین بیماری پھیل گئی، سپاہی ان کو کھانے لگے۔

یہ خبر جب داہر کو ہوئی تو بہت خوش ہوا، اور محمد بن قاسم کو ایک سفیر کے ذریعہ کہا کہ تم نے میرے ساتھ لڑنے کا نتیجہ دیکھ لیا، اب بھی اگر واپس چلے جاؤ تو غلہ اور چارہ بھیج دین گے، محمد ابن قاسم نے جواب دیا کہ تم اطاعت قبول کر کے دو سال کا خراج ادا کرو تو ہم صلح کے لئے تیار ہین۔[1]

[1] بلاذری ص ۴۳۰۔

غرض جب اس قحط کی حجاج بن یوسف ثقفی کو خبر ہوئی تو اس نے فوراً دو ہزار گھوڑے بھیج دئے، پھر اس ملک کی آب و ہوا کے باعث عربون کو سرکہ کی ضرورت محسوس ہوئی، حجاج کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے روئی کو سرکہ مین تر کرکے سایہ مین خشک کرالیا، اور اونٹون پر لاد کر محمد بن قاسم کے پاس بھیجدیا، اور لکھا کہ جب ضرورت محسوس کرو تو اس روئی کو پانی مین ڈال کر سرکہ حاصل کرو، پھر سخت تاکید کی کہ جس قدر جلد ممکن ہو، دریا عبور کرکے دشمنون پر فتح حاصل کرو، اور اس تنگ مقام پر سے جس کو "بیٹ" کہتے ہین، جہان جزیرہ ہے اور دریا کا پاٹ کم ہوگیا ہے، دریا کو عبور کرو، چنانچہ محمد بن قاسم آگے بڑھ کر (جنوب جانب موجودہ ضلع ٹھٹھ مین) ساکرہ (ضلع جھم) کی طرف آیا، اور کشتیون کا پل بنانے کا حکم دیا،

داہر کو وزیر کا مشورہ

ادھر راجہ کا یہ حال تھا کہ دن عید، رات شب برات تھی، سیر و شکار مین سارا وقت صرف کرتا تھا، یہ دیکھ کر بھند یر بودھی وزیر نے عرض کیا کہ دشمن سر پر آگیا ہے اور مہاراج عیش و عشرت مین مشغول ہین۔ اس نے کہا کہ پھر تمھیں بتاؤ کہ مین کیا کرون؟ وزیر نے کہا کہ تین باتیں ہین، اول یہ کہ آپ اپنے اہل و عیال کو ہندوستان بھیجدین۔ اور دل کھول کر لڑین۔ ورنہ دوسری صورت یہ ہے کہ تمام قابلِ اعتماد لشکر لے کر ریگستانی علاقہ کی طرف نکل جائین، اور وہان کے لوگون کو ساتھ ملا کر لڑائی کیجئے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ حسوم کے راجہ کے پاس آپ چلے جائیں، وہ آپ کا قدردان ہے، اس سے مدد لے کر دشمن کو ملک سے نکال دیجئے، راجہ نے کہا کہ مجھے کسی سے مدد مانگتے شرم اور غیرت معلوم ہوتی ہے، وزیر نے پوچھا، تو پھر مہاراج کا کیا ارادہ ہے، اس نے کہا کہ مین تو دشمنوں سے خالی کراؤں گا یا جان دے دوں گا، وزیر نے کہا کہ بیشک میرا بھی یہی خیال ہے[1]

[1] چچ نامہ قلمی ص ۶۷

جب راجہ داہر کو موکا کی غداری معلوم ہوئی تو اپنے لڑکے جے سنگھ کو دریا کے اس پار قلعہ بیٹ پر بھیجا، جو محمد بن قاسم کی طرف سے موکا کو دے دیا گیا تھا، راجہ راسل جو موکا بن بسایا کا بھائی تھا، اس نے عرض کیا کہ یہ خدمت مجھے سپرد کی جائے، راجہ نے موکا کے بھائی کو وہ علاقہ سپرد کیا، اور اس کو حکم دیا کہ کسی طرح عربی فوج دریا پار نہ ہونے پائے۔ اس نے کہا کہ بھائی کی غداری کا بدلہ ادا کرون گا۔ اور دشمنون کو بھی ناکام رکھون گا، پس جے سنگھ وہان سے واپس بلا لیا گیا[1]۔

احتیاطی تدابیر محمد بن قاسم اگرچہ دریا عبور کرنے کی فکر مین ہمہ تن مشغول تھا، لیکن اس سے قبل اس نے مناسب سمجھا کہ احتیاطی تدابیر بھی مکمل کر لے، تاکہ نہ تو دشمنون کا (یا باغیون کا) پیچھے سے حملہ ہو سکے، اور نہ آگے سے راجہ داہر روک سکے۔ اور سامانِ رسد کے مہیا ہونے مین بھی کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

چنانچہ سلیمان بن بنہان قریشی کو چھ سو سوارون کے ساتھ قلعہ را اور بغرور کا راستہ روکنے کے لئے روانہ کیا، تاکہ راجہ داہر کا لڑکا گوپی اس سے آکر نہ مل جائے، اس کے بعد عطیہ طفلی کو پانچ سو جمعیت کے ساتھ اس راستہ کی حفاظت کے لئے بھیجا جس طرف سے ہندو سردار "آکھم" مقام "گندادا"[2] (کری واہ) پر راستہ روکنے کے لئے آ رہا تھا، پھر نیرون کے بودھی سردار (حاکم) کو یہ فرمان بھیجا کہ سامانِ رسد کے لئے یہان کی سڑک کھلی رکھو،

اس کے علاوہ ذکوان بن علوان بکری پندرہ سو سپاہیون کو لے کر آیا۔ اسی درمیان میں موکا بھیم کے ٹھاکرون اور بجھم کے جاٹون کو لے کر حاضر ہوا۔ اور ساکرہ کے سردارون کو جزیرہ بیٹ کی طرف روانہ کیا، تاکہ وہان کی حفاظت کرین، تاکہ بیٹ جو اس پار واقع ہے، غنیم نہ اس طرف جا سکے نہ آ سکے،

---

[1] چچ نامہ ص ۶۸۔ [2] چچ نامہ کے ایک دوسرے نسخہ مین "کندراہ" لکھا ہے۔ ساکرہ جہان محمد بن قاسم مقیم تھا، وہان سے کچھ دور ایک ندی "کری واہ" ہے، میرا خیال ہے کہ اسی لفظ کی تصحیف ہو گئی ہے، کیونکہ اسی مقام سے دشمن پار اتر کر مزاحم ہو سکتا تھا،

ان باتون سے فارغ ہونے کے بعد سردارِ فوج نے مصعب بن عبدالرحمن کو طلیعہ کا افسر بنایا، اور بنانہ بن حنظلہ کو ایک ہزار کا سوار مقرر کر کے قلب مین قیام کرنے کا حکم دیا،

جب محمد بن قاسم ثقفی ان باتون سے فارغ ہو گیا، تو دریا پار اترنے کا بندوبست کرنے لگا، پہلے تو دریا کے پایاب جگہ کی تلاش کرائی۔ مگر کامیاب نہ ہوا، تو کشتیون کا پل بنانا چاہا، جن کو موکا نے فراہم کرایا تھا، لیکن راجہ راسل جو اس طرف راجہ داہر کے حکم سے موجود تھا، اس مین سخت مزاحم ہوا۔ مجبوراً سردارِ فوج نے ایک جدید تدبیر پل بنانے کی اختیار کی، اس نے دریا کے پاٹ کا اندازہ لگا کر اسی مغربی طرف دریا کے کنارے کنارے کشتیان طول مین کھڑی کرا دین، پھر ایک دوسرے کو بڑی مضبوطی سے باندھ دین۔

کشتیون کا پل

رات کا کچھ حصہ گذرنے پر کشتیون کو دریا کے عرض کی طرف بڑھانا شروع کیا، اور جب دریا کے بہاؤ پر پہنچین تو تیزی کے ساتھ اس پار جا لگین، کشتیون پر تیرانداز سپاہی موجود تھے، راجہ راسل کے سپاہیون نے کچھ مزاحمت کرنی بھی چاہی تو تیراندازون نے ان کا منہ پھیر دیا، جیسے ہی کہ پل تیار ہوا، فوراً فوج نے عبور کرنا شروع کر دیا، اور زمین پر قدم رکھتے ہی راسل کی فوج پر اس قدر پُرزور حملہ کیا، کہ تھوڑی ہی دیر مین غنیم بھاگ نکلا، اور اسلامی فوج اس کا تعاقب کرتے ہوئے جیم کے پھاٹکون پر پہنچ گئی۔

صبح کے وقت جب راجہ داہر کی آنکھ کھلی تو اس کے ایک معتمد نے اس کو یہ خبر سنائی کہ مسلمان دریا پار آ گئے اور راسل کو شکست ہوئی۔ راجہ اس بدشگونی سے اس قدر برہم ہوا کہ اس کو فوراً مار ڈالا، اس ظلم سے اس کے امرا راجہ سے بدگمان ہو گئے۔

عربی فوج دریا پار

عربی فوج دریا کے ساحل سے ہٹ کر "بیٹ" مین مقیم ہوئی، مناسب مقام پر فوجین متعین کی گئین، اسلامی لشکر کے گرد خندق کھودی گئی، تاکہ اچانک حملہ سے محفوظ رہے، اور

تمام سامان رسد و آلاتِ جنگ کی مکمل حفاظت ہو سکے، سردارِ فوج اس مقام کو مرکز قرار دے کر آگے بڑھا، اور تھوڑی سی فوج یہان حفاظت کے لئے چھوڑ گیا،

راجہ داہر کو جب یہ معلوم ہوا تو محمد علافی کو کہا کہ تمہارے ساتھ احسان مین نے اسی دن کے لئے کیا تھا، اب تم فوج لے کر جاؤ۔ اور عربون کا مقابلہ کرو، محمد علافی نے کہا کہ مسلمانون کے ساتھ لڑ کر مین اپنی عاقبت خراب کرنی نہیں چاہتا، اس کے علاوہ جو کام مجھ سے لینا چاہو لو، راجہ نے کہا کہ اچھا تم میرے ساتھ رہو اور مشورہ دیتے رہو،

راجکمار کی شکست

اب تمام فوج شہر راور کی طرف کوچ کرنے لگی، یہان تک کہ مقام رجہپور پہنچی، ان دونون کے درمیان ایک جھیل تھی، جس کا نام کچھری (کنجھر) تھا، اس کے کنارے ایک منتخب فوج راجہ نے مقرر کر رکھی تھی، راجہ داہر نے اس کی کمک کے لئے ایک شاہزادہ کو بھیجا[ع] جھیل کے کنارے دونون فوجین طین، محمد بن قاسم خود ضروری امور انجام کے لئے پیچھے رہ گیا تھا، اور فوج کی کمان عبد اللہ بن علی ثقفی کے ہاتھ مین تھی[ا]،

عربون کے حملون کی تاب سندھی فوج نہ لا سکی، اور بھاگ نکلی، اس بھاگ دوڑ مین سندھی شاہزادہ کی لگام اتفاقاً ہاتھ سے چھوٹ پڑی اور گھوڑا کچھ اس قدر بدحواس ہو کر بھاگا کہ شاہزادہ سنبھل نہ سکا، اور زمین پر آرہا، عربون نے فوراً اس کو مار ڈالا، لشکر نے جو شاہزادے کی زین خالی دیکھی تو موت یقین کر کے راہ فرار کی لی،

[ا] تاریخ معصومی ۔ لیکن چچ نامہ مین اس سردار کا نام فخر بن ثابت قیسی ہے جو دو ہزار سوار لے کر گیا، اور محمد بن زیاد عبدی ایک ہزار سوار لے کر غالباً مدد کے لئے روانہ کیا۔ [ع] چچ نامہ مین اس کا نام جے سنگھ پسر داہر ہے، جو شکست کھا کر داہر کے پاس واپس گیا۔ وہ ہاتھی پر سوار تھا، فیلبان کی ہوشیاری سے میدانِ جنگ سے نکل بھاگنے مین کامیاب ہوا، راجہ اپنے لڑکے کو زندہ دیکھ کر بہت خوش ہوا۔

عبد اللہ ثقفی یہ کارِ نمایاں کر کے محمد بن قاسم کے پاس واپس آئے، سردارِ فوج نے اس مژدۂ فتح کو حجاج تک پہنچایا۔

راجہ راسل عربی لشکر میں

اس شکست سے راجہ داہر کے امرا مین مایوسی پھیل گئی، اور ہر شخص اپنے مستقبل کی فکر کرنے لگا۔ اس مین سب سے پہلے راجہ راسل نے پیشقدمی کی، اس نے دیکھا کہ مقام بیٹ جہان کا وہ حاکم بنایا گیا تھا، اس پر نہ صرف یہ کہ اسلامی فوج کا قبضہ ہے، بلکہ فوجون کا مرکز بن گیا ہے، پھر اس شکست سے رہی سہی امید بھی بیٹ پر قبضہ حاصل کرنے کی جاتی رہی، اس لیے اس نے محمد بن قاسم کے پاس خط بھیجا کہ

"مین بھی ننگ و عار سے ڈرتا ہون ورنہ حاضر ہو جاتا، مین تھوڑی فوج لے کر راجہ سے ملنے کے بہانہ فلان راستہ سے جاؤن گا۔ آپ فوج بھیجکر مجھے گرفتار کر لین۔"

چنانچہ قلعہ بیٹ پر اپنے باپ کو اپنی جگہ رکھ کر خود قلعہ سے نکلا، وہ نیترہی ندی کے کنارے تھا کہ عربون کے پانچ سو سوارون نے گرفتار کر لیا، محمد بن قاسم کے سامنے آیا تو شرمندہ ہوا۔ اور دریا سے پار اترتے وقت جو اس نے مدافعت کی تھی۔ اس کی معذرت کی، اور آیندہ وفاداری کا اقرار کیا، سردارِ فوج نے بھی اس کی کافی عزت کی،

بیٹ کا علاقہ جس کا یہ حاکم تھا، محمد بن قاسم نے موکا کو دے دیا تھا، اس کے متعلق راسل سے کہا کہ اگر مین اس کو نہ دون تو وعدہ خلافی ہوگی، اور پھر آیندہ میرے وعدہ پر کون بھروسہ کرے گا، راسل بھی اس قوی دلیل کو تسلیم کر کے موکا کے ساتھ مل کر عربی فوج کی خدمت بجا لانے مین مصروف ہو گیا، لیکن راسل کچھ عرصہ کے بعد مر گیا، اور موکا بلا شرکت جزیرہ بیٹ پر قابض ہو گیا۔

اب موکہ اور راسل دونون نے یہ مشورہ دیا کہ فوج کو پیش قدمی کرنی چاہیے، چنانچہ فوج نے فوراً کوچ کر دیا۔ اور نرانی" (یا نار این) نام ایک گاؤن مین مقیم ہوا، راے داہر اس وقت کجی جات

ین تھا، اور ان دونوں کے درمیان صرف جھیل حائل تھی، جو بہت بڑی تھی، اور اس سے پار اترنا ایک کارِ اہم نظر آتا تھا، راجہ راسل نے اس عقدہ کو حل کر دیا، اس نے سپہ سالار سے کہا کہ اس جھیل سے پار اترنے کی سخت ضرورت ہے، اور اگر اجازت ہو تو مین اس کا انتظام کرون، سپہ سالار نے بھی دیکھا کہ چکر کاٹ کر جانے مین بہت دشواری پیش آئے گی، اس لئے اس کو اجازت دے دی،

راسل نے ایک کشتی بہم پہنچالی، جس پر صرف تین آدمی سوار ہو سکتے تھے، چنانچہ اس نے پہلے تین آدمی کو اس وقت پار اتار کر سخت تاکید کردی کہ خاموش بیٹھے رہین۔ اس کے بعد اسی طرح تین تین کرکے ساری فوج اتر گئی، اور ایسے تمام پر مقیم ہوئی کہ وہ زمین خلیج کی شکل میں تھی، اس کے بعد راسل کے مشورہ سے اور آگے بڑھے، اور جے پور نامی ایک گاؤن پر قبضہ کر لیا، جو راور سے متعلق تھا، اور فوجی نقطۂ نگاہ سے بڑی کارآمد جگہ تھی، اور اس کے کنارے دہاوا (ندی) جاری تھی[1]، جس سے فوج کو پانی کی تکلیف سے قطعاً نجات مل گئی۔

اس خبر کو داہر کے وزیر سی ساکر نے سن کر شگون لیا کہ جے پور پر قبضہ ہونے کے معنے فتح کے ہین۔ راجہ داہر اس شگون سے اس قدر برافروختہ ہوا کہ بے اختیار کہہ اٹھا کہ "محمد بن قاسم جے پور نہیں بلکہ ہڑباڑی مین آیا ہے، جہان اس کی ہڈیان گرین گی، پھر بھی وہ اس قدر خوفزدہ ہوا کہ کھلے میدان سے ہٹ کر تمام اہل وعیال کو راور کے قلعہ مین لے جاکر قلعہ بند کر دیا۔ اور خود عربی فوج سے تین میل کے فاصلہ پر مقیم ہوا۔

جنگ داہر یہ حال دیکھ کر محمد بن قاسم آگے بڑھا، اور سندھی فوج سے ۱½ میل پر آکر خیمہ زن ہوا، دوسرے دن راجہ اور قریب آگیا، اور ایک ٹھاکر کو فوج دے کر بھیجا۔ عرب فوج بھی تیار تھی، دن بھر لڑتی رہی۔ رات کو واپس آئی، دوسرے دن دوسرے ٹھاکر کو بھیجا، جو مارا گیا، وزیر سی ساکر

[1] چچ نامہ کے ایک نسخہ مین "ودھاواہ" ہے، لیکن آج کل کے جغرافیہ مین اس مقام پر "کری واہ" ہے۔

نے کہا۔ اے راجہ میں نے پہلے بھی کئی بار مشورہ دیا، مگر نہ مانا، اور نقصان اٹھایا، پھر کہتا ہوں کہ یہ طریقۂ جنگ غلط ہے، بہتر یہ ہے کہ تمام فوج سے یکبارگی حملہ کر دیا جائے، راجہ نے قبول کیا،

دوسرے دن راجہ نے دیکھا کہ محمد بن قاسم قلعہ کے قریب آگیا ہے، تو اس نے بھی فوج کو ترتیب دیا اور بڑے شان و شوکت کے ساتھ فوج کو جنگ کا نقارہ بجاتے ہوئے نکالا، کوہ پیکر جنگی ہاتھیوں کی صف آگے آگے تھی[1]، ان کے پیچھے دس ہزار مسلح زرہ پوش سوار تھے، اس کے بعد تیس ہزار پیادہ فوج تھی[2]، اس کے درمیان راجہ کا سب سے بڑا اسفید ہاتھی تھا جس پر مرصع عماری کسی تھی، وسط میں راجہ داہر بیٹھا تھا، اور اس پاس خواصیں تھیں، جو شراب کا پیالہ اور پان کا بیڑہ اس کو دیتی جاتی تھیں[3]، اس ہاتھی کے ارد گرد بڑے بڑے بہادر ٹھاکر تھے،

یکم رمضان ۹۳ھ سے یہ جنگ شروع ہو گئی تھی، لیکن اصلی جنگ ۷ رمضان سے ہوئی، جنگ سے قبل روانگی کے وقت راجہ نے نجومیوں سے وقت سعد (شگون کی گھڑی) دریافت کیا، نجومیوں نے کہا کہ فتح تو عربوں کی نظر آتی ہے، کیونکہ ستارہ زہرہ ان کے پیچھے اور آپ کے سامنے ہے، اس خبر سے راجہ بہت پریشان ہوا، لیکن نجومیوں نے یہ کہہ کر تسلی دی کہ زہرہ کی ایک مورتی بنا کر راجہ کے پیچھے زین سے باندھ دی جائے گی جس سے معاملہ برعکس ہو جائے گا، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا،

یعقوبی کے بیان کے مطابق راجہ کی فوج اسلامی لشکرگاہ سے ۱½ میل پر کئی مہینے پڑی رہی[4]، اور آخر دن اچانک راجہ کے ایک افسر نے حملہ کر دیا، عربوں نے بڑی شجاعت سے اس کی

۱؎ چچ نامہ میں ساٹھ اور دوسری روایت کے بموجب سو کی تعداد لکھی ہے۔ ۲؎ چچ نامہ میں بیس ہزار تعداد ہے، اور ٹھاکروں کی تعداد پانچ ہزار، اس طرح کل فوج کی تعداد ۲۵ ہزار ہوئی، اور پھر معصومی کی روایت کے مطابق چالیس ہزار ہوئی۔ ۳؎ چچ نامہ میں ہے کہ ایک تیر دیتی جاتی اور دوسری پان کا بیڑا۔ ۴؎ یعقوبی نے اس مدت کو بھی محسوب کر لیا، جو محمد بن قاسم کے آنے سے پہلے کی ہے۔ یعنی جب سے داہر راور میں آ کر مقیم ہوا،

مدافعت کی، اور شام تک لڑتے رہے، دوسرے دن ۸ رمضان کو ایک دوسرے افسر کے ماتحت بھی اسی طرح صبح سے شام تک لڑائی ہوئی، ۹ کو خود راجہ جنگ کے لئے نکلا، عربی فوج بھی کری ندی پار ہو کر میدانِ جنگ میں آئی۔ شام تک جنگ ہوئی مگر کوئی فیصلہ نہ ہوا۔

۹ رمضان ۹۳ھ بدھ کے دن جو جنگ ہوئی اس میں عربی فوج کی ترتیب اس طرح تھی کہ قلب میں سپہ سالارِ فوج اور محرز بن ثابت، میمنہ پر جہم جعفی اور ذکوان بکری میسرہ پر، مقدمہ پر عطا بن مالک قیسی، اور ساقہ پر بنانہ بن حنظلہ مقرر کئے گئے،

سپہ سالار نے کہا کہ "اگر میں شہید ہو جاؤں تو میری جگہ محرز بن ثابت لیں گے، اور وہ بھی نہ رہیں تو سعید تمہارا سپہ سالار ہے"

جنگ شروع ہو گئی، محرز بڑی دلیری سے لڑکر شہید ہوئے، حسن بکری کا انگوٹھا تلوار سے کٹ کر گر گیا، مسلمانوں کو زیادہ جوش آگیا، اور بڑی بہادری سے شام تک لڑتے رہے، اور آخر دونوں فوجیں اپنے اپنے خیموں میں واپس ہوئیں،

۱۰ رمضان ۹۳ھ صبح کے وقت دونوں فوجیں میدانِ جنگ میں پھر آئیں، داہر کا لڑکا جے سنگھ دس ہزار سواروں کے ساتھ قلب میں کھڑا ہوا اور داہر سفید ہاتھی پر سوار تھا، اور آس پاس جنگی ہاتھی اس کو گھیرے ہوئے تھے، ٹھاکروں کی تعداد بھی کچھ کم نہ تھی، مشرقی علاقے کے جاٹ راجہ کے پیچھے موجود تھے، دس جنگی ہاتھی میسرہ پر متعین کر دئے، سواروں اور ہاتھیوں پر حاکم مبیٹ سردار جاہین کو افسر بنایا؛[1]

ادھر سپہ سالارِ عرب نے اپنی فوج کو جدید طریقہ سے ترتیب دیا، میمنہ پر حنظلہ کلابی اور میسرہ پر ذکوان بن علوان بکری کو مقرر کیا، قلب میں خود موجود رہا، ابو صابر ہمدانی کو خصوصیت سے

---

[1] چچ نامہ ص ۷۵

ہاتھیوں کے مقابل رکھا، ہذیل بن سلیمان، زیاد ازدی، مسعود کلبی، مخارق راسبی کو قلب کے آگے مقدمہ میں محمد بن زیاد عبدی اور بشر بن عطیہ مقرر ہوئے، اور دوسری طرف مصعب بن عبدالرحمن ثقفی، اور خریم بن عروہ مدنی تھے، جو راجہ داہر کے مقابل کھڑے کئے گئے، سواروں کے تین حصے کئے، ایک حصہ قلب میں، دوسرا میمنہ اور تیسرا میسرہ میں رکھا گیا، اسی طرح نفت اندازوں کی تعداد نو سو تھی. تین سو قلب میں، تین سو میمنہ میں اور تین سو میسرہ میں قائم کیا، نمازِ صبح ادا کرکے پانچ صف میں سب کھڑے ہو گئے، ان کو مخاطب کرکے سپہ سالار نے کہا:۔

"اے عربی نژاد لوگو! تم اپنے وطن اور اہل و عیال سے علٰحدہ اس سرزمین میں آئے ہو، جہاں تمہارے دشمن تم سے جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہیں، تمہارا کوئی مددگار نہیں ہے، اس لئے سارا بھروسہ خدا پر رکھو، وہی کامیابی عطا کرنے والا ہے، جب جنگ شروع ہو تو ہر شخص کو اپنے فرائض کا خیال رکھنا چاہئے۔"

اسی طرح کا ایک پُر جوش خطبہ دیا جس سے ہر سپاہی کی رگوں میں خون جوش مارنے لگا اور سب سے پہلے اپنی جان نثار کرنے پر آمادہ ہو گیا، پھر آب داروں کو بلا کر تاکید کی کہ پانی کا پیالہ ہر وقت تیار رکھیں۔

جنگ شروع ہو گئی، داہر نے ایک فوج عربی لشکر پر حملہ کے لئے روانہ کی، ادھر سے ابو فضہ قشیری نے دو سو سواروں کا دستہ لے کر اس زور سے حملہ کیا، کہ کسی طرح دشمنوں کا قدم جم نہ سکا اور بھاگ کر داہر کے پاس پناہ لی۔

پھر داہر نے دوسرا گروہ بھیجا، ابو فضہ نے خدا کا نام لے کر اس پر بھی پر زور حملہ کیا، اور شکست دے کر فرار پر مجبور کیا، تب داہر نے ایک تیسری فوج بھیجی جس کو ابو فضہ نے مار مار کر ایسا پریشان کر دیا کہ آخر میدانِ جنگ میں نہ ٹھہر سکی۔

اس درمیان مین چند برہمن آئے، اور سپہ سالار سے امان کی درخواست کی، جو منظور ہوئی اس وقت انھون نے مشورہ دیا کہ راجہ داہر کی فوج عقب سے غیر محفوظ ہے، سوارون کا ایک دستہ مجھے دو کہ حملہ کر کے ان کو تباہ کر دون، چنانچہ مروان بن اسحم یمنی، اور تمیم بن زید قیسی کو ایک لشکر دے کر روانہ کیا، جنھون نے عقب سے ایسا حملہ کیا کہ دشمنون کے پیر اکھڑ گئے۔ اور پھر دو حصون مین منقسم ہو گئے۔

اس موقع سے فائدہ اٹھا کر سپہ سالار عرب نے ایک پُرجوش خطبہ سے مجاہدین کے خون مین گرمی پیدا کی جس سے ہر سپاہی سب سے پہلے اپنی جان دینے کو تیار ہو گیا، ادھر راجہ کی فوج بھی اپنے ملک و مذہب پر جان نثاری کے لئے ہر طرح سے بے چین تھی،

غرض عرب لمبے نیزے آگے کو جھکائے ہوئے سندھی فوجون پر ٹوٹ پڑے، سندھی فوجون نے بھی بڑی گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا، آہستہ آہستہ جنگ کی آگ مشتعل ہوتی گئی۔ اور لڑائی کا بازار ایسا گرم ہوا کہ کسی کو کسی کا ہوش نہ رہا، عربون کی فوج مین شجاع حبشی نے ایسے سخت حملے کئے کہ سندھیون مین کھلبلی مچ گئی، آخر دلیرانہ حملہ کی بدولت وہ داہر تک پہنچ گیا، اور اس کے ہاتھی کے سونڈ کو زخمی کر دیا، مگر داہر کے تیر سے شہید ہو گیا، جس کا خصوصیت سے سپہ سالار فوج محمد بن قاسم کو بے حد افسوس ہوا۔

یہ حالت دیکھتے ہی سپہ سالار فوج نے ہر سپاہی کو جوش دلا کر ایک پُرجوش حملہ پر آمادہ کیا، اور خود بھی بڑی جرأت کے ساتھ آگے بڑھا، سپہ سالار کی حوصلہ افزائی سے فوج مین ایک نیا دلولہ پیدا ہوا، تمام فوج نے یکایک ایسا حملہ کیا کہ جنگ کی تیزی دوگنی ہو گئی۔ ہاتھیون سے آگے جس قدر فوج تھی عربون نے ان سب کو مار بھگایا، لیکن خود ہاتھیون کا دل بادل ایک لاعلاج چیز تھی۔

نفت کا استعمال | آخر سالار فوج نے اس کی بھی ایک تدبیر نکال لی، پچکاریون کے ذریعہ روغن نفت

پھینکنے والے آتش باز طلب کئے گئے جنھون نے روغن نفت ان پر خوب برسایا، اور پھر ان مین آگ لگادی، ہاتھی اس مصیبت کو نہ برداشت کرسکے، اور اپنی ہی فوجون کو روندتے ہوئے بھاگے، لیکن راجہ کے پاس اس وقت بھی ایک ہزار ٹھاکر موجود تھے،

اس بھاگ دوڑ مین عربون کا لشکر راجہ کے خیمہ تک پہنچ گیا، اور حرم کی بعض عورتون کو (جو غالبًا خواصین تھیں) گرفتار کرلیا، ان کے رونے پیٹنے کی آواز راجہ کے کان تک پہنچی، اس نے سمجھا کہ لشکریون کی عورتین ہین، اس لئے تسلی کے طور پر کہا کہ مت گھبراؤ، اس طرف چلی آؤ، مین یہان ہون، راجہ کی آواز سن کر عورتون نے کہا کہ مہاراج! ہم تو عربون کے ہاتھ گرفتار ہین، کیونکر آپ تک پہنچین، یہ سن کر راجہ کو بڑا طیش آیا، اس نے کہا کہ مین تو ابھی زندہ موجود ہون اور میرے رہتے ہوئے کس کی مجال ہے جو تمہیں گرفتار کرے؟ یہ کہہ کر اس نے فیلبان کو حکم دیا کہ ہاتھی کو اس طرف لے جائے تاکہ ان عورتون کو نجات دلائے، محمد بن قاسم نے جو راجہ کے ہاتھی کو آگے آتا دیکھا تو آتش بازون کو حکم دیا کہ اپنی کارگزاری دکھائیں، چنانچہ ایک تجربہ کار اور نشانہ انداز نے اس خوبی سے روغن نفت کی پچکاری بھر کر ماری کہ عماری مین فوراً آگ لگ گئی، اور اس کا کچھ حصہ ہاتھی پر بھی گرا جس سے اس قدر سوزش شروع ہوئی کہ ہاتھی بے چین ہوکر بھاگا[1]، اور سیدھا پانی مین جاکر گھس گیا، راجہ، خواصین، فیلبان، تیرانداز سب غوطے کھانے لگے، آخر محافظ فوج نے راجہ کا یہ حال دیکھ کر راجہ کو بچانے کے خیال سے پانی مین کودنا شروع کیا، اور کوشش کی کہ کسی صورت سے ہاتھی کو باہر نکالین، ہاتھی بڑی مشکل سے کنارے تک آیا، اور پھر زیادہ سختی کرنے پر وہین بیٹھ گیا۔

مسلمانون نے ہاتھی کا یہ حال دیکھا تو اس طرف جھک پڑے، اور تیرون کی بارش شروع کردی، محافظ فوج بھاگ گئی، اور راجہ تیرون سے زخمی ہوگیا، یہ دیکھ کر فیلبان ہاتھی کو ایک دفعہ

[1] ہندوستان مین سب سے پہلی دفعہ روغن نفت (آتشگیر مادہ) کا استعمال ہوا جس سے سندھی بالکل ناواقف تھے چچ نامہ

پھر باہر نکالنے کی کوشش کرنے لگا، اور اس دفعہ وہ کامیاب ہوگیا، لیکن ہاتھی باوجود کوشش کرنے کے بھی میدانِ جنگ کی طرف نہ گیا، بلکہ سیدھا قلعہ کی جانب روانہ ہوا۔

راجہ داہر کی موت

راجہ داہر نے دیکھا کہ جنگ اسی طرح جاری ہے، اور دونوں فوجین لڑکر تھک گئی ہین، اس کے جان نثار سپاہی اور بڑے بڑے سردار اور بہت سے قریبی رشتہ دار سب مارے گئے، اس سے اس کے دل مین غیرت پیدا ہوئی، اور ہاتھی سے اتر کر پاپیادہ شمشیر بکف لڑنا شروع کردیا، اس نے انتہا درجہ کی بہادری دکھائی، اور خوب لڑا۔ ۱۰ رمضان پنجشنبہ ۹۳ھ کا آخری وقت تھا، اور اب آفتاب غروب ہورہا تھا کہ راجہ داہر کے مقابل ایک عرب پہنچا، اور اس نے تلوار کا ایک ہاتھ ایسا بھرپور مارا کہ تلوار سر سے گردن تک کاٹ گئی، اور راجہ داہر کے اقبال کا آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔

عربون کی فتح

اس وقت میدانِ جنگ کی حالت بڑی خطرناک ہوگئی تھی، سندھیون نے ایک آخری حملہ اس شدت سے کیا کہ اگر عربون نے اس کو اپنی پوری قوت سے نہ روکا ہوتا، تو غالباً شکست یقینی تھی، عربون نے بڑی بہادری سے نہ صرف مدافعت کی، بلکہ پُرزور حملون سے سندھیون کو اس قدر مرعوب کردیا کہ میدان جنگ چھوڑ کر قلعہ راور کی طرف بھاگنے لگے،

راجہ کے وفادارون نے جب عماری خالی دیکھی تو گھبرائے، اور راجہ کو تلاش کرنے لگے تھوڑی دیر مین راجہ کی لاش مل گئی، انھون نے مصلحتِ وقت دیکھ کر بلا اطلاع پانی مین اس کی لاش چھپادی،

عام مسلمانون بلکہ سندھیون کو بھی اس کی خبر نہ تھی، لوگ بھاگے جارہے تھے، اور مسلمان تعاقب مین تھے، انھی مین سے قیس نامی ایک عرب تھا جس نے چند سندھیون کو گرفتار کرلیا اور قتل کا ارادہ ہی کررہا تھا کہ انھون نے کہا کہ ہمارا قتل اب بیکار ہے۔ راجہ مارا گیا، اور اب

ہم سب آپ کے تابعدار رعایا ہیں۔ قیس یہ سن کر سب کو سپہ سالار کے پاس لے چلا، ادھر وہ خواتین جو گرفتار ہوئی تھیں وہ بھی حاضر کی گئیں، ابن قاسم نے ان سے راجہ کا حال دریافت کیا، انھوں نے کہا کہ ہاتھی پر سے اتر کر اس کو ہم نے پیادہ پا لڑتے دیکھا، اس کے بعد کا حال معلوم نہیں،

محمد بن قاسم کے نزدیک داہر کی موت مشتبہ ہو گئی۔ اس لئے اس کو خدشہ ہوا کہ کہیں داہر نے مغالطہ تو نہیں دیا۔ اس لئے فوج میں یہ حکم گشت کرایا کہ داہر کی موت ابھی محقق نہیں ہوئی ہے، اس لئے ہوشیار رہو، ایسا نہ ہو کہ تم لوٹ مین مشغول ہو اور غنیم کسی طرف سے آپڑے۔

قیس نے جب یہ سنا تو جلد از جلد سپہ سالار کے پاس پہنچکر ان سندھیون کو راجہ داہر کی موت کے متعلق شہادت مین پیش کیا، محمد بن قاسم ان کو لے کر تالاب کے پاس پہنچا، اور لاش نکلوا کر سر کاٹ لیا گیا، اور ان خواصون سے اس کی تصدیق کرائی جو داہر کی عماری مین تھین اور گرفتار ہو گئی تھین، اس خبر کی تصدیق ہوتے ہی مسلمانون مین خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی، اور پرزور طریقے سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا، جس نے تمام فوج مین ایک نئی روح پیدا کر دی،

راجہ داہر کو کس نے مارا؟ صحیح طور پر محقق نہیں ہے، مگر مدائنی کی روایت ہے کہ بنی کلاب کے ایک بہادر فرد نے یہ عزت حاصل کی، چنانچہ اس نے فخریہ طور پر مندرجۂ ذیل اشعار کہے،

والخیل تشهد یوم داهر والقنا ... ومحمد بن القاسم بن محمد

انی فرجت الجمع غیر معرد ... حتی علوت عظیمهم بمهند

فترکته تحت العجاج مجدلا ... متعفر الخدین غیر موسد[1]

گھوڑے، نیزے، اور محمد بن قاسم بن محمد سب گواہ ہین کہ معرکہ داہر کے دن مین نے سب کو خوش کر دیا مین برابر لڑتا رہا اور میدان جنگ سے منہ نہ موڑا یہان تک ہندی تلوار دشمنون کے بادشاہ پر بلند کی

[1] بلاذری ص ۴۳۸ لیڈن،

"پس اسے مار کر گرا دیا، اس طرح کہ اس کے گال خاک کے رنگ مین رنگے تھے، اور کوئی تکیہ اس کے سر کے نیچے نہ تھا"[1]

دونوں حریف کے پاس مندرجۂ ذیل فوجیں تھیں

راجہ داہر کی فوج

جنگی ہاتھیون کا مقدمہ	۱۰۰
مسلح زرہ پوش	۱۰۰۰۰
پیادہ فوج	۳۰۰۰۰
جے سنگھ کی فوج	۱۰۰۰۰
کل فوج	۵۰۰۰۰
ٹھاکروں کی فوج	
مشرقی جاٹ	۱۰۰۰۰
کُل مجموعہ ساٹھ ہزار	۶۰۰۰۰

عربوں کی فوج

مصعب بن زبیر کے زیر کمان		۴۰۰۰
محمد ثقفی	″ جاٹ	۴۰۰۰
سلیمان قریشی	″ سوار	۶۰۰
عطیہ طفلی	″ ″	۵۰۰
ذکوان بکری	″ ″	۱۵۰۰
بنانہ بن حنظلہ		۱۰۰۰
نفت انداز		۹۰۰
موکا بن بسایا کی فوج		۳۰۰۰
کل مجموعہ تعداد عرب فوج		۱۵۵۰۰

منصور بن حاتم جو اسی عہد کا ایک شخص ہے، کچھ دنون کے بعد اس نے بھروچ مین داہر اور اس کے قاتل کی تصویر دیکھی ہے، اور قندابیل (گنداوی) مین بدیل بن طہفہ کی تصویر ہے جو محمد بن قاسم سے قبل مکران اور سندھ کی سرحد پر شہید ہوا تھا،

داہر پر حملہ محمد بن قاسم نے یکم رمضان سنہ ۹۳ھ سہ شنبہ کے دن سے لڑنا شروع کیا تھا، کل دس دن پڑا اور رہا، جس مین سات لڑائیاں ہوئین، پہلی دو جنگیں معمولی تھیں، اور چار دن جم کر لڑائی ہوئی،

[1] بلاذری ص ۴۳۸ ـ

اور پانچوین دن کی جنگ فیصلہ کن تھی،

یہ معصومی کی روایت ہے، لیکن چچ نامہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ داہر کی فوج سے کل سات لڑائیان جو ہوئین وہ مندرجہ ذیل مقام پر ہوئین۔

(۱) فتح نیرون، اور قلعہ سیستان کے بعد۔ دریاے سندھ کی ایک شاخ جو نیرون سے ہو کر گذری ہے، اس کے مغربی ساحل پر۔

(۲) کشتیون کا پل بنا کر جب عرب پار اترے ہین، تو جھم کی زمین پر ایک خون ریز معرکہ ہوا ہے جس مین راجہ راسل محافظ ساحل کو شکست ہوئی۔

(۳) مقام جیور کے پاس جھیل کینجھر سے متصل،

(۴) ۷ رمضان دوشنبہ کو جھیل کینجھر سے پار ہو کر دکری واہ "ندی کے کنارے" کانے ٹھاکر کے ساتھ ایک معرکہ ہوا جس مین عربون کی فتح ہوئی۔

(۵) ۸ رمضان منگل کے دن اسی مقام پر دوسرے دن ایک بہادر ٹھاکر سے عربی فوج جنگ آزما ہوئی، میدان عربون کے ہاتھ رہا،

(۶) کری واہ ندی عبور کر کے داہر کی فوج سے مقابلہ ہوا جس مین فتح و شکست کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا، یہ چہارشنبہ ۹ رمضان ۹۳ھ کا دن تھا۔

(۷) ۱۰ رمضان پنجشنبہ ۹۳ھ داہر کے ساتھ آخری جنگ ہوئی جس مین راجہ داہر مارا گیا۔ یہ جنگ راور کے قلعہ سے تھوڑے فاصلہ پر ہوئی۔

راجہ داہر جب مارا گیا، تو اس کے لڑکے جے سنگھ نے راور مین پناہ لی، اور داہر کی بہن رانی بائی بھی ہمراہ تھی (جس کو داہر نے جبراً رانی بنا لیا تھا) ان دونون نے مل کر فوجی تیاری شروع کر دی، اور قلعہ بندی کا سامان کرنے لگے۔ اس عرصہ مین شکست خوردہ فوج کے بقیہ کو

بھی آملے، جس سے ایک دوسرے کو بڑی تقویت پہنچی۔

سپہ سالار عرب کو جب یہ خبر ملی، تو اس نے راور کا محاصرہ سختی سے شروع کر دیا، ابھی تک وہ فصیل شہر سے دور تھا، اب خاص فصیل کے نیچے جا کر خیمہ زن ہوا، اور ہر طرف منجنیق قائم کر دی گئی، تاکہ شہر پناہ توڑ کر مسلمان داخل ہو جائیں،

اِدھر جے سنگھ بھی تیاری میں مصروف تھا، اس نے لوگوں کے سامنے ایک پرجوش تقریر کی اور کہا کہ بہادری کے ساتھ مر جانا اس قسم کی زندگی سے ہزار درجہ بہتر ہے :

وزیر سی ساکر نے جب یہ تقریر سنی، تو اس نے مشورہ دیا کہ اس قسم کے خیالی پلاؤ پکانے سے کوئی فائدہ نہیں، اس شکست اور راجہ کے مارے جانے کا بہت بُرا اثر اس طرف لوگوں پر پڑ چکا ہے، لوگ مرعوب ہو گئے ہین، اس لئے اس طرف جنگ کرنا بیکار ہے، بہتر ہے کہ آپ مع تمام لشکر کے برہمن آباد چلے جائیں، جو آپ کا اصلی وطن ہے، جہان کے لوگ آپکے ابھی تک وفادار ہین، وہان خزانہ اور غلہ ضرورت سے زیادہ موجود ہے، رعایا اور فوج دونوں آپ کا ساتھ دین گی،

جے سنگھ نے خاندان علافی کے سردار سے جب مشورہ کیا جس کی بہادری اور وفاداری پر جے سنگھ کو بڑا بھروسہ تھا، تو وزیر سی ساکر کی رائے سے اس نے بھی اتفاق کیا، چنانچہ جے سنگھ اپنے تمام معتمدین اور رشتہ دارون کے ساتھ راور سے نکل کر برہمن آباد کی طرف روانہ ہو گیا،

داہر کی بہن جس سے داہر نے شادی کر لی تھی یعنی رانی بائی کسی طرح جے سنگھ کے ساتھ جانے پر راضی نہ ہوئی، اس نے خود قلعہ کا جائزہ لیا، فوجون کو ترتیب دی، پندرہ ہزار جوان فوجی موجود تھے، شکستہ فوج کے بقیہ لوگ بھی آ کر مل گئے، ان مین سے ہر شخص لڑنے مرنے کو رانی کے ساتھ تیار ہو گیا۔

محمد بن قاسم جیسے ہی فصیل کے نیچے آیا، کہ ان لوگون نے بگل بجاکر لڑائی شروع کردی،
اور فصیل پر سے تیر اور پتھر وغیرہ برسانے لگے، سپہ سالارِ فوج نے بھی حملہ کا حکم دے دیا، اور
نقب زنون کو دیوار مین رخنہ ڈالنے کے لئے طلب کیا، فوج کو دو حصون مین تقسیم کیا، ایک
حصہ دن کو تیر اور پتھر وغیرہ کے ذریعہ جنگ کرتا، اور دوسرا حصہ رات بھر روغن نفت برسا کر
آگ لگاتا رہتا،

رانی ستی ہوگئی

چنانچہ چند ہی دن مین مسلسل سنگباری اور آتشبازی سے تمام برج گر گئے، اور اہلِ قلعہ
مین سخت تشویش پیدا ہوگئی، یہ دیکھ کر رانی بائی بہت گھبرائی، اور یہ محسوس کرکے کہ مین گرفتار نہ
کرلی جاؤن، اس نے اپنی سہیلیون کو جمع کرکے کہا کہ

"جے سنگھ ہمین چھوڑکر چلا گیا، اور عربون نے اس کا محاصرہ کرلیا ہے، اس وقت مجلد ہے
اس لئے مین نے تو ارادہ کرلیا ہے کہ چتا مین جل کر ستی ہوجاؤن"

اس رائے سے انھون نے نہ صرف اتفاق کیا، بلکہ ساتھ دینے کے لئے بھی آمادہ ہوئین،
چنانچہ ایک مکان مین چتا تیار کراکر سب اس مین کود پڑین، اور جل کر خاک ہوگئین،[1]

راوڑ کی فتح

اس واقعہ نے شہر مین بڑی مایوسی پیدا کردی، اور بڑی بے دلی کا اظہار ہونے
لگا، ادھر اسلامی فوج نے ایک زبردست حملہ کیا، دیوار توڑکر شہر مین گھس گئی، اور چھ ہزار
سپاہی کاٹ کر رکھ دئے، تیس ہزار قیدی گرفتار ہوئے جس میں سے تیس ٹھاکر کی لڑکیان
تھیں، جے سنگھ اگرچہ بہت کچھ یہان سے نکال لے گیا تھا، پھر بھی بے شمار مالِ غنیمت ہاتھ لگا،
قیدیون مین راجہ داہر کی بہن کی بیٹی بھی تھی۔ جو حسن وجمال مین بے نظیر تھی،

---

[1] تحفۃ الکرام مین ہے کہ جلکر ستی نہیں ہوئی بلکہ اسی سے محمد بن قاسم نے نکاح کرلیا، مگر کسی تاریخ سے اس کی
تائید نہیں ملی۔ بخلاف اس بیان کے جو متن مین ہے اور چچ نامہ سے ماخوذ ہے، بلاذری اس کا مؤید ہے،

شوال ۹۳ھ کے شروع مہینہ مین راجہ داہر کا سر، مالِ غنیمت کا پانچوان حصہ، اور اسیرانِ جنگ کعب بن محارق دیا قیس، کے معرفت حجاج کے پاس عراق روانہ کر دیئے گئے جسے دیکھ کر حجاج نے خدا کا بڑا شکریہ ادا کیا، پھر کوفہ کی جامع مسجد مین سب کو جمع کر کے فتح سندھ کی خوشخبری سنائی، اور لوگون کو جہاد پر آمادہ کیا، پھر راجہ داہر کا سر، چترِ شاہی اور دوسری چیزین پایہ تخت دمشق مین خلیفہ ولید بن عبدالملک کے پاس بھیج دین، ولید نے حجاج کا خط پڑھ کر خدا کا شکر ادا کیا، اور محمد بن قاسم کے حسن تدبیر کی تعریف کی، اسیرانِ جنگ کچھ فروخت کر دئے گئے، کچھ دربار کے لوگون مین تقسیم ہوئے، لیکن راجہ داہر کی بھانجی کو خلیفہ نے اپنے لئے مخصوص کرنا چاہا، کہ اسی درمیان مین عبداللہ بن عباس نے اس کی استدعا کی، ولید نے کہا کہ گو مین اس کا خود خواہان تھا لیکن اب مین آپ کو دیتا ہون، لیجائیے، تاکہ بچون کی مان بنے ہر چند تک ابن عباس کے پاس رہی مگر کوئی اولاد نہ ہوئی[1]

مژدۂ فتح کے جواب مین حجاج نے محمد بن قاسم کو جو خط تحریر کیا ہے، وہ مندرجہ ذیل ہے، وہ اس وقت اس کو ملا جب شہر راور مین اندرونِ فصیل خیمہ زن تھا:۔

"چچازاد بھائی! تمہارا پُرمسرت خط ملا، پڑھ کر بے انتہا محظوظ ہوا۔ یہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم جن اصولون پر عمل درآمد کر رہے ہو۔ وہ بالکل شرع کے مطابق ہین، لیکن سنتا ہوں کہ تم نے چھوٹے بڑے سب کو یکسان امان دے دی ہے۔ دوست دشمن مین کوئی تمیز نہیں کی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کافر جہان ملین قتل کر ڈالو، خوب یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کا حکم واجب العمل ہے امان دینے کے لئے اس قدر دریا دلی نہ کرو، اس طرح امان دینے سے آیندہ کی کارروائی رک جائے گی، حالانکہ تم اس کے ذمہ دار بنا کر بھیجے گئے ہو۔ آیندہ سوائے ذی عزت لوگوں کے

[1] چچ نامہ ص ۸۳

کسی دشمن کو پناہ نہ دینا، ورنہ تمہارے بے انتہا رحم کو لوگ کمزوری تصور کرین گے، اور تمہاری شوکت

جاتی رہے گی۔ حجاج بن یوسف ۹۳ھ ۔ کاتب نافع

ادھر جے سنگھ راور سے بھاگ کر برہمن آباد پہنچا، اور آس پاس کے تمام مددگارون سے امداد طلب

کی، اس کا ایک بھائی گوپی رائے قلعہ ارور مین رہتا تھا، دھر سنگھ کا لڑکا چچ جو اس کا بھتیجا تھا قلعہ

باتیا (بابیہ) کا مالک تھا، چندر کا بیٹا ڈھول اس کا چچازاد بھائی بدھیا اور قیقان کی حکومت رکھتا

تھا، ان سب کو اس نے خطوط لکھ کر داہر کی موت سے آگاہ کیا، اور مستقبل کے متعلق ان سے مشورہ

طلب کیا، اس سے فارغ ہو کر اس نے لڑائی کی تیاری شروع کر دی،

قلعہ بہرور وغیرہ کی فتح

محمد بن قاسم کو بھی اس کی خبر ہو گئی، ماہ شوال ۹۳ھ مین اس نے بھی برہمن آباد کی طرف پیشقدمی شروع کر دی، راستہ مین دو قلعے تھے، بہرور اور دہلیلا، اس مین سولہ ہزار سپاہی موجود تھے، ان کو فتح کئے بغیر برہمن آباد پہنچنا بہت دشوار تھا، اس لئے پہلے بہرور کا محاصرہ کر لیا، لیکن یہان کے لوگون نے دو ماہ تک کافی مقابلہ کیا، محمد بن قاسم نے یہ دیکھ کر فوج کے دو حصے کئے، ایک حصہ دن کو جنگ کرے، اور دوسرا رات کو، روغنِ نفت کی پچکاریان اس کثرت سے ماری گئیں کہ بہت کم لوگ اس کی زد سے محفوظ رہے، منجنیق نے قلعہ کی دیوارون مین جگہ جگہ رخنے ڈال دئے، آخر عربون نے ایک پُر زور حملہ کر کے قلعہ فتح کر لیا،

دہلیلہ کی فتح

دہلیلہ والون کو جب اس کی خبر ہوئی تو تاجر پہلے ہی وہان سے نکل گئے، لیکن فوجی لوگون نے بڑی ہوشیاری سے قلعہ بندی کی، اور ہر طرح سے مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے، محمد بن قاسم بھی ذوالحجہ ۹۳ھ مین آ پہنچا، اور دو ماہ تک محاصرہ کئے پڑا رہا، قلعہ والون کو جب مایوسی ہوئی تو کفن پہن کر اپنے بدن کو معطر کیا، اور رات کی تاریکی مین اہل و عیال کو پل کے سامنے والے قلعہ مین بھیجدیا، اور

---

[1] برہمن آباد آج کل ضلع نوابشاہ تعلقہ سجھوڑو مین واقع ہے، راجہ دلورائے کے عہد میں تباہ ہو گیا، آج کل ویران پڑا ہے،

خود" ہنوک ندی" پار ہوکر بھاگ گئے، صبح کو جب سپہ سالار کو خبر ہوئی تو تعاقب مین چند سپاہی بھیجے، جنھون نے بعض کو گرفتار کر کے قتل کر ڈالا، جو لوگ ندی عبور کر کے بچ گئے وہ کچھ تو ہندوستان پہنچے اور کچھ رامل (رن مل) کے ملک مین چلے گئے،[1] اور بعض دیوراج کی سرحد مین پناہ گزین ہوئے،[2]

دیوراج راجہ داہر کے چچا کا بیٹا تھا، اور علاقہ "سیر" پر قابض تھا، جب یہ حالات محمد بن قاسم کو معلوم ہوئے تو ماہ صفر ۹۲ھ مین بلا تکلف وہ قلعہ پر قابض ہوگیا، یہان مستقل طور پر کچھ دنون اس نے قیام کیا، تاکہ اندر اور باہر کا معقول انتظام کرے، پھر اس نے حجاج بن یوسف کو ایک خط مین تمام فتوحات کی تفصیل لکھی، اور مالِ غنیمت کا پانچوان حصہ دربارِ خلافت مین روانہ کیا۔

محمد بن قاسم نے جہان بہت کچھ جدید انتظامات کئے وہان سب سے بڑا اور اہم یہ کام کیا کہ اضلاعِ سندھ کے بڑے بڑے زمیندارون کو تبلیغِ اسلام کے لئے خطوط بھیجے، اور اسلام نہ قبول کرنے کی صورت مین اطاعت اور ادائیگی خراج کی طرف توجہ دلائی، ان مین سے بعض نے اسلام قبول کیا، اور بعض نے خراج دینے پر رضامندی ظاہر کی،

اس قسم کے خطوط کا حال جب وزیر سی ساکر نے سنا تو اپنے چند معتبر آدمی محمد بن قاسم کے پاس روانہ کئے، تاکہ اس کے لئے امان کا فرمان حاصل کرے، محمد بن قاسم نے بڑی فیاضی سے اس کی استدعا قبول کی، اور اطمینان ہوجانے پر وزیر، عربی سپہ سالار کے خیمہ کی طرف روانہ ہوا، محمد بن قاسم نے اس کے استقبال کے لئے ایک معزز افسر کو بھیجا، جب دربار مین آیا تو اس کو عزت کے ساتھ اپنے سامنے بٹھلایا، اور ہر قسم کی رعایت اس کے ساتھ مدنظر رکھی، سی ساکر نے بھی ان عورتون کو پیش کیا، جو لنکا سے جہاز پر روانہ ہوکر بندر دیبل پر لٹ گئی تھیں، اور جن کے سبب سے حجاج بن یوسف کو سندھ پر حملہ کرنا ضروری معلوم ہوا، غالباً وزیر نے آج ہی کے دن کے لئے ان کو بحفاظت تمام رکھ چھوڑا

---

[1] رامل (یا رن مل) کے ملک سے غالباً وہ حصہ مراد ہے جو ریگستان سے متصل ہی، [2] چچ نامہ قلمی ص۔

تھا[1] محمد بن قاسم اس سے بہت خوش ہوا، ان عورتون کو تو عرب بھیج دیا، اور سی ساگر کو راے ڈاہر کی طرح اس نے بھی اپنا وزیر بنا لیا، اور کچھ دنون کے بعد وہ اس قدر معتمد ہو گیا کہ کوئی سیاسی کام بغیر اس کے مشورہ کے انجام نہ پاتا، سی ساگر بھی سپہ سالار کا بے حد ممنون ہوا، اور اس کی منصف مزاجی کا گیت اکثر گایا کرتا۔ محمد بن قاسم نے چار ماہ فوج کو آرام دیا، اس کے بعد کوچ کا حکم سنایا،

برہمن آباد پر حملہ | جمادی الاولی ۹۳ھ مین اب عربی فوج برہمن آباد کی طرف روانہ ہوئی، اور قلعہ دہلیلہ کا ناظم دھارن کے بیٹے نوبہ کو بنایا جس نے حلف وفاداری سے تجدید معاہدہ کیا، قلعہ دہلیلہ مع مضافات اس کے سپرد ہوا، ساحلی کشتی کا انتظام مقام "دوھاٹیہ" تک اسی کے ماتحت ہوا، یہ مقام برہمن آباد سے تین میل کے فاصلہ پر تھا۔

میدان جنگ سے اس قدر قریب ایسا اہم عہدہ ایسے شخص کو سپرد کرنا جس کے متعلق سپہ سالار کو کسی قسم کا کوئی تجربہ نہ تھا میرے خیال مین وزیر سی ساگر کے مشورہ سے ہوا۔ برہمن آباد مین جے سنگھ ہر قسم کا فوجی انتظام کرنے مین مشغول تھا، اس وقت وہان چالیس ہزار فوج موجود تھی، اس نے ۱۶ بہادر آدمی منتخب کئے، ان مین سے چار کو شہر کے چار دروازون پر حفاظت کے لئے مقرر کیا اور باقی کو دوسرے کام سپرد کر کے بااختیار افسر بنایا، اور اس کے بعد وہ خود وہان سے نکل کر "چنیسر" چلا گیا، جو علاقہ بابیہ مین شامل تھا، ان چار مین سے ایک دروازہ کا نام "جوتیری دروازہ" تھا، اس پر غالباً ایک افسر کے ماتحت چار سندھی جوان حفاظت کر رہے تھے، ان مین سے ایک کا نام بھارند، دوسرے کا ساتیا، تیسرے کا مالیا، اور چوتھے کا سالیا تھا،

---

[1] مصنف چچ نامہ نے اس سے قبل فتح دیول کے وقت بھی ذکر کیا ہے۔ کہ لنکا کے مسلمان قیدی مل گئے لیکن اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک عورتیں نہیں ملی تھیں، اب وزیر کے ذریعہ وہ عورتیں ملین جو لنکا سے عرب جارہی تھیں جنھون نے گرفتاری کے وقت حجاج کے نام سے فریاد کی تھی۔

سپہ سالار برہمن آباد پہنچکر مشرقی دیوار کے نیچے نہر" جل والی" کے کنارے فروکش ہوا، اس نے برہمن آباد کے قلعہ مین ایک معتبر قاصد روانہ کر کے یہ پیغام دیا کہ

"یا تو مسلمان ہو جاؤ، ورنہ اطاعت قبول کر کے خراج ادا کرو، انکار کی صورت مین تلوار ہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والی ہے"

جے سنگھ وہان سے نکل جا چکا تھا، ان کے ماتحت افسر اپنی رائے سے کیا کر سکتے تھے مجبوراً قاصد نامراد واپس آئے، اور چونکہ جنگ یقینی تھی، اور طولِ محاصرہ کا خوف تھا، اس لئے اپنی فوج کے گرد اس نے خندق کھدوائی، اور دوسرے جنگی انتظامات سے فارغ ہو کر اس نے جنگ شروع کردی، یہ واقعہ یکم رجب ۹۲ھ یوم شنبہ کا ہے،

اہلِ قلعہ روزانہ باہر نکل کر شام تک مقابلہ کرتے، اور واپس ہو جاتے، اس طرح سے جنگ نے اس قدر طول پکڑا کہ اس کو چھ مہینے ہو گئے، اور قلعہ کسی صورت سے فتح نہیں ہوا،

آخر ماہ ذوالحجہ یکشنبہ ۹۲ھ مین خود جے سنگھ بھی آپہنچا، عربون کے محاصرہ کے سبب نہ تو قلعہ کے اندر جا سکا، اور نہ کسی قسم کی امداد دے سکا، مگر اس نے یہ کیا کہ عربی لشکر کے لئے سامانِ رسد آنے کا راستہ روک لیا، اور عربی لشکر سے تھوڑے ہی فاصلہ پر اس نے اپنا پڑاؤ بھی ڈال دیا، اس سے عربی لشکر مین بڑی پریشانی پھیل گئی، اس وقت محمد بن قاسم نے اپنے وفادار حلیف موکا کو طلب کیا، اپنی پریشانی اور واقعات سے اس کو آگاہ کر کے مشورہ طلب کیا، اس نے کہا کہ سب سے بہتر تدبیر تو یہ ہے کہ جے سنگھ پر فوراً حملہ کر دیا جائے، محمد بن قاسم نے اس صائب رائے پر اس طرح عمل کیا کہ بنانہ بن حنظلہ کلابی، عطیہ ثعلبی، صارم بن ابو صارم ہمدانی اور عبد الملک مدائنی جیسے نامور سردارون کو ایک فوج دے کر جے سنگھ کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا، اور ان پر موکا اور جذیم بن عمر الدیھی دیا (جذیم بن عمرو الموسی) کو افسر اعلیٰ بنایا،

جے سنگھ کا فرار جے سنگھ یہ معلوم کرتے ہی کہ عربی فوج حملہ آور ہونے کو آرہی ہے، اہل وعیال کو لے کر بھاگ کھڑا ہوا، جنگل، عوارہ اور کایا کے ریگستان کو طے کرکے جے پور[۱] کے حدود میں پہنچا، اس وقت تک محمد علافی اس کے ساتھ تھا، مگر اب آگے جانا اس نے بھی مناسب نہ سمجھا، اور اسی جگہ اس نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا، جے سنگھ نے یہاں سے اپنے بھائی گوپی کو خط لکھا، کہ میں سلطنت سے دستبردار ہوں، مگر تم قلعہ اروڑ کی پوری ہمت سے حفاظت کرنا۔[عہ]

جے سنگھ یہاں بھی نہ ٹھہرا اور سیدھا کشمیر پہنچا، اس نے راجہ کو اطلاع دی کہ میں بخوشی آپ کی مہربانیوں کا امیدوار بن کر آیا ہوں، دربار میں حاضر ہونے کی اجازت دی جائے، چنانچہ اس کو اس کی اجازت مل گئی، اور وہ پایۂ تخت کشمیر میں پہنچ گیا۔

جے سنگھ کی جاگیر جے سنگھ پہلی مرتبہ جب دربار میں پہنچا، تو اس کو راجہ کشمیر نے پچاس گھوڑے مع ساز و سامان اور دو سو قیمتی جوڑے اس کے ساتھیوں کو دیئے، اور علاقہ "شاکلہا" بطور جاگیر مرحمت ہوا، جے سنگھ نے اسی وقت حمیم بن سامہ شامی کو اس پر قبضہ کرنے کے لئے روانہ کر دیا، جو محمد علافی کے ساتھ چھوڑ دینے کے باوجود اس وقت تک وفاداری کے ساتھ جے سنگھ کے ہمراہ تھا۔

جے سنگھ جب دوبارہ دربار میں حاضر ہوا، تو عزت کے ساتھ اس کا استقبال ہوا، کرسی اور چتر کے علاوہ دیگر بیش قیمت تحفے بھی اس کو دیئے گئے، اور شان و شوکت کے ساتھ اس کو اس کی جاگیر پر روانہ کر دیا گیا، جے سنگھ اس گوشۂ عافیت میں عمر بھر آرام رہا، اس کی وفات پر لاولد ہونے کے باعث حمیم شامی اس جاگیر پر قابض رہا،[۲] وہاں اس نے مسجدیں بنوائیں، اور دیگر عمارتیں تعمیر کرائیں۔

عہ چچ نامہ صفحہ ۸۶ ۔ ۱ے جے پور سے مراد آج کل کا جے پور نہیں ہے جیسا کہ اوپر گذرا، یہ جے پور محمود غزنوی کے عہد تک آباد تھا، فرخی کا دیوان ص ۲۶ لیدن ۔ ۲ے یہ چچ نامہ (ص ۸۶) کی روایت ہے، بلاذری میں آگے چل کر جے سنگھ کے برہمن آباد واپس آنے کا حال لکھا ہے جس سے معلوم ہوا کہ وہ مرا نہیں بلکہ جب سندھ میں بدنظمی شروع ہوئی تو اپنی جاگیر حمیم شامی کے سپرد کرکے برہمن آباد واپس آگیا۔

اور راجہ کشمیر نے کبھی کسی قسم کی مداخلت نہیں کی، یہ جاگیر مصنف چچ نامہ کے عہد تک اسی شاہی خاندان کے قبضہ میں تھی، جنرل کننگھم کی تحقیقات کے بموجب اسی علاقہ کا موجودہ نام "کلور کہار" ہے جو کوہستان نمک میں واقع ہے، اور آج تک کشمیر کی سرحد میں سمجھا جاتا ہے،

برہمن آباد کی فتح

جے سنگھ جب برہمن آباد سے چلا گیا، تو قلعہ والے کچھ دنوں تک برابر مقابلہ کرتے رہے، اور آخر کار مایوسی ان پر طاری ہوگئی، اور انجامِ کار سوچنے لگے، چنانچہ چار معزز شہریوں نے "جوتیری" دروازہ کے پاس جمع ہوکر یہ مشورہ کیا کہ ہم میں اب مقابلہ کی تاب نہیں ہے، اس لئے اگر فوجی لوگوں کو شکست ہوگی جس کا یقین ہے تو پھر ہم میں سے کسی کے جان و مال کی خیر نہیں ہے اس لئے بہتر ہے کہ محمد بن قاسم سے کسی قسم کا معاہدہ کرلیں،

چنانچہ ایک قاصد کے ذریعہ محمد بن قاسم سے یہ معاہدہ کیا کہ ایک دن ہم لوگ باہر نکل کر بظاہر جنگ کریں گے لیکن فوراً ہی پسپا ہوکر داخل قلعہ ہوجائیں گے، اور دروازہ کھلا چھوڑ دیا جائے گا" تم لوگ تعاقب کرتے ہوئے قلعہ میں پہنچ جانا،

محمد بن قاسم نے اہل الرائے کو جمع کرکے مشورہ کیا، موکا نے کہا کہ "یہ قلعہ بڑا مضبوط قلعہ ہے اگر یہ فتح ہوگیا تو دوسرے قلعہ والے بڑی آسانی سے مطیع ہوجائیں گے"، لوگوں نے بھی اس کی تائید کی، مگر محمد بن قاسم کی اولوالعزم طبیعت اس بزدلاپن سے فتح کرنے کو کسی طرح قبول نہیں کرتی تھی، اس لئے اس نے ایک نیا راستہ اختیار کیا، قاصد کو جواب دیا کہ تمہاری درخواست منظور ہے، تمام غیر فوجی شہری کو امان ہے، مگر حملہ کی کوئی تاریخ ابھی میں نہیں مقرر کرتا، بعد کو اطلاع دوں گا، پھر اس نے تمام حالات سے حجاج بن یوسف ثقفی کو اطلاع دی جس کے جواب میں حجاج نے لکھا کہ "ان لوگوں سے معاہدہ کرلو، اور جو معاہدہ کرو، اس کو پورا کیا کرو"، سپہ سالار نے قلعہ کے شرفاء کو ایک خاص دن سے آگاہ کردیا، اس دن اہلِ شہر نکل کر لڑے اور پھر بھاگ کر

قلعہ مین آ گئے، عربی فوج تعاقب کرتی ہوئی قلعہ مین داخل ہو گئی[1]

عربی فوج تمام فصیل پر قابض ہو گئی، اور پھر شہر کی سڑکون کی طرف بڑھی، اس وقت تک قلعہ کے فوجی لوگون کو اس کی اطلاع نہ تھی، مسلمانون نے نعرۂ تکبیر سے اپنی موجودگی کا ثبوت دیا، قلعہ والے بڑی بدحواسی سے مختلف دروازون سے بھاگ نکلے،

محمد بن قاسم نے یہ حکم جاری کر دیا کہ سوائے اس شخص کے جو مقابلہ پر آمادہ ہو کسی کو قتل نہ کیا جائے، چنانچہ تمام مسلح اشخاص گرفتار کر کے محمد بن قاسم کے سامنے پیش کئے گئے، جنھون نے اطاعت قبول کر لی، نہ صرف ان کو چھوڑ دیا گیا، بلکہ اہل وعیال کے علاوہ مال واسباب بھی واپس کر دیا گیا،

رانی لاڈی | برہمن آباد ہی مین راجہ داہر کی رانی لاڈی بھی تھی، جو راجہ کے قتل کے بعد اسی جگہ مقیم ہو گئی تھی، اس نے اپنے شہر اور عزیز واقربا کو چھوڑ کر کسی جگہ جانا پسند نہیں کیا تھا، اس کا خیال تھا کہ جس قدر ممکن ہوگا حفاظت اور مدافعت سے کام لون گی، اور مسلمانون کے فتح کر لینے پر چتا مین جل کر اپنے کو فنا کر دون گی، اس لئے اس نے برہمن آباد پہنچکر اپنا خزانہ نکالا، اور اس سے سپاہی تیار کئے، اور اس طرح ایک چھوٹی سی فوج مرتب کر لی جس سے اس نے ایک دروازے کی حفاظت کا کام لیا، لیکن اتفاق دیکھو کہ قلعہ پر اچانک مسلمانون کا قبضہ ہو گیا، اور اس کو خبر بھی نہ ہونے پائی، اور دوسرون کی طرح یہ بھی گرفتار کر کے محمد بن قاسم کے سامنے لائی گئی، سپہ سالار کو جیسے ہی اس کا علم ہوا، فوراً حکم دیا کہ عزت کے ساتھ پردہ مین ان کو الگ رکھا جائے،

کہا جاتا ہے کہ قیدیون کی تعداد جو صرف بیت المال کے لئے پانچوان حصہ الگ کیا گیا، بیس ہزار تھی، اس کے علاوہ باقی فوجیون پر تقسیم کر دئے گئے، مگر تحقیقات کے بعد یا کسی صورت سے جب یہ پتہ چل گیا کہ یہ لوگ غلطی سے گرفتار ہوئے تو ایسے تمام لوگون کو رہا کر دیا گیا، البتہ مسلح

[1] چچ نامہ ص ۱۷۸

فوجی غنیم تقریباً چھ ہزار مقتول ہوئے۔

رانی لاڈی کے متعلق ایک دوسری روایت چچ نامہ میں یہ درج ہے کہ محمد بن قاسم نے فتح کے بعد راجہ داہر کے رشتہ دارون کو تلاش کرایا، مگر کچھ پتہ نہ چلا، (غالباً خوف سے چھپ گئے ہوں گے) وہ مایوس ہو چکا تھا کہ دوسرے دن برہمنون کی ایک بڑی تعداد بھدرہ کرا کر محمد بن قاسم کے سامنے حاضر ہوئی، اس نے ان کی وضع قطع کو دیکھا، اور پھر گھبرا کر پوچھا کہ تم لوگ کس فوج سے تعلق رکھتے ہو، انھون نے کہا کہ ہم لوگ فوجی نہیں ہین، بلکہ برہمن ہین، اور راجہ کے یہان ہم لوگ نوکر تھے، اب وہ مر گیا تو ہم لاوارث ہو گئے، کوئی ہمارا پرسان حال نہیں، اس لئے ہم حاضر ہوئے ہین کہ اب آپ اس ملک کے حاکم ہوئے ہین، تو اپنی اطاعت اور وفاداری کا یقین دلائیں، اور جو حکم ہو اس کو بجا لائیں، سپہ سالار نے کہا کہ تم سب کو اس شرط پر امان دون گا کہ داہر کے رشتہ دارون کو حاضر کر دو، چنانچہ انہی برہمنون نے رانی لاڈی کو لا کر اس کے سامنے کھڑا کر دیا،[1]

رانی لاڈی جب گرفتار ہوگئی تو محمد بن قاسم نے سیاسی مصلحت کی بنا پر اس سے نکاح کر لینا زیادہ مناسب سمجھا، چنانچہ اس کی اطلاع حجاج بن یوسف ثقفی کو دی گئی، حجاج نے یہ عرضی خلیفہ ولید بن عبدالملک کی خدمت مین دمشق بھیج دی :

غور و فکر کے بعد ولید نے بھی سیاسی مصلحت کی بنا پر اس کو قبول کر لیا، محمد بن قاسم کو جب یہ اجازت مل گئی تو اس نے رانی لاڈی کو خرید لیا اور پھر آزاد کر کے شادی کر لی،[2]

رانی لاڈی کے متعلق چچ نامہ مین ایک اور روایت ہی، کہ قلعہ راور کے پاس جب جنگ میں راجہ داہر مارا گیا، تو اس وقت رانی لاڈی گرفتار ہوئی، محمد بن قاسم نے اس سے شادی کر لی، جب ایک لڑکے کی ماں ہو گئی، تو اس سے لوگون نے دریافت کیا، کہ تم کو کس طرح گرفتار کیا گیا؟ اس نے کہا کہ

---

[1] چچ نامہ ص ۸۸ [2] ، ص ۸۸

جب راجہ داہر جنگ میں جانے لگا تو اس نے ہر ایک رانی کو ایک ایک محافظ کے سپرد کر دیا، اور کہا کہ اگر میں مارا جاؤں تو ان سب رانیوں کو تم قتل کر ڈالنا چنانچہ جب راجہ کے مرنے کی خبر معلوم ہوئی تو میرے محافظ نے بھی مجھے قتل کرنے کا ارادہ کیا مگر میں نے اپنے آپ کو اونٹ پر سے نیچے گرا دیا، اور جنگ کی صفوں میں گھس گئی میرے محافظ کی ہمت نہ پڑی کہ میرے پیچھے آئے، اس لئے میرے محافظ بھاگ گئے اور میں گرفتار ہو گئی،[۱]

اگرچہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو صحیح ماننے کی میرے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، مگر عقلی طور پر دوسری روایت مجھے صحیح نظر نہیں آتی، کیونکہ یہ صحیح نہیں ہے کہ باقی رانیاں قتل کر دی گئیں، حالانکہ رانی بائی قلعہ اروڑ میں زندہ تھی، جو میدانِ جنگ ہی سے بھاگ کر قلعہ میں پناہ گزین ہوئی تھی، اور وہ اسی قلعہ میں چتا پر جل کر مر گئی، چنانچہ اس روایت کی تصدیق بلاذری سے بھی ہوتی ہے، اس نے لکھا ہے کہ

"راور بزور بازو فتح کیا گیا۔ اور وہیں راجہ داہر کی بیوی موجود تھی۔ وہ گرفتاری کے خوف سے مع اپنی لونڈیوں اور مال کے آگ میں جل مری۔"[۲]

ملکی انتظام

اب محمد بن قاسم ضلع برہمن آباد کے انتظام میں مشغول ہو گیا، ملکی انتظام کے بعد مالی امور کی طرف متوجہ ہوا، جو لوگ مسلمان ہو گئے، ان کے حقوق عرب مسلمانوں (فاتح قوم) کے مساوی سمجھے گئے، اور جن کو اس طرف رغبت نہ ہوئی تو مندرجۂ ذیل طریقہ سے جنگی ٹکس (جزیہ) ان سے وصول کیا گیا،

(۱) مالدار اور دولت مندوں سے فی کس ۴۸ درہم سالانہ (تقریباً ۱۲ روپئے)

(۲) متوسط طبقہ والوں سے ۲۴ درہم (تقریباً ۶ روپئے سالانہ)

(۳) اور کم حیثیت لوگوں سے ۱۲ درہم سالانہ (یعنی ۳ روپئے)

---

[۱] چچ نامہ ص ۹۷، [۲] بلاذری ص ۴۳۹ لیدن۔

ان حالات سے متاثر ہو کر کچھ لوگ بعد کو بھی مسلمان ہو گئے، باقی لوگوں سے بھی فیاضانہ سلوک کیا گیا، چنانچہ کسی شخص کی کوئی جائداد ان سے جبراً نہیں لی گئی، یہاں تک کہ برہمنوں کے جو حقوق سلطنت کی طرف سے تھے، وہ بھی تسلیم کئے گئے، اور خاص سرکاری مالگزاری میں سے ایک رقم سالانہ (غالباً وظیفہ کی شکل مین) مقرر کردی گئی، ایک لاکھ بیس ہزار درہم ان دس ہزار شہریون کو دئے گئے جن کا مال جنگ مین لٹ گیا تھا، تاکہ وہ اپنا حال درست کرلین[1]۔

قلعہ کا یہ انتظام کیا کہ ہر دروازہ پر ایک فوج مقرر کردی جس کا افسر برہمن تھا، ان افسرون کی بڑی عزت افزائی کی گئی، ان کو ایک گھوڑا مع ساز و براق کے عنایت ہوا، سندھی رسم کے مطابق ان کے ہاتھون اور پاؤن مین سونے کے کڑے پہنائے گئے، اور دربار عام مین ان کے لئے کرسی رکھی گئی، مالگذاری وصول کرنے کے لئے بھی بطور عامل کے یہی برہمن مقرر ہوئے، ان کو ہدایت کی گئی کہ

"جہان تک ممکن ہو رعایا پر جبر وظلم نہ کرین، ان کی طاقت سے زیادہ محصول، لگان، جزیہ نہ وصول کیا جائے، ہمیشہ آپس مین اتفاق رکھین اور رعایا کے لئے جو بات مفید ہو اس کی اطلاع دین، تاکہ اس پر عمل درآمد کیا جائے۔

جس شخص کو جس عہدہ پر مقرر کیا، موروثی طور پر مامور کیا گیا، ان سے کہا گیا کہ

"رعایا اور حاکم کے درمیان اچھے تعلقات قائم کرنا تمہارا فرض ہے، اس کی ادائگی مین اگر تم کو کوئی نقصان پہنچائے تو سلطنت ہر طرح سے تمہاری حمایت اور امداد کے لئے تیار ہے"

ان احکامات سے عام برہمنون مین خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی، اور وہ خود تمام ملک مین پھیل گئے اور گاؤں گاؤں پہنچکر لوگون کو اطاعت کا سبق دینے لگے۔

انھون نے کہا کہ

---

[1] چچ نامہ ص ۸۹

"ہماری سلطنت تباہ ہوگئی اور فوجی طاقت جاتی رہی۔ اب ہم مین مقابلہ کی تاب نہیں ہے
یقیناً ہم گھر سے نکال دئے جاتے اور تمام جائداد ون سے محروم ہوتے، فقط حاکم قوم کی مروت
اور عدل و انصاف سے ہم اس وقت بھی معزز عہدون پر ہین، اور ہر چیز ہمارے ہاتھ مین ہے
اب صورت یہ ہے کہ یا تو ہم لوگ اہل وعیال کو لے کر ہندوستان ہجرت کر جائیں، ایسی صورت مین
ہم لوگ بالکل مفلس ہو جائیں گے، کیونکہ تمام جائدادین اسی جگہ چھوڑنی پڑین گی۔ اور یا پھر مطیع
رہ کر جزیہ ادا کرین اور آرام وعزت سے زندگی بسر کرین"

اس تقریر سے تمام رعایا جزیہ ادا کرنے پر رضامند ہوگئی، اور جوق جوق لوگ آکر اس کے متعلق
ہدایات لینے لگے،

محمد بن قاسم نے اس کے علاوہ شہر اور گاؤن کے معززین کو فرداً فرداً بھی طلب کرکے ہر طرح
سے اطمینان دلایا اور تسلی دی کہ تمہاری فریاد ہر طرح سے سنی جائے گی، اور تمہارا مشورہ قبول کیا جائیگا

برہمن آباد مین ایک بڑا عالیشان مندر تھا، جہان بکثرت پجاری رہتے تھے، جب یہ فتح ہوگیا،
تو قوانین جنگ کے مطابق ہر چیز پر پہرہ لگ گیا، اور لوگ اس قدر خوفزدہ ہوگئے کہ مندر مین آنا
جانا بند ہوگیا، اس کے باعث مندر کے پجاری، مہنت اور دیگر خدام جن کا گذارہ اسی مندر کی بدولت
تھا، فاقہ زدہ ہوگئے، اور حیران و پریشان تھے، اس درمیان مین ان کو معلوم ہوگیا، کہ محمد بن قاسم
بڑا رحمدل انسان ہے، اس سے ان کو جرأت ہوئی، اور سب اس کے مکان پر پہنچ اور دہائی دینے لگے
سپہ سالار کے دریافت کرنے پر انھون نے اصل حقیقت سے آگاہ کیا، اور درخواست کی
کہ مندر مین آنے جانے کی اجازت دی جائے، اور خوفزدہ لوگون کو مطمئن کردیا جائے، اس نے ہندوؤن
سے اس معاملہ مین مشورہ لیا، انھون نے بھی واگذاشت کرنے کا مشورہ دیا، لیکن بت پرستی اسلام
مین ناجائز اور حرام ہے، اس لئے ان کو اجازت دینے مین متردد ہوا، اور یہی رائے سے اس معاملہ

میں کچھ کرنا اس نے پسند نہ کیا،

اس نے اس کے متعلق تمام حقیقت لکھ کر حجاج بن یوسف کے پاس عراق روانہ کردی، اور جواب کا منتظر رہا، برہمن آباد کے تمام امور مالی اور ملکی انتظام سے فارغ ہوکر اس نے کوچ کر دیا، ابھی ایک ہی منزل گیا ہوگا کہ حجاج کا جواب آگیا، اس نے لکھا تھا:۔

"تمہارا خط ملا، مضامین سے آگاہی ہوئی، برہمن آباد کے ہندو ملتجی ہیں کہ مندر کو آباد رکھنے اور اپنے آبائی مذہب پر عمل درآمد کی اجازت دی جائے، جب وہ لوگ ہماری اطاعت قبول کرکے جزیہ ادا کرتے ہیں تو پھر ان کے مذہب یا خانگی معاملات میں ہم کو دخل دینے کی ضرورت نہیں ہے، ان کی جان کی حفاظت ہمارا فرض ہے۔ اور ان کے مال پر کوئی شخص دست اندازی نہ کرے، کیونکہ وہ سب ہماری حمایت اور پناہ میں ہیں[1]"

اس خط کے ملتے ہی اس نے وہاں قیام اختیار کیا اور برہمن آباد کے معززین شہر اور پجاریوں کو بلا کر اطلاع دی کہ مندر میں ہر شخص بلا خوف وخطر اپنے آبائی مذہب کے مطابق عبادت کر سکتا ہے، اور کسی کو اس کام سے روکا نہ جائے گا، اس فرمان سے تمام لوگ مطمئن ہوگئے، اور مندر آباد ہوگیا، چلتے وقت معززین شہر کو بھی نصیحت کی، کہ مندر کی خدمت کرتے رہو، اور پجاریوں کو دستور قدیم کے مطابق ان کے نذر ونیاز قائم رکھو، آپس میں اتفاق رکھو، اور مسلمانوں کے ساتھ بلا تعصب مل کر رہو، تاکہ ملک میں امن رہے اور فساد نہ ہو،

پھر ان لوگوں سے جو تحصیل خراج کے لئے مقرر تھے، مخاطب ہوکر کہا کہ خراج میں سے تین فی صدی علیحدہ کر لیا کرو، اور وہ ان برہمنوں کو دو، جو مدد کے محتاج ہیں، اگر سال کے آخر میں کچھ بچت ہو تو سرکاری خزانہ میں داخل کیا جائے، اور اس بات کی بھی ہدایت کی کہ معززین اور عہدداروں

[1] چچ نامہ ص ۹۰

کو بھی بوقت ضرورت مدد دی جائے، اور سرکاری خزانہ سے باقاعدہ ان کی تنخواہ مقرر کر دی جائے (غالباً اس وقت تک تنخواہ ماہانہ کا دستور نہ تھا، بلکہ سالانہ کمیشن ملتا تھا) ان امور پر جو عہدنامہ میں سپہ سالار کی طرف سے لکھے گئے تمیم بن زید القیسی، اور حکم بن عوانہ کلبی ذمہ دار قرار دئے گئے،

یہ دیکھ کر کہ برہمنوں نے اپنے تمام حقوق حاصل کر لئے ہین، پیروان بدھ بھی اٹھ کھڑے ہوئے، اور اپنے مذہب کے مطابق ان کے علما (بھیا بھونگی) نے بھی ہر در پر مانگنے کا حق حاصل کر لیا،

سپہ سالار کی اس قدر رحم دلی سے شاید ہی کوئی طبقہ ایسا ہوگا، جس نے فائدہ نہ اٹھایا ہو، چنانچہ ملک کا سیاسی طبقہ بھی کسی سے پیچھے نہ رہا، اور اس نے یہ درخواست کی کہ برہمن آباد کا ملکی انتظام بھی ہمارے ہی ہاتھ مین دے دیا جائے، محمد بن قاسم نے اس کو بھی منظور کر لیا، اور تمام سرکاری عہدہ دار الگ کر کے ملک کا انتظام ملک ہی والون کے سپرد کر دیا گیا، اور ان افسرون کو اس نے رانا کا خطاب دیا،

اس انتظام کے بعد محمد بن قاسم نے وزیر سی ساکر اور موکا کو طلب کیا، اور دریافت کیا کہ رائے چچ اور راجہ داہر کے زمانہ مین لوہانہ جاٹون کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا تھا،

انھون نے کہا کہ سمہ اور لاکھ دونون قبیلے لوہانہ کی جاٹ وحشی قومین تھیں، اور تمدن سے دور رہتی تھیں، یہ لوگ لوٹ مار کے عادی تھے، اور حکام کی اطاعت سے بھاگتے تھے اسی لئے ان کو اطاعت پر مجبور کیا گیا، اب بھی ان قومون کے ساتھ ذرا نرمی برتی جائے تو فوراً سلطنت کے خلاف اٹھ کھڑی ہوتی ہین۔ اور لوٹ مار کا بازار گرم کر دیتی ہین، یہ بحری ڈاکو بھی ہین، اور دیبل والے ان کو خفیہ مدد بھی دیتے ہین، چنانچہ مندرجۂ ذیل قواعد ان کے متعلق نافذ العمل ہین،

(۱) نرم کپڑے استعمال نہ کرین،

---

[۱] چچ نامہ ص ۹۰۔

(۲) مخمل کی ٹوپی اور جوتا پہننا ممنوع ہے، بلکہ ننگے پیر اور ننگے سر ہو کر باہر نکلا کرین،
(۳) موٹے کپڑے کی ایک چادر کندھے پر ڈالا کرین، اور کمبل کا کرتہ اور ازار استعمال کرین،
(۴) جب گھر سے باہر نکلین تو ایک کتا ساتھ رکھا کرین،
(۵)۔ ان کے سردار بھی گھوڑے پر زین کس کر نہ سوار ہون، بلکہ ایک کمبل کس لیا کرین،
(۶) خلاف ورزی پر ان سے جرمانہ وصول کیا جائے،
(۷) راہبری کی جب ضرورت پڑے تو ان کا فرض ہے کہ راہبر مہیا کرین،
(۸) راستون کی محافظت بھی انہی سے متعلق تھی، کوئی حادثہ پیش آئے تو اس کے لئے وہ جواب دہ ہین، اور قصور ثابت ہو جانے پر وہ مع اہل وعیال آگ مین جلا دئے جائین،
(۹) ان کی بیکاری اور افلاس دور کرنے اور لوٹ مار سے محفوظ رکھنے کے لئے ان کو یہ حکم دیا گیا تھا، کہ شاہی مطبخ کے لئے لکڑیان جنگل سے کاٹ کر مہیا کیا کرین۔
چنانچہ وہ اسی ہدایت کے مطابق آج تک یہ کام انجام دیتے ہین، یہ سن کر محمد بن قاسم نے بھی یہی قوانین سیاسی مصلحت کی بنا پر قائم رکھے[1]، اور ایران کے پہاڑی اور جنگلی وحشیون کی طرح ان کے قابلِ نفرت ہونے پر حیرت اور تعجب کا اظہار کیا،
ان کی سب سے عجیب بات یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو نوکر کی ضرورت ہو تو غیر قوم مین سے ملازم نہیں رکھتے، بلکہ اپنی ہی قوم سے ملازم رکھیں گے، اور میرے خیال مین بعض میمن جو اسی قوم سے مسلمان ہوئے ہین، اسی سبب سے آج تک اسی اصول پر قائم ہین،
محمد بن قاسم نے سندھ مین ایک اور قانون جاری کیا، یعنی آبادی مین جب کوئی (مسلمان) آئے تو ایک دن ایک رات اس کو مہمان سمجھا جائے، اور ذمہ دار حکام اس کا انتظام کرین اور

[1] چچ نامہ ص ۹۱۔

علیل ہونے کی صورت میں تین دن تین رات مہمان ہو،

اس وقت سپہ سالار فوج برہمن آباد سے ایک منزل کوچ کر کے جل والی ندی کے کنارے خیمہ زن تھا، ان تمام انتظامات کے بعد اس نے ایک رپورٹ حجاج کو بھیجی جس کا مندرجہ ذیل جواب آیا:-

"میرے چچازاد بھائی محمد بن قاسم! تم نے اپنی بہادری اور تدبر سے سندھ کے فتح اور ان پر حکمرانی کرنے میں جو تکلیف اٹھائی وہ قابل ستائش ہے، تم نے ہر گاؤں اور ہر شہر سے معاہدہ کر کے قوانین کے مطابق خراج اور محصول ادا کرنے کا پابند بنایا، اس نے ہماری سلطنت کو مضبوط کر دیا، اب تم کو ان شہروں میں وقت ضائع نہ کرنا چاہئے، سندھ اور ہندوستان کے دو شہر ارور اور ملتان مرکز ہیں، یقین ہے کہ ان میں قدیم زمانہ سے دولت جمع ہو، اس لئے ان کی طرف قدم بڑھاؤ، کوچ کے بعد جب پڑاؤ ڈالو تو اپنے خیمہ کے لئے اچھی جگہ منتخب کرو، جو لوگ نافرمان ہوں، ان کو فوراً قتل کر ڈالو، خدا سے دعا ہے کہ تم ہمیشہ کامیاب رہو، تاکہ ہند کی سرحد چین سے تمہارے عَلم کے سایہ میں مل جائے، میں قتیبہ بن مسلمۃ القرشی کو تمہارے پاس مع فوج کے روانہ کرتا ہوں، اس وقت تک جس قدر کفیل (ضامن) تمہارے پاس ہوں، وہ ان کے سپرد کر دو،

اے چچا کے لڑکے! تم کو ایسا نمایاں کام کرنا چاہئے کہ تمہارا نام روشن ہو، اور تمہارے دشمن ذلیل ہوں، ہمارے اور تمہارے درمیان ایک بڑی مسافت ہے، جو تکلیف دہ بات ہے، اہم دانائی اسی میں ہے کہ تم ہمیشہ مجھ سے مشورہ لیا کرو، اپنا ایک عام دستور یہ بنا لو کہ رعایا کے ساتھ نہایت لطف و کرم سے پیش آؤ، تاکہ دشمن بھی اطاعت پر آمادہ ہو جائیں، اس لئے رعایا کو ہر وقت تسلی دیتے رہو"

عرب افسروں کا تقرر | برہمن آباد کا سیاسی انتظام تو پہلے ہی کر چکا تھا، اب اندرونی تمدنی انتظام یہ کیا کہ

شہر کے چار معزز تاجروں کی ایک کمیٹی بنائی، اور دیوانی (مالی) عدالت اس کے سپرد کر دی، تاکہ جس قدر مالی مقدمے ہوں، وہ ان کے مذہب اور رسم ورواج کے مطابق فیصل کریں، اور اندرونِ شہر میں امن قائم رکھنے کے لئے پولیس کمشنر کے عہدہ پر وداع بن حمید النجدی کو مامور کیا، جس نے ہر طرف چوکیدار اور سپاہی مقرر کر کے بدامنی کا انسداد کیا، کمیٹی کو آگاہ کر دیا گیا کہ کوئی اہم کام بغیر سپہ سالار سے مشورہ کئے فیصل نہ کیا جائے،

آپ چونکہ ملک کے دار السلطنت فتح کرنے کا ارادہ رکھتا تھا، اس لئے محمد بن قاسم نے مناسب سمجھا کہ مفتوحہ ممالک کا خاطر خواہ اس طرح انتظام کیا جائے کہ بدامنی اور غدر کا موقع نہ مل سکے،

اس نے سب سے پہلے داہر کے بیٹے نوبا کو بلا کر "راور" کا قلعہ دار بنایا، اور حکم دیا کہ وہاں پہنچکر خاص انتظام یہ کرو کہ جس قدر کشتیاں ملیں سب کو محفوظ رکھو، اور قلعہ کے سامنے سے جو کشتی ایسی گذرے جس پر اسلحہ ہوں یا مسلح آدمی ہوں ان کو گرفتار کر لو، نوبا جب راور پہنچا تو کشتیوں کا انتظام اس نے ابن زیاد عبدی کے سپرد کر دیا، اور نہر کے بالائی حصہ میں کشتیوں کے رہنے کیلئے جگہ مقرر کر دی،

پھر ہذیل بن سلیمان ازدی کو ان علاقوں پر مامور کیا، جو کیرج سے متصل تھے (یعنی سرحدی مقام کی حفاظت کا بندوبست کیا، تاکہ غنیم ادھر سے نہ آجائے) اور حنظلہ بن ابی بنانہ کلبی کو دہلیلا کا ناظم مقرر کیا، اور افسروں کو تاکید کے ساتھ حکم دیا کہ ہر معاملہ کی ہوشیاری کے ساتھ خبر رکھا کرو، اور تحقیقات کے بعد ماہانہ رپورٹ ضرور بھیجو، اور باہم متحد اور متفق رہو، اور ہمیشہ ایک دوسرے کے مدد ومعاون ہو کر کام انجام دو،

سیوستان کے لئے ایک ہزار پیدل فوج روانہ کی جس پر قیس بن عبد الملک بن قیس المدینی اور خالد الغنادی کو افسر مقرر کیا اس کے بعد مسعود تمیمی، ابن شیبہ جدیدی، فراسی، ہمام یشکری، عبد الملک بن عبد اللہ خزاعی، محرم بن علقہ، اور علوفہ بن عبد الرحمٰن جیسے بہادر اور مدبر لوگوں کو

دیبل اور نیرون کی حفاظت کے لئے بھیجا، تاکہ قوانین کے مطابق حکومت کرکے امن قائم رکھیں،
ملیک نامی ایک غلام کی جان بازی دیکھکر محمد بن قاسم نے اس کی یہ قدر افزائی کی کہ اسے
ناظم بنا دیا، اور علوان بکری اور قیس بن ثعلبہ جو تجربہ کار لوگ تھے تین سو پیادہ کے ساتھ اس کی مدد کے
لئے مقرر ہوئے، ان کے اہل و عیال بھی ان کے ہمراہی میں تھے، جو ساتھ رہے، غرض جن اطراف سے
بدامنی یا غدر کا اندیشہ تھا، اور جاٹون کی سرکشی کا گمان تھا، وہان کا معقول بندوبست کیا گیا،

برہمن آباد سے کوچ

۳ محرم ۹۵ھ جمعرات کے دن محمد بن قاسم یہان سے کوچ کرکے مقام مہنل مین پہنچا،
جو ساوندری کے علاقہ مین تھا، ڈنڈا نامی جھیل کے مرغزار "کربھا" مین مقیم ہوا، اس اطراف مین زیادہ تر
بدھ مذہب کے لوگ آباد تھے، اسلامی فوج کے آتے ہی لوگ جوق جوق حاضر ہوکر اطاعت و فرمان برداری
کا اقرار کرنے لگے، سپہ سالار نے تسلی دے کر کہا کہ تم لوگ اطمینان قلب کے ساتھ آزادی سے
زندگی بسر کرو، فقط اس بات کا خیال رکھو، کہ سرکاری مالگزاری اور محصول وقت پر ادا ہو جائے،
اور مسلمانون کی مہمانی تم پر ضروری ہے اور رہبری تمہارے فرائض مین شامل ہے،[۱]
مالگزاری وصول کرنے اور دیہاتی امور انجام دینے کے لئے ان پر چار سردار مقرر کئے گئے،
جن کو چودھری کہتے ہین۔ ان مین سے ایک بدھ تھا، باقی برہمن تھے، اول کا نام "بوادو" تھا، باقی
کا بدیہی (بدھی)، بمنی (یا بمن)، دھاول (یا دھول)، یہان کی زراعت پیشہ قوم جاٹ تھی، جس نے
بھی اطاعت کا اقرار کیا،

ان واقعات کی اطلاع جب حجاج کو دی گئی تو اس نے لکھا کہ
"یہ عام اصول یاد رکھو کہ جو لوگ نافرمان ہون وہ ضرور تباہ کردئے جائین، یا کم از کم ان کے
لڑکے لڑکیان کفیل کے طور پر اپنے قبضہ مین کرلئے جائین، اور فرمان بردار لوگون پر بیشک

[۱] چچ نامہ ص۹۲ سے بلاذری ص۴۳۹، علاقہ ساوندری کے لوگ تیسری صدی کے آخر مین سب مسلمان ہوگئے جیسا کہ بلاذری نے لکھا ہے

رحم و کرم کی نظر رکھنی چاہیے، ان کی جائدادیں ان کے قبضہ مین رہنے دیجائیں، دستکاروں اور کاشتکاروں پر سخت جزیہ مقرر نہ کیا جائے، بلکہ اگر یہ لوگ مصیبت زدہ ہون یا تنگدست ہوجائین تو جس قدر ممکن ہو ان کی امداد کی جائے، نومسلمون سے صرف عشر لیا جائے، ہر شخص کو اچھی طرح سمجھا دیا جائے کہ ہر قسم کا محصول وقت مقررہ پر اپنے اپنے حاکم کے پاس جمع کر دیا کرین۔

سپہ سالار یہان سے کوچ کر کے "بہرادر" مین مقیم ہوا، یہان اس نے سلیمان بن بنہان اور ابو فضہ قشوری سے حلف وفاداری لے کر برجند بن عمر اور بنی تمیم کی فوج کے ساتھ بھرج کی طرف روانہ کیا، تاکہ ان اطراف کا معقول بندوبست کر کے وہان امن قائم کیا جائے، اور رعایا کو لوٹ مار سے بچایا جائے، اور عمرو بن مختار الکبری حنفی کو ان پر سردار مقرر کیا،

اب یہان سے چل کر قوم سمہ کے حدود مین پہنچا، عرب لشکر جیسے ہی ان کی آبادی کے طرف پہنچا کہ وہ لوگ ناچتے گاتے اور ڈھول بجاتے نکلے، یہ دیکھ کر عرب لوگ متحیر ہو گئے، اور سوال کیا کہ یہ کیا حرکت ہے؟ جواب دیا گیا کہ لوہانہ والون کا یہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی نیا حاکم آتا ہے تو اس کا اسی صورت سے استقبال کرتے ہین، جذیم (یا خریم) بن عمرو نے کہا کہ اب تو ہمارا فرض ہے کہ خدا کا شکر ادا کرین، کیونکہ ان کے دلون مین ہماری اطاعت کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے، محمد بن قاسم کو اس سادگی پر ہنسی آگئی، اس نے کہا کہ اچھا اس قوم کے تم ہی سردار بنائے جاتے ہو، اور لوہانہ والون کو حکم دیا کہ جذیم کے سامنے ناچین، اختتام پر جذیم نے بیس دینار (سونے کا سکہ) انعام دیے[1]،

یہان سے کوچ کر کے "سہتا" (یا سمہ) کے پاس پہنچا، لوگ آمد کی خبر سن کر دوڑے آئے، اور رحم و لطف کی التجا کی، اس نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا، اور ہر طرح سے اطمینان دلایا، اور عامل (کلکٹر) مقرر کر دیا کہ سالانہ خراج وصول کیا کرے، اور ساتھ ہی ان سے ضامن بھی لیے، اور

---

[1] چچ نامہ ص ۹۳،

ارور تک کے لئے راہبر حاصل کئے، چنانچہ کچھ راہبر فوج سے پہلے روانہ کردئے گئے،

پایۂ تخت ارور کا محاصرہ

"ارور" ان دونوں پایۂ تخت اور سندھ مین سب سے بڑا شہر تھا، محمد بن قاسم کوچ کرتا ہوا اس شہر کے قریب پہنچ گیا، اس وقت یہان کا حاکم راجہ داہر کا لڑکا "گوپی" تھا، اس نے شہر والون سے یہ کہہ رکھا تھا کہ راجہ داہر مارا نہیں گیا ہے، بلکہ وہ ہندوستان چلا گیا ہے، اور دوسرے راجون سے مل کر امداد کے لئے ایک بڑی فوج لے کر آرہا ہے[1]، اس تسلی سے شہر والون کی ہمت بندھی ہوئی تھی، گوپی اہل شہر کو اطمینان دلا کر فوجی تیاری مین مشغول تھا کہ محمد بن قاسم آپہنچا اور شہر کا محاصرہ کرلیا، اپنا خیمہ فصیل سے ایک میل کے فاصلہ پر نصب کرایا، وہ ایک ماہ تک محاصرہ کئے پڑا رہا، مگر ارور کے لوگون نے اس کی مطلق پروا نہ کی، اس نے بھی بڑی بے پروائی کا اظہار کیا، گویا کہ ارور فتح ضرور ہوگا، اس لئے لشکرگاہ مین ایک مسجد تیار کرائی، جہان جمعہ کی باقاعدہ نماز ادا کی جاتی، اور خطبہ کے ذریعہ جہاد کا شوق پیدا کیا جاتا،

جب ارور والون نے دیکھا کہ مسلمانون کو اس کی کوئی فکر ہی نہیں ہے، اور داہر مدد کے لئے کوئی فوج لے کر ابھی تک نہیں آیا ہے، تو پریشان ہوئے اور لڑنے پر آمادہ ہو گئے، مسلمانون پر رعب ڈالنے کے لئے کچھ لوگ فصیل پر آکر کہنے لگے کہ شاید تم لوگون کو موت یہان لائی ہے عنقریب ہمارا راج داہر ہندوستان سے ایک بڑی فوج لے کر آرہے ہین، اس وقت اُدھر سے وہ اور اِدھر سے ہم لوگ قلعہ سے نکل کر تم کو کاٹ کر رکھ دین گے،

محمد بن قاسم کو جب اس کی خبر ہوئی تو متحیر ہو گیا، کہ داہر کے مرنے کا ان لوگون کو اب تک یقین نہیں ہے اور اب وہ سمجھا کہ کیون قلعہ والے اس قدر بے پروا تھے، اس نے اس کی تدبیر یہ کی کہ رانی لاڈی کو جو اب اس کی بیوی ہو گئی تھی[2]

---

[1] چچ نامہ ص ۱۹۲ [2] انھی سیاسی امور کے لئے رانی سے نکاح کرلیا تھا، ورنہ رانی سن رسیدہ تھی بچون کی مان تھی اور محمد بن قاسم سترہ برس کا نوجوان لڑکا تھا، اور مال غنیمت مین سے نوجوان کم سن لڑکیان آسانی سے مل سکتی تھین،

اس اونٹ پر سوار کرا کر فصیل کے پاس بھیجا جس پر راجہ داہر کے ساتھ اکثر سوار ہوا کرتی تھی،

رانی لاڈی کی نصیحت

اس نے لوگون کو آواز دی، کچھ لوگ فصیل پر آ گئے، تو اس نے اپنا چہرہ ظاہر کر دیا، اور کہا کہ مجھے شناخت کرو، مین رانی لاڈی ہون، راجہ داہر کی رانی، تمہارا راج لڑائی میں مارے گئے اور ان کا سر عراق بھیجا گیا، خدا کی یہی مرضی تھی، اب تم لوگ ناحق کیوں تکلیف اٹھاتے ہو، اور اپنے آپ کو ہلاک کرتے ہو، یہ کہہ کر چیخ ماری اور رونے لگی، لوگ رانی کی صورت دیکھ کر اور باتین سن کر جان گئے کہ یہ مسلمان ہو گئی ہے، انھون نے کہا کہ تو تو ان چنڈالون میں مل گئی ہے تجھ پر کچھ بھروسہ نہیں، ہمارا راجہ زندہ ہے، وہ جلد ہماری مدد کو فوج لئے آرہا ہے، اس کے بعد لوگون نے رانی کو لعنت ملامت کرنا شروع کر دیا،

جب محمد بن قاسم نے دیکھا کہ معاملہ حد سے گذر گیا، اور رانی کو اہلِ قلعہ ذلیل کر رہے ہین تو اس نے فوراً واپس بلا لیا، اور افسوس کے لہجہ مین کہا کہ "قسمت ہی نے خاندانِ سلائج کے طرف سے منہ پھیر لیا ہے تو کوئی کیا کرے": پھر مسلمانون کو تاکید کی کہ بہادری سے لڑنا شروع کر دین،

جوگن کا فیصلہ

جب محاصرہ کی سختی زیادہ ہو گئی تو اہل شہر پریشان ہو کر ایک جوگن کے پاس گئے جو ان دنون شہر مین بہت مشہور، جادوگرنی سمجھی جاتی تھی، اور کہا کہ ذرا تلاش کرو اور اپنے علم سے معلوم تو کرو کہ راجہ داہر کہان ہے؟ اس نے ایک دن کی مہلت طلب کی جو دی گئی، وہ اپنے حجرہ مین چلی گئی، اور تین پہر دن گذرے تھے کہ اپنے حجرہ سے جا پھل اور سیاہ مرچ کی سرسبز و شاداب شاخ جس مین پھل پھول بھی تھے، لیکر نکلی، اور لوگون کو بلا کر اس نے کہا کہ سندھ سے لے کر لنکا تک مین نے راجہ کو تلاش کیا، مگر کہین اس کا پتہ نہ ملا، وہ اگر دنیا مین زندہ ہوتا تو ضرور مین اسے پالیتی، دیکھو اس کے ثبوت مین لنکا سے یہ شاخ توڑ لائی ہون، اب جاؤ تم لوگ اپنا بندوبست کرو، راجہ دنیا کے پردہ پر اب نہیں ہے،

یہ سن کر تمام شہر پر اداسی چھا گئی، اور یہ مشورہ کرنے لگ گئے کہ قلعہ غنیم کے سپرد کر کے رحم کی التجا کی جائے، کیونکہ محمد بن قاسم کی رحمدلی تمام سندھ مین مشہور ہے، اور اس وقت تک جن جن لوگوں سے عہد کیا ہے اس پر مضبوطی سے قائم ہے، چنانچہ یہ رائے سب کو پسند آئی، اور ایک وفد لے جانے کی تدبیر سوچنے لگے،

گوپی کا فرار

جب یہ خبر گوپی کو ملی تو اس نے اپنا خاندان اور سارا کنبہ ساتھ لیا، اور رات کی تاریکی مین چپ چاپ جے پور[1] کے ارادہ سے قلعہ کے باہر نکلا، اور سامانِ سفر درست کرنے کے لئے قلعہ سے ایک منزل پر ایک گاؤن مین جا کر ٹھہرا، علافی خاندان کا ایک آدمی جو اس وقت تک وفاداری کے ساتھ گوپی کے ہمراہ تھا، اس نے جب دیکھا کہ گوپی مجھے چھوڑ کر بھاگا جا رہا ہے تو تمام حالات لکھ کر ایک خط تیر کے ذریعہ عربی لشکر مین لوگون کی آنکھ بچا کر پھینک دیا، لیکن یہ خط مسلمانون کے ہاتھ اس وقت لگا جب کہ گوپی نکل چکا تھا، اس لئے محمد بن قاسم نے وقت ضائع کرنا مناسب نہ سمجھا اور سپاہیون کو ایک پُرزور حملہ کر کے جلد فتح کرنے کی ترغیب دی، مسلمان بھی اس مردانگی سے لڑے کہ شہر والوں پر دنیا تنگ ہو گئی،

اروڑ کی فتح

اہل شہر نے یہ دیکھ کر ایک وفد سپہ سالار کے پاس بھیجا جس نے جا کر یہ کہا کہ ہم کو آج سے پہلے راجہ داہر کے مرنے کا مطلق یقین نہ تھا، وہ مارا گیا، اور اس کا لڑکا بھی ہم کو چھوڑ کر بھاگ نکلا، اس لئے ہم لوگون نے برہمنون (حاکم قوم) سے قطعِ تعلق کر لیا ہے[2]، اور آپ کی اطاعت کا اقرار کرتے ہوئے قلعہ حوالہ کرنے کو تیار ہین، آپ ہم لوگون کو امان دین،

اس کے جواب مین سپہ سالار نے کہا کہ ہم اس شرط پر تم کو امان دیتے ہین کہ فوراً لڑائی بند کر دو، اور فصیل سے سب لوگ نیچے اتر آؤ، یہ سن کر وہ لوگ فصیل سے نیچے اتر آئے، اور دروازہ پر کھڑے ہو گئے،

۱؎ یہ تو یقینی امر ہے کہ جے پور سے مراد موجودہ جے پور نہیں ہے، کیونکہ یہ تو محمد شاہ کے عہد مین جے سنگھ نے آباد کیا تھا، اس کا دوسرا نام کوبرج یا کیرج بھی ہے ۲؎ اہل شہر کا کثیر حصہ بودھ مذہب کا پیرو تھا۔

عرب کے متعدد سردار فوراً پہنچے اور کنجی (چابی) لے کر دروازہ کھول دیا[1]،

یہ روایت چچ نامہ کی ہے، لیکن یعقوبی نے اپنی تاریخ مین لکھا ہے کہ جب قلعہ والون کے متعلق محمد بن قاسم کو معلوم ہوا کہ وہ ابھی تک اسی غلط فہمی میں ہین کہ داہر زندہ ہے قتل نہیں ہوا، تو محمد بن قاسم نے رانی لاڈی کو قلعہ والون کے پاس بھیجا، تاکہ انھیں سمجھا کر اس بات کا یقین دلائے کہ راجہ قتل ہو گیا، چنانچہ رانی لاڈی قلعہ کے پاس گئی اور ان کو ناصحانہ طور پر سمجھایا کہ راجہ داہر میدانِ جنگ میں مارا گیا، اس لئے اب جنگ کرنے سے کوئی فائدہ نہین ہے، قلعہ والون کو جب رانی کی زبانی یہ حال معلوم ہوا تو فوراً صلح پر آمادہ ہو گئے، چنانچہ صلح ہو گئی اور قلعہ فاتح کے حوالہ کر دیا گیا،

یعقوبی کے الفاظ یہ ہین:-

حتى اتى الرور، وهي من اعظم مدائن السند فحاصرهم حصارا شديدا وهم لا يعلمون ان داهر قد قتل، فلما الحهم، بعث اليهم محمد بن قاسم بامرأة داهر، فقالت لهم ان الملك قد قتل فاطلبوا الامان فطلبوه ونزلوا على حكم محمد وفتحوا له باب المدينة فدخلها ثم استخلف فيها[2]،

یہان تک کہ وہ (محمد بن قاسم) الرور پہنچا اور یہ سندھ کے بڑے شہرون مین شمار کیا جاتا تھا، اس لئے اس کا سخت مقابلہ کیا، مگر شہر والون کو اس کی خبر نہ تھی کہ داہر قتل کر دیا گیا ہے، لیکن جب تنگ ہو گئے تو محمد بن قاسم نے داہر کی عورت کو بھیجا، اس نے ان سے کہا کہ داہر مارا گیا، اور اب تم لوگ امان طلب کر لو، چنانچہ وہ لوگ امان مانگ کر مطیع ہو گئے، اور دروازے کھول دیئے محمد بن قاسم نے اس پر قبضہ کر کے اپنا نائب مقرر کر دیا،

اب رہی یہ بات کہ کیا واقعی ان لوگون کو داہر کے قتل کی خبر نہ تھی، تو یہ بالکل صاف بات ہے کہ

[1] میرا خیال ہے کہ پایۂ تخت کا اصلی نام "اروڑ" ہے، عربون نے اس پر الف لام داخل کر کے "الرور" بنا لیا، چنانچہ بلاذری و یعقوبی نے اسی لفظ کو استعمال کیا ہے، لیکن "لام" اور "رے" دونون قریب المخرج ہین، اس لئے کثرت استعمال سے پہلی "رے" گر گئی اور "الور" ہو گیا، یہ آج کل سکھر ضلع مین واقع ہے [2] یعقوبی جلد اول ص ۳۴۶ و ۳۴۴ لیدن،

گوپی سنگھ نے قصداً اپنے باپ راجہ داہر کے مرنے کی خبر پوشیدہ رکھی تاکہ فوج اور رعایا قوی دل ہو کر دشمن کا مقابلہ کریں، لیکن جب اس نے دیکھا کہ اندرون قلعہ اور بیرون قلعہ دونوں طرف سے یہ راز فاش ہو گیا تو سوا اسے بھاگ جانے کے اور کوئی چارہ نہ دیکھا،

اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رانی لاڈی نے اس وقت قلعہ والوں سے گفتگو کی ہے جبکہ جوگن کا معاملہ رونما ہو چکا تھا، اور عام لوگوں میں گوپی سنگھ کے بھاگنے سے بےچینی اور مایوسی پیدا ہو چکی تھی،

بلاذری میں ہے کہ اروڑ کا شہر سندھ کے بڑے شہروں میں سے ہے، اور ایک پہاڑی پر آباد کیا گیا ہے، سپہ سالار نے کئی ماہ اس کا محاصرہ جاری رکھا، آخر مندرجہ ذیل شرائط پر صلح ہو گئی، اور قلعہ مع شہر مسلمانوں کے حوالہ کر دیا گیا:۔

(۱) شہریوں کو امان دی جائے، اور کوئی فرد ان کا قتل نہ ہو،

(۲) ان کے بدھ (دہار) برقرار رکھے جائیں،

محمد بن قاسم نے کہا کہ میرے نزدیک تمہارے "دہار" یہود اور نصاریٰ کے کنیسے اور آتش پرستوں کے معبد کی طرح ہیں[1]

محمد بن قاسم اپنی تمام فوج لے کر شہر میں داخل ہوا، گو رعایا بہت ہی خوفزدہ تھی، مگر خود فوج کا حال یہ تھا کہ ہر سپاہی اپنی تلوار میان میں کئے ہوئے تھا، فوج پھاٹک سے نکل کر بڑے بازار سے گذر رہی تھی کہ ایک مکان نظر آیا، جہاں مخلوق بھری ہوئی تھی، یہ بدھوں کا "دہار" (خانقاہ مع مندر) تھا، یہاں خوف زدہ لوگ اپنے بتوں سے دعائیں مانگ رہے تھے، اور اس کا نام "نو وہار" تھا،

محمد بن قاسم کے دریافت کرنے پر بتایا گیا کہ یہ "دہار" ہے، وہ یہ سن کر اندر داخل ہوا، دیکھا کہ سنگ لےخام (مرمر) سے تراشا ہوا ایک گھوڑا ہے جس پر ایک آدمی سوار ہے، اس کے دونوں ہاتھوں

---

[1] بلاذری صد۴۳۹ لیدن،

مین سونے کے کنگن ہین، اس نے ایک کنگن اتار لیا، اور پجاری سے دریافت کیا کہ اس کے ایک ہاتھ کا کنگن کیا ہوا؟ جواب دیا کہ آپ نے اتار لیا، محمد بن قاسم نے کہا کہ یہ تو تم کہتے ہو، مگر تمہارے خدا (بت) کو تو خبر بھی نہیں کہ کیا ہوا، پجاری نے سر جھکا لیا، اس نے ہنس کر کنگن واپس کر دیا، اور خود شہر کے انتظام مین مشغول ہو گیا، اس نے حکم دیا کہ غیر فوجی لوگون کو ہر طرح کا امن ہے اور کوئی ان کو نہ ستائے، البتہ جو شخص مقابلہ کرے وہ قتل کیا جائے،

عفو عام رانی لاڈی نے جب یہ حکم سنا تو اس نے کہا کہ یہان کے لوگ تو سب کے سب تاجر، صنعت پیشہ اور کاشتکار ہین، اگر ان پر ٹیکس لگایا جائے تو حکومت کو بڑی آمدنی ہوگی، اور خزانہ مین معقول رقم داخل ہو جائے گی،

اس سے محمد بن قاسم سمجھ گیا کہ رانی اپنے ہم وطنون کو بچانا چاہتی ہے، اس نے اعلان کر دیا کہ رانی نے رحم کر کے تمام شہر والون کو پناہ دی، پھر بھی کچھ لوگ ایسے تھے جو برسر مقابلہ ہوئے اور گرفتار کر کے لائے گئے، ان کو قتل کا حکم دیدیا گیا، ان مین سے ایک شخص نے کہا کہ مین ایک عجیب بات ظاہر کرنا چاہتا ہون، دریافت کرنے پر اس نے کہا کہ اس کا اظہار صرف سپہ سالار کے سامنے کرون گا، چنانچہ سپہ سالار کے سوال کرنے پر برہمن نے کہا کہ مین اس شرط پر ظاہر کرون گا کہ میرے اہل و عیال عزیزون کے علاوہ میری بھی جان بخشی کی جائے، چونکہ اس کے طرز بیان اور متانت و سنجیدگی سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جو کچھ وہ ظاہر کرے گا وہ کوئی اہم بات ہوگی، اور شاید کسی خزانہ کا پتہ بتائے، اس لئے اس کی درخواست قبول کر کے اس کی خواہش کے مطابق تحریر دے دی گئی، اس نے اپنا مطلب حاصل کر کے اپنے بال کھولے، داڑھی اور مونچھ کے بال کھینچ کر لمبے کئے، پھر لیٹ کر اپنے پاؤن کے انگوٹھے کو گدی تک لے گیا، اور لگا ناچنے، وہ ناچتا جاتا اور کہتا جاتا کہ دیکھو کیسی عجیب بات ہے، آج تک کسی نے نہ دیکھا ہوگا،

عہد کی پابندی اس حرکت پر گو تعجب سب کو ہوا، مگر ساتھ ہی لوگون نے کہا کہ اس نے ہمین فریب دیا، یہ واجب القتل ہے، اس قسم کا تماشا تو کوئی ایسی چیز نہیں ہے، جو اس کی جان بخشی کے مقابلہ مین ہو، محمد بن قاسم چونکہ معاہدہ کا بڑا پابند تھا، اس لئے اس کو مع ۲۲ متعلقین کے نظر بند کر دیا، اور اس کا قتل ملتوی رکھا، اور اس معاملہ کی خبر حجاج کو کی، حجاج نے اپنے درباری علماء سے اس کا فتویٰ لیا، اور خلیفہ کو بھی اس سے مطلع کیا، دونون جگہ کے علماء نے ایک ہی فیصلہ کیا، یعنی اس کو آزاد کر دیا جائے تاکہ معاہدہ کی خلاف ورزی نہ ہو، اور مثال مین صحابہؓ کے عہد کا ایک واقعہ پیش کیا[۱] چنانچہ محمد بن قاسم نے ان سب کو رہا کر دیا،

گوپی کا سفر جے پور یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ گوپی سنگھ داہر کا لڑکا ارور[۲] سے بھاگ کر جے پور (دیکرج) چلا گیا، اس کے ساتھ ساتھ سو سوار اور کچھ پیادہ تھے، وہ کورج (دیکرج) جب پہنچا تو وہان کا راجہ دوہر (یا دروہر) نے شہر سے باہر نکل کر استقبال کیا، اور بڑی عزت سے شہر مین لا کر ایک محل میں ٹھہرایا اور ایسے اخلاق اور ہمدردی سے پیش آیا کہ گوپی کو ایک گونہ تسلی ہوگئی، راجہ نے دلاسا دے کر مزید تشفی کے لئے صاف صاف وعدہ کیا کہ مسلمانون کے مقابلہ مین مَیں تمہاری مدد کرون گا، راجہ کا دستور تھا کہ ہر چھ ماہ کے بعد ایک مخصوص جشن منایا کرتا جس میں کوئی غیر شامل نہ ہوتا،

---

[۱] عقد الفرید جلد اول ص۲۳ مصر ہرمزان نامی ایک ایرانی رئیس (حاکم) گرفتار ہو کر حضرت عمرؓ کے پاس آیا، چونکہ مسلمانون کو اس سے بڑا نقصان پہنچا تھا، اور کئی سردارون کو اس نے مار ڈالا تھا، اس لئے خلیفۂ دوم حضرت عمرؓ نے اس کو قتل کر ڈالنا چاہا، اس نے پانی مانگا، جب پیالہ اس کو دیا گیا تو کہا کہ مجھے خوف ہے کہ پانی پینے سے پہلے تم مجھے قتل نہ کر دو، حضرت عمرؓ نے وعدہ کیا کہ ایسا نہ ہوگا، اس پر اس نے پانی زمین پر بہا دیا جسے زمین نے پی لیا، لوگون نے کہا کہ اس نے فریب دیا، لیکن حضرت عمرؓ نے اس کو رہا کر دیا [۲] "ارور" کے متعلق مختصر نوٹ دیا جا چکا ہے، یہ پایۂ تخت کئی سو برس بعد تک قائم رہا، پھر راجہ دلو رائے کے عہد تقریباً (۱۳۲۱ھ) مین دریا کا رخ بدل جانے کے سبب سے یہان کی آبادی روہڑی میں (جو اس کے بعد آباد ہوا) منتقل ہوگئی، ارور کا شہر روہڑی سے جنوب مشرق مین پانچ میل کے فاصلہ پر تھا، اب صرف ایک گاؤن ہو کر رہ گیا ہے،

اتفاق سے یہ دن بھی جشن کا تھا، جب کہ گوپی بطور معزز مہمان کے شہر مین داخل ہوا، رات کو جب سامان مہیا ہوگیا تو راجہ نے مزید عنایت کے خیال سے گوپی کو اس جشن مین شرکت کی دعوت دی، جسے اس نے قبول کرلیا،

جب وہان پہنچا تو عورتون کا اس طرح مجمع دیکھ کر گھبرایا، اور پھر ایک جگہ بیٹھ کر شرم سے آنکھیں نیچی کرلین، راجہ نے جب اس کو اس طرح دیکھا تو کہا کہ گوپی! میرے رشتہ سے یہ سب تمہاری مان بہنیں ہیں، آنکھ اٹھاکر دیکھو، اور غم غلط کرو، اس نے کہا کہ مہاراج مین بھگت ہوگیا ہون، راجہ نے پھر کچھ نہ کہا،

لیکن جس جگہ گوپی بیٹھا تھا اسی کے پاس راجہ کی بہن جانکی بھی تھی، جو حسن مین سب سے زیادہ ممتاز تھی، دزدیدہ نگاہون سے دو ایک دفعہ جانکی کو دیکھا، جانکی کے سوئے ہوئے جذبات بیدار ہوگئے، اور جشن سے گوپی کے چلے آنے پر وہ بھی بہانہ کرکے چلی آئی، اور سکھ پال مین سوار ہوکر گوپی کے محل مین جا پہنچی، راجہ کی بہن ہونے کے سبب سے کسی نے روک ٹوک نہ کی، وہ وہان پہنچی جہان گوپی بے خبر سویا ہوا تھا، جانکی نے جگانے کی تو جرأت نہ کی، مگر پلنگ پر ساتھ بیٹھ گئی، جشن مین جانکی نے بہت شراب پی تھی جس کی بدبو سے گوپی کی آنکھ کھل گئی، اور وہ یہ دیکھ کر متحیر ہوگیا، اور پوچھا کہ شاہزادی تم کہان؟

اس نے اس کے جواب مین عشق و محبت کا پیغام سنایا اور وصل کی امید ظاہر کی، گوپی نے کہا کہ مین بھگت ہوگیا ہون، اور اپنی بیوی کے سوا کسی سے محبت نہیں کرتا، اس لئے مجھے معاف کرو، جانکی کے دل پر ایک چوٹ لگی اور بدمستی کے عالم مین قتل کی دھمکی دے کر چلی گئی، اور خود بھی جل مرنے کی ٹھان لی، وہ گھر جاکر پلنگ پر سو رہی اور اندر سے دروازہ بند کرلیا، اس کو رات بھر نیند نہ آئی، صبح کو جب دیر تک دروازہ نہ کھلا تو لونڈیان گھبرائیں، راجہ دہر کو خبر ہوئی تو وہ خود دوڑا ہوا آیا، اور دروازہ کھلوایا، کچھ تو شراب کے خمار سے، کچھ بدخوابی اور رات بھر کی کھینچ سے اس کا حال پتلا تھا، اور چہرہ زرد، یہ دیکھ کر راجہ گھبرایا، اور حال دریافت کیا، اس نے ایک آہ سرد بھر کر کہا کہ افسوس تمہارے راج مین اب انصاف نہیں،

دیکھو کہ گوپی جو رات کو بھگت بنا ہوا تھا اس نے میرے مکان پر آ کے میرے شیشۂ عصمت کو چور کر دینا چاہا، راجہ یہ سن کر بڑے طیش میں آ گیا، مگر پھر کچھ سوچ کر اس نے کہا کہ جانکی! میں اس کا بدلہ ضرور لوں گا، تم مطمئن ہو کر اپنے کام میں مصروف ہو جاؤ، اس وقت اس سے فوراً بدلہ لینا دشوار ہے، اس کے پاس تقریباً ایک ہزار فوج ہے، جو اپنے آقا کی حمایت میں کٹ مرے گی، اس کے علاوہ لوگ اس کو بھگت اور برہمن سمجھتے ہیں، اس کے مارنے پر لوگ مجھے برہمن کا قاتل سمجھیں گے، کچھ لوگ یہ بھی کہیں گے کہ یہ دیسی شاہزادہ مدد مانگنے آیا تھا، فریب سے اس کو قتل کر دیا، اور تمہارے معاملہ کو بدنامی کے خیال سے عام لوگوں پر ظاہر بھی نہیں کر سکتا، غرض اس طرح سمجھا اور تسلی دے کر راجہ گھر آیا، اور پوشیدہ طور پر اس کو قتل کرنے کا بند و بست کیا، اس نے دو مسلح کالے آدمیوں کو بلایا (غالباً یہاں کے اصلی باشندے ڈراوڑ ہوں گے) اور کہا کہ دیکھو آج گوپی کو ہم کھانے کے لئے بلاتے ہیں، کھانے کے بعد شطرنج کھیلیں گے، تم ادھر ادھر کھڑے رہنا جب میں "مات" کہوں تو فوراً نکل کر قتل کر ڈالنا، ان دونوں میں سے ایک کا نام کبیر بھدر (دیا سھو) اور دوسرے کا کھبو تھا، ایک سندھی بھی یہاں رہتا تھا جس سے ان میں سے ایک سے اس کی دوستی تھی، اس نے یہ راز بتا دیا، سندھی نے فوراً یہ خبر گوپی کو پہنچائی، گوپی نے کسی سے اس کا ذکر نہ کیا، جب راجہ دوپہر کے یہاں سے کھانے کے لئے طلبی ہوئی، تو اپنی فوج کے دو افسر گور سنگھ اور سور سنگھ کو حکم دیا کہ مسلح ہو کر میرے ساتھ چلو، اور جب ہم شطرنج کھیلنے لگیں تو تم میری حفاظت کرو، ایسا نہ ہو کہ کوئی مجھ پر بری نگاہ اٹھائے، غرض وہاں پہنچکر کھانا کھایا، اور پھر گوپی کو خلوت میں لیجاتے وقت راجہ نے حکم دیا کہ کوئی دوسرا نہ آنے پائے، لیکن دونوں سردار آنکھ بچا کر اندر داخل ہو گئے، اور ذرا فاصلہ سے راجہ کے پیچھے خاموشی کے ساتھ کھڑے ہو گئے، راجہ شطرنج کھیلنے میں مصروف ہو گیا، اور کچھ دیر کے بعد جب بازی ختم ہو گئی، اور "مات" کہنا چاہا تو اپنے پیچھے اس نے آہٹ معلوم کی، دیکھا تو گوپی کے آدمی ہیں، گھبرا کر اس نے کہا کہ مات نہیں، گوپی سمجھ گیا اور اٹھ کر گھر چلا آیا، اور سامان سفر کی

تیاری کا حکم دے دیا، راجہ کا خیال تھا کہ گوپی ناراض ہو کر چلا گیا ہے، شاید کوئی فساد برپا کرے، اس لئے اس کے مکان پر جاسوس بھیجے، وہ لوگون سے ملا جلا، مگر کسی سے کوئی بات نہ معلوم کر کے واپس آیا، اور گوپی کے لوگون کی تعریف کر کے کہا کہ وہ لوگ اس قسم کے نہیں ہین، مطمئن رہین، گوپی کا جب سامانِ سفر تیار ہو گیا تو اونٹون پر لدوا کر روانہ ہو گیا، اور ایک آدمی کے ذریعہ راجہ کو رخصتی سلام کہلا بھیجا، اور بغیر ملاقات کئے اسی کے محل کی طرف سے چل دیا، یہان سے چل کر موجودہ پنجاب کے ضلع جالندھر مین ایک مقام کچھ تھا[1]، وہین مقیم ہو گیا، غالباً وہان کے راجہ نے جس کو ولھب راے کہتے تھے اس کو جاگیر دے دی ہو گی، اور جے سنگھ کی طرح اس نے بھی خاموشی کے ساتھ اپنی زندگی اسی جاگیر مین گذار دی ہو گی[1]،

اروڑ[2] اور اس کا قلعہ ایک بلند پہاڑ پر واقع تھا، اور اسی سبب سے مسلمانون کو فتح کرنے مین ذرا دیر لگی، فتح کے بعد یہان بھی مندرون کو آباد کرنے کی اجازت دے دی گئی، اور تشخیص کے بعد جزیہ (جنگی ٹیکس) بھی لگا دیا گیا، اور چونکہ یہ سندھ کا پایہ تخت تھا، اس لئے یہان ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کی گئی،

ملکی انتظام کے لئے رواح بن اسد جو احنف بن قیس کے نواسون مین سے تھا یہان کا

---

[1] چچ نامہ صفحہ ۱۹۰۔ چچ نامہ مین یہ تمام حالات جے سنگھ کے متعلق تحریر کئے گئے ہین، حالانکہ جے سنگھ اس سے قبل کشمیر جا چکا تھا، اس لئے صریح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کاتب نے گوپی کے بجائے جے سنگھ لکھ دیا، پس یہان گوپی سنگھ ہونا چاہئے، [1] آج کل یہ مقام خوشاب ضلع مین جو جہلم دریا کے پاس ہے واقع ہے، لیکن جالندھر اور خوشاب مین بڑا فاصلہ ہے، ممکن ہے کہ اس وقت ولھب راے والی جالندھر کی حکومت خوشاب تک ہو، [2] چچ نامہ مین صفحہ ۸۳ پر راور کا دوسرا نام بغرور لکھا ہے، اور صفحہ ۹۶ پر الور کا دوسرا نام بغرور بتایا ہے، مگر میرے خیال مین راور ہی کا دوسرا نام بغرور ہے، کیونکہ اروڑ کے ساتھ بغرور صرف ایک جگہ آیا ہے، جو کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے، بخلاف راور کے، دوسرے اروڑ ہی کے وزن پر بغرور اس کا اصل نام رکھا گیا ہو گا، بلاذری مین الرور کے بعد بغرور واو عاطفہ کے ساتھ آیا ہے، اور راور کا لفظ تنہا لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بلاذری کے نزدیک الرور، بغرور، راور تین الگ الگ شہر ہین، لیکن الرور اور بغرور کے لئے ضمیر واحد استعمال کرتا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک شہر تھا، میرے خیال مین بلاذری (بقیہ صفحہ ۱۱۸ پر)

والی مقرر ہوا، اور مذہبی امور کی سرانجام دہی کے واسطے موسیٰ بن یعقوب بن محمد بن شیبان بن عثمان ثقفی قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) مقرر ہوئے، جو بہت بڑے پایہ کے عالم بھی تھے۔

فتح بابیہ محمد بن قاسم بیہان سے فارغ ہو کر آگے بڑھا، اور قلعہ بابیہ (یا تلواریہ) پر پہنچا، یہ قلعہ دریائے بیاس کے جنوبی (یا مشرقی) کنارے واقع تھا، (موجودہ دریائے ستلج) یہ پرانا قلعہ شاہی خاندان کے ایک رکن کسکا[۱] نامی کے ماتحت تھا، یہ راجہ داہر کا چچازاد بھائی، چندر کا بیٹا اور سلاہج کا پوتا تھا، جنگِ داہر مین یہ شریک تھا، قتل داہر کے بعد بھاگ کر اس قلعہ پر قابض ہو گیا،

جب عرب بیہان بھی آپہنچے اور اس نے اپنے مین مقابلہ کی طاقت نہ دیکھی، تو اپنے امیرون کو محمد بن قاسم کے پاس کچھ نذرانہ لے کر بھیجا، اور اپنے کفیل دے کر اظہارِ اطاعت کیا، محمد بن قاسم نے ان لوگون کی بڑی عزت کی، اور کسکا کے متعلق حالات دریافت کئے، انھون نے اس کے شاہزادہ ہونے کی تصدیق کی تو محمد بن قاسم نے کہا کہ اگر وہ میرے پاس آئے تو مین اس کی کافی عزت کرون گا، چنانچہ جب کسکا کو معلوم ہوا کہ سپہ سالار نے مجھ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی ہے تو وہ بھی دربار مین حاضر ہو گیا، جہان اس کی ہر طرح سے قدر و منزلت کی گئی، اس کو وزیر مال بنایا گیا، اور مبارک مشیر خطاب ہوا، اور دربار مین محمد بن قاسم کے تخت کے سامنے کرسی پر بیٹھنے کی اجازت اس کو دی گئی، چونکہ وہ ایک فلاسفر اور صاحب علم بھی تھا اس لئے ملکی معاملات مین زیادہ تر انھی سے مشورہ لیتا، اس مقام کا انتظامِ ملکی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۹) کو بھی اس معاملہ مین مغالطہ ہو گیا ہے، اس نے بھی ارور اور بغرور کو ایک ہی سمجھا ہے، لیکن الکامل جلد ۴ صفحہ ۲۶۴ لیڈن مین ان دونون کا نام واو عاطفہ کے بعد ضمیر بھی تثنیہ کی موجود ہے جس سے دو شہر ہونے کا ثبوت ملتا ہے، محمد بن قاسم حجاج کے مرنے کے بعد ملتان سے واپس آگیا ہے، اور ہر وقت خلافت کے حکم کا منتظر رہتا ہوگا، اس لئے اسلامی ممالک سے قریب ترین جگہ اس نے رہنا پسند کیا ہوگا، اس کے علاوہ واپسی ملتان کے بعد وہ جس جگہ مقیم ہوا وہان سے کیلان فتح کرنے کیلئے فوج بھی روانہ کی، اور ظاہر ہے کہ اس نے اسی جگہ کا انتخاب کیا ہوگا کہ بر وقت فوج کو مدد دے سکے، غرض دونون باتون کے لئے راوڑ سے بہتر کوئی دوسری جگہ نہ تھی، پس راوڑ ہی کا دوسرا نام بغرور ہے، لیکن راوڑ کے نام سے کسی باعث عوام میں مشہور ہو گیا، جیسا کہ چچ نامہ ص۲۵۶ سے ظاہر ہوتا ہے،

[۱] چچ نامہ کے ایک نسخہ مین اس کا املا کگسہ ہے اس لئے میرا گمان ہے کہ دراصل اس کا نام کیکا سنگھ نہ ہو،

بھی اس کے سپرد کیا گیا، اور تمام دیگر افسرون پر اس کو برتری دی گئی، محمد بن قاسم اس کو ساتھ لے کر آگے روانہ ہوا، اور دریائے بیاس پار ہو کر قلعہ اسکلندہ کے سامنے جا پہنچا، قلعہ والے بھی نکل کر لڑنے کو تیار ہو گئے، اس قلعہ کا حاکم ملتان کے ناظم کا بھتیجا تھا، جو داہر کے مرنے پر خود مختار ہو گیا تھا،

فتح اسکلندہ

سب سے پہلے عرب فوج کا مقدمہ (ہراول) پہنچا، جو زائدہ بن عمیرہ الطائی اور راج کما "کسکا" کے ماتحت تھا، چونکہ غنیم بالکل سر پر آ گیا تھا، اس لئے محمد بن قاسم کا انتظار کئے بغیر جنگ پر آمادہ ہو گئے، چنانچہ دونون فوجون نے ایک دوسرے پر حملہ کر کے خوب دادِ مردانگی دی، اور بڑی خونریز جنگ کے بعد غنیم شکست کھا کر قلعہ بند ہو گیا، مسلمانون نے فوراً محاصرہ کر لیا، غنیم نے مضبوطی سے تمام پھاٹک بند کر دئیے، اور فصیل پر سے تیر اور منجنیق کے ذریعہ پتھرون کی وہ بارش کی کہ فصیل کے پاس جانا مشکل ہو گیا، اس نے سات رات دن اس استقلال سے جنگ کی کہ کسی نے آج تک مسلمانون سے جم کر ایسا مقابلہ نہیں کیا تھا، لیکن عربون کے استقلال اور جوابی حملون کی شدت نے اس کو حواس باختہ کر دیا، اور سنگھرا کے والیِ اسکلندہ کو اسی مین نجات نظر آئی کہ رات کو وہان سے بھاگ کر اپنے نزدیک کے "سکہ" نامی قلعہ مین چلا گیا،

شہر والون نے جب دیکھا کہ حاکم بھاگ گیا، اور بے پناہ شہر دشمنون کے سامنے ہے تو انھون نے آدمی بھیج کر اطاعت قبول کر لی، اور شہر حوالہ کر دیا، تمام شہری محفوظ رہے، لیکن قلعہ والے فوجی تقریباً چار ہزار مارے گئے، اور ان کے اہل و عیال گرفتار کر لئے گئے،

قلعہ فتح ہونے کے بعد اس نے ملکی انتظام کے لئے عتبہ بن سلمی تمیمی کو یہان کا حاکم بنایا، مالگذاری اور جزیہ کی تشخیص کر کے قلعہ سکہ کی طرف روانہ ہو گیا، جو ملتان سے بہت ہی قریب تھا، یہان کا حاکم "بجرا" (بجے راے) کا نواسہ تھا، سلطنت کے زوال کا اس کے دل پر بڑا گہرا اثر تھا، اس کے دل مین بڑی غیرت تھی، اسی لئے عربون کے آمد کی خبر سنتے ہی اپنی فوج لے کر روانہ ہو گیا اور شام تک پر زور مقابلہ کرتا رہا، لیکن کوئی فیصلہ نہ ہوا، تو قلعہ مین واپس آیا،

فتح سکہ | اس کامیاب حملہ نے اس کی ہمت بڑھادی، اور اسی طرح سترہ دن تک وہ مسلمانوں سے لڑتا رہا، اس جنگ مین مسلمانون کے دوسو پندرہ[215] سپاہی اور پچیس افسر شہید ہوئے، اہل سکہ بھی اسی طرح بے شمار مارے گئے، اور بڑے بڑے قوتِ بازو اس کے کام آگئے، اس سے حاکم کے دل پر مایوسی طاری ہوگئی، اور اپنے پیشرو کی طرح رات کی تاریکی مین خاموشی کے ساتھ اہلِ شہر کو چھوڑکر ملتان چلا گیا، عربون نے آخر اس کو فتح کرلیا، بہترین بہادرون اور افسرون کے مارے جانے کا غم تمام مسلمانون کو تھا، اور اس غصہ مین شہر سکہ کو برباد کردیا گیا، بلاذری نے لکھا ہے کہ آج کل ویران ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے عہد مین اس کے کچھ آثار باقی تھے[1]، اب تو اس کے نام سے بھی لوگ واقف نہیں،

اس وقت تک سندھ کے جس قدر ممالک فتح کئے گئے کسی مین محمد بن قاسم نے ایسی سختی کا اظہار نہیں کیا تھا، جیسا اس وقت ظہور مین آیا، مگر یہ عیب فقط محمد بن قاسم جیسے رحمدل کے لئے ہے، ورنہ دنیا کے تمام فاتح اس سے زیادہ کرچکے ہین، اور اس کے مقابلہ مین تو یہ کچھ بھی نہیں،

فتح ملتان | اب محمد بن قاسم مفتوحہ ممالک کا انتظام کرکے دریاے راوی (موجودہ چناب) سے پار اترا[2]، جو سکہ اور ملتان کے درمیان واقع تھا، اور سکہ کے شمال جانب بہتا تھا، فوج ٹھیک ملتان کے سامنے گھاٹ پر اتری، سپہ سالار نے فوراً فوجی ترتیب دے کر فوج کو جنگ کے لئے آمادہ کرلیا، غالباً اس کو خبر لگ گئی ہوگی کہ غنیم مقابلہ کے لئے آرہا ہے، چنانچہ تھوڑے دقفہ کے بعد ملتانی فوج نمودار ہوئی، جو زیر کمان والیِ سکہ تھی، غالباً اس نے ارادہ کرلیا تھا، کہ سکہ کی شکست کا بدلہ عربی فوج سے یہان لے گا، اس نے بڑا زبردست حملہ کیا، اور اس سختی سے کیا کہ اگر عربی فوج تجربہ کار نہ ہوتی تو اس کے شکست کھانے مین کوئی شبہ نہ تھا، یہ جنگ شام تک ہوتی رہی مسلمانون کے مشہور افسر

---

[1] بلاذری ص ۴۳۹ لیدن [2] بلاذری مین راوی کی جگہ بیاس لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ مین راوی کو بیاس کا معاون سمجھتے تھے،

زائدہ بن عمیرہ الطائی نے اس جنگ مین شہادت پائی، اور اس شہادت نے مسلمانون مین ایسا جوش پیدا کر دیا کہ ہر مسلمان سر فروشی کے لئے تیار ہو گیا، چنانچہ ایک پر زور حملہ کر کے غنیم کو فرار ہونے پر مجبور کر دیا، جنھون نے قلعہ مین جا کر پناہ لی[1]،

چچ نامہ مین ہے کہ دوسرے دن بھی قلعہ سے باہر نکل کر ملتانی فوج حملہ آور ہوئی مگر پسپا کر دی گئی، اور پھر قلعہ سے باہر نکلنے کا ان کو حوصلہ نہ ہوا، اور فصیل سے تیر پتھر وغیرہ برسانے لگے،

عربون نے یہ دیکھ کر قلعہ کا محاصرہ کر لیا، بیس روز تک محاصرہ رہا، مگر کسی نے بھی فتح کا دروازہ نہیں کھولا، اب عربی فوج پریشان ہونے لگ گئی، ارور، نیرون، برہمن آباد جہان عربون کے مرکز تھے، وہان سے یہ مقام دور تھا، سامان رسد ختم ہو گیا، آس پاس کا راستہ نامعلوم، ملک ریگستان، پانی کمیاب، غرض نوبت یہان تک پہنچی کہ لوگ باربرداری کے گدہے ذبح کر کے کھانے لگے، اور ان کی قیمت گھوڑون سے زیادہ ہو گئی، چنانچہ ایک ایک گدھے کی قیمت پانچ سو درہم سے زیادہ تھی، آخر ایک سندھی نے ایک نالہ کا پتہ دیا جو مقام بسمد کے چشمہ سے نکل کر ایک جھیل مین جمع ہوتا تھا، اور ملتان کے شہری اسی سے فائدہ اٹھاتے تھے، لوگ اس کو نلاح یعنی نالہ کہتے تھے، مسلمانون نے اس کے پانی کا رخ بدل دیا، ملتانی پیاسے مرنے لگے، مجبوراً قلعہ سے باہر نکل کر جنگ پر آمادہ ہو گئے[2]،

ملتان کی حکومت اس وقت گورسنگھ کے ہاتھ مین تھی، جو راجہ داہر کے بھائی چندر کا لڑکا تھا، اس نے دیکھا کہ ملتان کی فوج لڑتے لڑتے تھکی جا رہی ہے، اور کسی جگہ سے کوئی امید نظر نہیں آتی جہان سے کمک ملے، آخر اس نے یہ ارادہ کر کے کہ راجہ کشمیر کے پاس جائے اور امدادی فوج لا کر عربون کو شکست دی جائے، رات کی تاریکی مین ملتان سے چل دیا، لیکن ملتانی فوج پر اس کا

---

[1] بلاذری ص ۴۳۹ لیدن [2] بلاذری نے لکھا ہے کہ جب پیاسے مرنے لگے تو مجبور ہو کر اطاعت قبول کر لی، لیکن چچ نامہ مین وہ لکھا ہے جو مین نے متن مین تحریر کیا ہے،

کچھ اثر نہ ہوا، سپاہی روزانہ کی طرح جنگ کرتے رہے عربون نے گو اس سے قبل چھ چھ ماہ تک قلعون کا محاصرہ جاری رکھا تھا، مگر یہان کچھ ایسی صورت پیدا ہو گئی تھی کہ وہ پریشان ہو گئے تھے، اور بڑی بےچینی سے قلعہ کے ایک ایک کونہ کو دیکھتے تھے کہ جہان کہین بھی کوئی رخنہ نظر آئے تو گھس پڑین اور فتح کر کے اپنے کو فاقون سے نجات دین،

ایک دن اتفاقاً ایک شخص قلعہ سے نکلا، جو گرفتار کر لیا گیا، اس نے پناہ مانگی، اس کو پناہ دی گئی، اس سے قلعہ کا حال دریافت کیا گیا، اور وہ مقام معلوم کرنے کی کوشش کی گئی جو کمزور ہو اور باسانی اسے توڑ کر قلعہ کے اندر جا سکین، چنانچہ اس نے ایک جگہ شمالی جانب دریا کے کنارے کی طرف اشارہ کیا، محمد بن قاسم نے منجنیق اسی طرف نصب کرا کر دو تین دن تک اس قدر پتھر برسائے کہ آخر وہ دیوار ٹوٹ گئی، اور راستہ نکل آیا،

ملتانی فوج نے جب یہ دیکھا کہ دیوار شکست کے قریب ہے، تو دروازہ کھول کر نکل آئی، اور بہت سخت حملہ کیا، مسلمان تو اس کے منتظر ہی تھے، انھون نے جم کر ایسا سخت مقابلہ کیا کہ کسی طرح ملتانی ٹھہر نہ سکے اور اس بدحواسی سے بھاگے کہ تعاقب کرنے والے عربون کا بھی خیال نہ رہا، شہر کا پھاٹک کھلا رہ گیا، اور عرب فاتحانہ اندر داخل ہوئے، غرض مسلمان دونون طرف سے شہر مین داخل ہوئے، امن پسند شہری ہر طرح سے محفوظ رہے، البتہ مسلح فوجی سپاہی جو برسرپیکار تھے، تقریباً چھ ہزار مارے گئے[1]، اور ان کے اہل وعیال گرفتار کر لئے گئے، لوٹ کا مال جمع ہوا اور

---

[1] بلاذری مین مندر کے پجاری جو قتل کئے گئے چھ ہزار لکھا ہے، جو کسی طرح عقل مین نہیں آتا، درحقیقت واقعہ یہ ہوگا کہ مسلح فوجی لوگ شکست کھا کر مندر مین جمع ہو گئے ہون گے یا خود مندر کے مسلح محافظ ہون گے، ورنہ غیر مسلح امن پسند مندر کے پجاری چھ ہزار کی تعداد کو محمد بن قاسم جیسا نرم دل فاتح قتل کرا دے، اس کے اخلاق اور حالات کو دیکھتے ہوئے ناممکن نظر آتا ہے، چچ نامہ کے مصنف نے چھ ہزار کے ساتھ لفظ "مردانِ جنگی" کا استعمال کیا ہے، جس سے میرے قیاس کی تائید ہوتی ہے،

تمام سپاہیون پر تقسیم ہوگیا، ہر سپاہی کے حصہ مین سوا سو درہم آئے، اور ہر سوار کو چار سو درہم ملے،[1] یہ واقعہ سنہ ۹۵ھ کا ہے،

ملتان کا خزانہ حجاج بن یوسف ثقفی نے فتح سندھ کی اجازت لیتے وقت خلیفہ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ فتح سندھ پر جس قدر خرچ ہوگا، اس کی دونی رقم خزانہ مین داخل کردون گا، محمد بن قاسم کو بھی یہ بات معلوم تھی اور وہ بھی ہر فتح کے بعد خزانہ مین ایک رقم بھیجتا رہا، محمد بن قاسم نے یہ رقم کب کی ادا کردی ہوتی، لیکن وہ اس قدر رحمدل فاتح تھا کہ فتح کے بعد سندھیون کے ساتھ ایسی ایسی رعائتیں اور فیاضیاں کرتا کہ خود اس کے پلے کچھ نہ پڑتا، فتح ملتان مین سپاہیون نے بڑی تکلیف اٹھائی تھی، اس لئے اس جگہ سپاہیون کی دلدہی کی گئی، اور خوب دیا گیا، ایسی صورت مین قدرتی طور پر یہ بات ظہور مین آئی کہ جس قدر خزانہ مین داخل ہونا چاہئے تھا نہ ہوا، محمد بن قاسم کو اس کی بڑی فکر تھی، وہ اسی سوچ مین تھا کہ ایک برہمن حاضر ہوا، اور کہنے لگا کہ ہمارا زوال ہوگیا، اور دیکھتا ہون کہ خدا ہر کام مین آپ کا معاون ہے، اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ کی مخالفت بے سود ثابت ہوگی، اس لئے میرا فرض ہے کہ آپ کی اطاعت کے ساتھ ہر قسم کی امداد کرون، زمانۂ قدیم مین کشمیر کا ایک شاہزادہ یہان کا حاکم تھا، جس کا نام "جے بادین" تھا، اپنے آخر زمانہ مین ترک دنیا کرکے عابد ہوگیا تھا، اور شب و روز کی ریاضت سے اس مین زہد و اتقا کے آثار پیدا ہوگئے تھے، اس کی دینی اور دنیاوی دونون طاقتون کے باعث

---

[1] چچ نامہ مین جو رقم ساٹھ ہزار بتائی گئی ہے، اس حساب سے سوارون کی تعداد صرف ۱۵۰ ہوتی ہے، اور یہ بالکل خلاف قیاس بات ہے، کہ ملتان جیسے شہر پر صرف ایک سو پچاس سوارون سے حملہ کیا ہو، اور آگے چل کر خود سوارون کی تعداد پچاس ہزار لکھی ہے، اس لئے دو باتون مین سے ایک معلوم ہوتی ہے، یا یہ کہ ساٹھ ہزار کی رقم نہین بلکہ ساٹھ لاکھ ہوگی، اس صورت مین سوارون کی تعداد پندرہ ہزار ہو جاتی ہے، جو قرین قیاس ہے، غالباً مصنف یا کاتب سے سہو ہوگیا ہے، یا اگر مکتوبہ رقم کو صحیح تسلیم کرلین، تو ماننا پڑے گا کہ سوارون مین سے صرف ان سوارون کو انعام دیا گیا، جنھون نے اس جنگ مین کارنمایان انجام دیا تھا جن کی تعداد ۱۵۰ تھی،

کسی راجہ کو اس پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی،

چند سال کے بعد اس کے پاس بڑی دولت جمع ہوگئی، اور ہمسایہ راجون مین سے کوئی اس کا ہمعصر دولت مین نہ تھا، راجہ نے دولت کی فراوانی دیکھ کر شہر کے مشرق جانب ایک حوض تیار کرایا، جو ایک سو گز کے دور مین تھا، اور اس کے وسط مین ایک خوبصورت مندر بنوایا، جس کا دور پچاس گز تھا، اس مندر مین ایک کمرہ دس گز لمبا آٹھ گز چوڑا بھی تھا، اس مین سونے کی خاک کے چالیس مستی مٹکے رکھ دئے، اس کے ساتھ دو سو تیس من سونا رکھ کر اوپر سے اس کو پاٹ دیا، اور اس پر ایک مندر تعمیر کر کے سونے کی مورتی (بت) نصب کردی، اور حوض کے گرد درخت لگوا دئے جو آج تک موجود ہین،

محمد بن قاسم اٹھ کھڑا ہوا اور برہمن کو ساتھ لے کر وہان پہنچا، محمد بن قاسم نے تاریکی مین ایک شخص کو محسوس کر کے تلوار کھینچ لی، وار کرنا ہی چاہتا تھا کہ برہمن نے کہا کہ صاحب! وہ بت طلائی یہی ہے جس کی آنکھین یاقوت کی ہین، جو اندھیرے مین روشن نظر آتی ہین، مورتی وہان سے ہٹائی گئی تو دروازہ نظر آیا، اندر سے ۲۳۰ من سونا خالص، اور تیرہ ہزار دو سو ۱۳۲۰۰ من خاکِ طلا تانبہ کے مٹکون مین ملی،[1]

اسی درمیان مین حجاج کا خط پہنچا کہ

"اے چچا کے لڑکے! تمہیں یاد ہوگا کہ تمہاری روانگی سے پہلے مین نے خلیفہ سے یہ عہد کیا تھا کہ بیت المال سے جس قدر روپیہ اس مہم مین خرچ کیا جائے گا، اس کی دوگنی رقم داخل کردی جائے گی، اس عہد کا پورا کرنا ہم پر فرض ہے، اپنی فتوحات کا دائرہ ہمیشہ وسیع کرتے رہو، اشاعت اسلام کا خاص خیال رکھو، جو بڑا یا قدیم شہر ہو وہان مسلمانون کے لئے مسجد ضرور تعمیر کیا کرو۔

---

[1] چچ نامہ ص ۱۰۱،

نقشہ فتوحات مشرقی سندھ محمد بن قاسم ۹۳ھ

شمال
جنوب
مشرق
مغرب

سندھ
جہلم
رکلندہ
چناب
راوی
بیاس
ستلج
سرہند
کنوج
ملتان
کرور
اجتہاد
سکہ
ہکرا (جو اب خشک ہوگیا ہے)
یاداہان
جے پور قدیم
اودے پور قدیم
برہمن آباد
جل والی ندی
ڈانڈا جھیل
بھادرر
سیسم دیبی
قنزابیل
قز دار
دیبل
قنبلی
ارمابیل
ساکرہ
نالہ
قلعہ
قلعہ اشہاب
نیرون
گوک ندی
ودھا

محمد بن قاسم نے اس خط کے پاتے ہی خزانہ کا سونا مع طلائی بت اور ملتان کی لوٹ کا پانچواں حصہ کشتی کے ذریعہ دیبل کے راستہ سے عراق روانہ کر دیا، حجاج یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا، اور بے اختیار کہہ اٹھا کہ اب ہمارا غصہ فرو ہوا، کیونکہ صرف شدہ رقم کا پورا دوگنا خزانہ مین داخل ہوا، چھ کرور درہم اور داہر کا سر ہم کو نفع مین ملا[1]،

اس سے معلوم ہوا کہ کل رقم جو فتح سندھ کے لئے محمد بن قاسم کو دی گئی، وہ چھ کرور درہم تھے، اور محمد بن قاسم نے خزانہ مین پورے بارہ کرور داخل کئے، جو موجودہ عہد مین تین کرور روپئے کے برابر ہے، ابن خردازبہ نے لکھا ہے کہ

اس خزانہ کی اس عہد میں بڑی دھوم مچی اور لوگ ملتان کو "فرج بیت الذہب" کہنے لگے جس کے معنی سنہری سرحد کے ہین، کیونکہ محمد بن قاسم بن یوسف نے جو حجاج بن یوسف کے بھائی کا لڑکا تھا، ایک مکان مین چالیس بھارا سونا پایا، اور بھارا ۳۳۳ من کا ہوتا ہے، اس حساب سے کل بھارہ مین ۱۳۳۲۰ من سونا ہوا جس کے ۲۳۹۷۶۰۰ مثقال اور ۴۵۹۶۴۰۰ درہم ہوتے[2]،

سرحدی قلعون کی فتح

ملتان فتح کرنے کے بعد محمد بن قاسم نے انتظامی امور کی طرف توجہ کی، جزیہ اور خراج کی تشخیص کی، لوگون کو اطمینان دلایا، خاص ملتان کا حاکم امیر داؤد نصر بن ولید عمانی کو بنایا، اور ضلع ملتان کی حکومت عکرمہ بن ریحان شامی کے ہاتھ مین دی،

ملتان سے آگے جھیلم دریا پر ایک قلعہ "برہما پور" کے نام سے مشہور تھا، ان لوگون نے جب ملتان کی حالت دیکھی تو خود ہی مطیع ہو گئے، سپہ سالار نے اس کو سرحدی مقام سمجھ کر خزیم بن عبدالملک تمیمی کو یہان کا والی بنایا، اس کے علاوہ ملتان کے آس پاس کے قلعون پر مختلف معتبر آدمی مقرر کئے، چنانچہ احمد بن خزیمہ بن عتبہ مدنی کو اجتہاد . اور کرور کا قلعہ سپرد ہوا،

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۴۴۴ لیدن [2] المسالک الممالک صفحہ ۵۶ لیدن،

ان انتظامات سے فارغ ہو کر محمد بن قاسم نے فوج کو کچھ دنون کے لئے آرام دیا جس کی تعداد پچاس ہزار (سوار) تھی، اور اسی لئے خود بھی ملتان مین مقیم رہا،

کنوج کا ارادہ

اس وقت راجہ داہر کا تمام مقبوضہ محمد بن قاسم کے تصرف مین آچکا تھا، شمال مین کشمیر کی سرحد، جنوب مین بحر عرب، مغرب مین بلوچستان، (مکران)، مشرق مین دریاے راوی، اس لئے اب اس کی نظر سندھ سے باہر جانے لگی، اور اس نے قنوج (کنوج) کا ارادہ کیا، یہ قنوج (کنوج) کی ریاست سندھ کی سرحد سے لے کر پنجاب، بنگال اور بنگال کے درمیان تھی، اور بہ نسبت دیگر شہرون کے ملتان سے اس کی سرحد زیادہ قریب تھی، یہان کا راجہ خود مختار تھا، اور سندھ کے فتوحات کے جو اسباب پیدا ہو گئے تھے، وہ باقی نہ رہے تھے، کیونکہ راجہ قنوج (کنوج) کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تنازعہ نہ تھا، اس لئے محمد بن قاسم نے ایک عریضہ خلیفہ کی خدمت مین ارسال کر کے اجازت طلب کی، خلیفہ ولید بن عبد الملک متوفی ۹۶ھ نے بڑی خوشی سے اس کی اجازت دے دی، اور ایک خط راجہ قنوج (کنوج) کے نام تحریر کر کے بھیجدیا کہ اپنے سفیر کی معرفت راجہ تک پہنچا دے،

محمد بن قاسم نے دس ہزار فوج کے ساتھ ابو حکیم شیبانی کو سفیر بنا کر روانہ کیا، چلتے وقت کہا کہ راجہ کے دربار مین پہنچکر پہلے خلیفہ کا خط دینا، اور زبانی بھی پہلے اسلام کی دعوت دینا، نہ مانے تو جزیہ اور خراج کے ساتھ اطاعت پر مائل کرنا، اس سے کہنا کہ سمندر سے لے کر کشمیر کی حد تک تمام راجون نے ہماری اطاعت قبول کر لی ہے، اور جو کچھ جواب ملے، اس کی اطلاع فوراً مجھے کرنا،

شیبانی دس ہزار فوج لے کر قنوج کی طرف چلا، جہان کے راجہ کا نام "جنبل رائے" تھا، وہ اودے پور پہنچا تھا کہ راہ کی مشکلات کو دیکھ کر وہین ٹھہر گیا، غالباً وہان کے راجہ نے غیر ملکی فوج کو اپنے ملک مین راستہ دینے سے انکار کر دیا ہوگا، اس لئے اپنی طرف سے زید بن عمر کلابی کو سفارت پر روانہ کیا،

ادھر محمد بن قاسم نے ملتان سے کوچ کیا، اور کشمیر کی سرحد پر پہنچ کر ان درختوں کا معائنہ کیا،
جن کو چچ نے اپنے ہاتھ سے لگایا تھا، دریائے جہلم کے ابتدائی پانچ چشمے اسی جگہ سے نکلے ہیں،
اس وقت یہ کشمیر کی حد میں شامل ہیں محمد بن قاسم معائنہ کے بعد سرحدی نشانات مستحکم کرکے ملتان واپس آیا،

اسلامی سفارت جب راجہ قنوج کے دربار میں پیش ہوئی تو خلیفہ کا خط پڑھ کر راجہ بڑا برہم ہوا،
اس نے کہا کہ تقریباً ایک ہزار چھ سو برس سے یہاں کی حکومت ہمارے خاندان میں چلی آتی ہے،
اور کسی کو ایسی جرأت نہ ہوئی، دوسرے راجوں نے تمہاری بات سن لی ہو، تو وہ سن لیں، مگر
کیونکر ممکن ہے کہ ہم خون کا ایک قطرہ گرے بغیر ملک تمہارے سپرد کردیں، سفیروں کا خون بہانا
ممنوع ہے، ورنہ تم زندہ واپس نہ جاتے، جاؤ اور اپنے آقا سے کہدو کہ تلوار ہی اس کا صحیح فیصلہ کریگی،

محمد بن قاسم کو جب یہ پیغام ملا تو اپنے معزز افسروں اور مشیروں کو جمع کرکے ایک تقریر کی،
اور خدا کی راہ میں بہادری کے ساتھ جان دینے کے لئے سب کو آمادہ کیا، اور ساتھ ہی قنوج کے
ساتھ جنگ کا اعلان کردیا، لیکن ابھی کوچ کرنے نہ پایا تھا کہ ایک عجیب حادثہ پیش آیا،

حجاج کی موت

حجاج بن یوسف ثقفی جو اس وقت تک اس کا بڑا سرپرست تھا، شوال ۹۵ھ میں
اس کا انتقال ہوگیا[2]، اس واقعہ سے محمد بن قاسم بڑا متاثر ہوا، کیونکہ سندھ کا علاقہ عراق کے حاکم اعلیٰ کے
ماتحت تھا، سب سے بڑا خدشہ یہ تھا کہ خدا جانے اب کون حاکم اعلیٰ ہو، اور اس کی پالیسی اس صوبہ کے لئے
کیا ہو؟ انہی اسباب کی بنا پر وہ ملتان سے لوٹ آیا، اور بغرور (دراور) میں مقیم ہوا، تاکہ دار الخلافہ
سے حتی الامکان وہ قریب تر رہے،

بھیلمان وغیرہ کی فتح

اس اثنا میں اس نے ایک فوج بھیلمان[1] روانہ کردی، جو سندھ، گجرات،
کاٹھیاوار اور مارواڑ کی سرحد پر واقع تھا، اور کسی زمانہ میں بھیلوں اور پھر گوجروں کا پایۂ تخت تھا،

[1] بھیلمان (بھیل مان) اس کو عرب مورخ (بلاذری) نے بیل مان لکھا ہے کامل جلد ۴ صفحہ ۲۶۱ لیڈن، [2] فتوح البلدان صفحہ ۴۴۴ لیڈن،

یہاں کے لوگوں نے جنگ کرنا نامناسب سمجھ کر اطاعت قبول کر لی، اور سرست (سورٹھ) کے لوگوں نے بھی آ آکر اطاعت کا اظہار کیا،

محمد بن قاسم ان ممالک کو باسانی فتح کر کے کیرج یا کورج (جے پور) کی طرف بڑھا اور حملہ آور فوج کی کمان خود لی، یہاں کے راجہ کا نام "دوہر" تھا، جو ہندوستانی راجوں میں مشہور تھا، دوہر بھی اپنی فوج لے کر بڑھا، اور سخت خونریز جنگ کے بعد اس کو شکست ہوئی، اور عین معرکہ کارزار میں بہادری کے ساتھ اس نے جان دی، ایک عربی شاعر نے فخریہ طور پر کہا ہے:-

نحن قتلنا داھرًا ودوھرا ؎ والخیل تردی منسرا فمنسرا

ہم نے داہر اور دوہر دونوں راجوں کو قتل کیا، اور گھوڑے گدھ کی طرح اپنی ٹاپوں سے برابر چونچ مارتے تھے،

مسلمانوں نے غنیم کو شکست دی، اور شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا،

محمد بن قاسم کی گرفتاری! حجاج بن یوسف ثقفی کے مرنے کو آٹھ ماہ ہوئے تھے کہ جمادی الثانی سنہ ۹۶ھ میں خلیفہ ولید بن عبد الملک کا دمشق پایہ تخت شام میں انتقال ہو گیا، اور سلیمان بن عبد الملک تخت نشین ہوا، عبد الملک نے انتقال کے وقت ولید کے بعد سلیمان کو ولی عہد قرار دیا تھا لیکن ولید نے اپنے لڑکے عبد العزیز کو اس کی جگہ مقرر کرنا چاہا، موسیٰ افریقہ کا حاکم اعلیٰ اور حجاج مشرقی ممالک (عراق، خراسان، ترکستان، سندھ) کا حاکم اعلیٰ، اس کے قوت بازو تھے، دونوں نے اس کی تائید کی، لیکن کام ابھی انجام کو نہ پہنچا تھا کہ ولید خود چل بسا، اور سلیمان تخت پر قابض ہو گیا، سلیمان کو حجاج سے مختلف معاملے میں اختلاف رہا، اور خصوصاً آل مہلب کے معاملہ میں تو یہ اختلاف عداوت سے مبدل ہو گیا، تخت نشینی کے بعد اس نے تمام لوگوں سے انتقام لینا چاہا جو اس کے مخالف تھے،

۱؎ فتوح البلدان صفحہ ۴۲ لیدن ۔ ع؎ سورٹھ کاٹھیاوار کا قدیم نام ہے، غالباً سورٹھ کے اس علاقہ کے کسی ٹھاکر نے اطاعت قبول کر لی ہوگی، جو علاقہ بھیلمان سے ملتا ہوا ہوگا، ورنہ سورٹھ میں محمود غزنوی سے پہلے کوئی مسلمان حاکم نہیں آیا، اور پایہ تخت سورٹھ کو محمد تغلق سے پہلے کسی نے فتح نہیں کیا،

لیکن اس کا سب سے بڑا دشمن حجاج مرچکا تھا، البتہ اس کے دو ماتحت گورنر زندہ تھے قتیبہ بن مسلم گورنر ترکستان اور محمد بن قاسم گورنر سندھ، اور چونکہ ان دونون نے بھی حجاج کا ساتھ دیا تھا، اس لئے یہ دونون مجرم قرار دئے گئے، اور خصوصاً محمد بن قاسم کہ حجاج کا داماد اور بھتیجا تھا، دشمنون کی نگاہ مین بہت کھٹکتا تھا،

سلیمان نے عراق کا اعلیٰ حاکم یزید بن مہلب کو بنایا جو حجاج اور اس کے خاندان کا پرانا دشمن تھا، اس نے محکمۂ خراج کا حاکم صالح بن عبدالرحمٰن خارجی کو بنایا، یہ شخص خاندان حجاج کا سخت ترین دشمن تھا، کیونکہ حجاج نے خارجیون کو تباہ کردیا تھا، اور ہزارون آدمی اس جماعت کے مارڈالے تھے، خصوصاً صالح کے بھائی آدم کو اسی جرم مین قتل کیا تھا، اس لئے صالح انتقام کے لئے بیچین تھا، عبدالملک بن مہلب اس کام مین اس کا شریک ہوگیا، چنانچہ ان دونون نے تمام خاندان کو پکڑ کر قتل اور قید کرنا شروع کیا،

اسی ضمن مین محمد بن قاسم بھی مجرم قرار پاکر حکومت سے معزول کیا گیا، اور یزید بن ابی کبشہ سکسکی سندھ کا والی مقرر ہوا، جس نے سندھ پہنچکر محمد بن قاسم کو گرفتار کرلیا، مجرمون کی طرح ٹاٹ کے کپڑے پہنائے، ہاتھ، پاؤن مین ہتکڑی اور بیڑی ڈال کر معاویہ بن مہلب کے ساتھ عراق روانہ کردیا،[۱]

محمد بن قاسم نے افسوس کے لہجہ مین مندرجۂ ذیل شعر پڑھا،

اضاعونی وای فتیً اضاعوا لیوم کریہۃ وسداد ثغر[۲]

لوگون نے مجھے ضائع کردیا اور کس جوان کو ضائع کیا، وہ جوان جو مصیبت کے دن کام آئے اور سرحدون کی مضبوطی کے لئے نہایت مناسب ہو،

محمد بن قاسم جب عراق پہنچا تو واسط کے جیل خانہ مین اس کو بھیجدیا گیا، چنانچہ خود محمد بن قاسم نے کہا ہے

۱؎ یعقوبی جلد اول صفحہ ۳۵۶ لیدن، لیکن یعقوبی نے معاویہ کے عوض حبیب بن مہلب لکھا ہے ۲؎ بلاذری صفحہ ۴۴۰ لیدن،

فلئن ثویت بواسط وبارضها — رهن الحدید مکبلا مغلولا[1]

فلرب فتیة فارس قد رعتها — ولرب قرن قد ترکت قتیلا[1]

اگر میں شہر واسط اور اس کی سرزمین میں طوق اور بیڑی پہنے مرجاؤں، تو کوئی مضائقہ نہیں، اس لئے کہ بہت سے شہسوار تھے جن کے دل میں میں نے ہیبت بٹھا دی ہے اور بہت سے حریف میرے مقابلہ میں آئے تو میں نے ان کو مار کے ڈال دیا،

اس جیل خانہ میں اس کو اور اس کے خاندان کو دن رات سخت سزائیں دی جاتی تھیں جسکو بڑے تحمل سے برداشت کرتا، اور باوجود اس قدر مظالم برداشت کرنے کے حق گوئی سے باز نہ آتا، چنانچہ اپنے مخالفوں کی نسبت وہ کہتا ہے :-

لو کنت اجمعت الفرار لوطئت — اناث اعدت للوغی و ذکور

وما دخلت خیل السکاسک ارضنا — ولا کان من عک علی امیر

ولا کنت للعبد المزونی تابعا — فیا لک دهر بالکرام عثور[2]

"اگر میں ثابت قدمی سے کام لیتا تو وہ عورتیں اور مرد جو لڑائی کے لئے فراہم کئے گئے تھے، روند ڈالے جاتے، قبیلہ سکسکی (یزید بن ابی کبشہ کی قوم) کے سوا کبھی ہماری زمین میں نہیں داخل ہوتے، اور نہ کبھی قبیلۂ عک میں کا کوئی شخص مجھ پر سردار مقرر ہوتا، اور نہ میں مزونی (عمانی) غلام کا کبھی تابع ہوتا، افسوس! اے زمانہ! جو شرفاء کو ٹھوکر دیتا ہے"

واقعی اگر وہ مخالفت پر کھڑا ہو جاتا جب کہ قتیبہ بن مسلم والیٔ ترکستان بھی بغاوت پر آمادہ تھا تو سلیمان بن عبدالملک کے لئے بڑے مصائب کا سامنا ہوتا؛

موت | محمد بن قاسم کو ہر قسم کی سزائیں دی گئیں اور آخر تکالیف اور مصیبت جھیل جھیل کر محمد بن قاسم

[1] بلاذری صفحہ ۴۴۱، [2] ایضاً صفحہ ۴۴۲،

اسی جیل مین وفات پاگیا

محمد بن قاسم کی موت پر ہندوستان اور عرب کے لوگ خون کے آنسو روئے، چنانچہ اس کے مرثیہ مین ایک عربی شاعر جس کا نام حمزہ بن بیض الحنفی ہے، کہتا ہے[1]:-

انا الشجاعة والسماحة والندی ۔۔۔ لمحمد بن القاسم ابن محمد

قاد الجیوش لسبع عشرة حجة ۔۔۔ یا قرب ذالک سوددا من مولد

"بہادری، دل کی بڑائی اور فیاضی محمد بن قاسم بن محمد کے حصے مین تھیں، سترہ ہی سال کی عمر میں فوجون کا سردار بن گیا، یہ سرداری زمانۂ ولادت سے کس قدر قریب تھی (یعنی کس قدر جلد سردار بن گیا)

ایک اور شاعر کہتا ہے:-

ساس الرجال لسبع عشرة حجة ۔۔۔ ولداته عن ذاک فی اشغال

سترہ ہی برس کی عمر مین یہ سردار بن گیا، اور اس کے ہمسن لڑکے ابھی کھیل ہی مین لگے ہوئے ہین،

سندھیون نے بھی محمد بن قاسم کی موت کا بڑا ماتم کیا، چنانچہ کیرج (کورج یا جے پور) کے باشندے جن کو اس نے اپنے آخری عہد مین مفتوح بنایا تھا، اس کی بہادری، فیاضی اور مروت اور احسان کی یاد تازہ رکھنے کے لئے اس کا اسٹیچو (مورتی یا بت) بنا کر اپنے شہر میں نصب کیا، بلاذری مین ہے:-

بکی اهل السند علی محمد وصوروه بالکیرج[2] ۔۔۔ ہندوستان والے (مراد سندھی) اس پر روئے، اور اسکی مورت کیرج میں قائم کی،

افسوس کہ سلیمان بن عبد الملک نے محض اپنی ذاتی عداوت کا انتقام لینے کے لئے مسلمانون کو کیسا سخت نقصان پہنچایا، کیسے بڑے بڑے اولوالعزم فاتح جو یورپ، ہندوستان، ترکستان اور چین کو فتح کر کے اسلام کا بول بالا کرنے والے تھے، ان کو اس نے خاک مین ملا دیا،

---

[1] یعقوبی مین اس شاعر کا نام زیاد اعجم لکھا ہے، صفحہ ۳۴۵

[2] بلاذری صفحہ ۴۴۵ طبع یورپ

سندھ کا والی

یزید بن ابی کبشہ سکسکی جو سندھ کا گورنر (والی) مقرر ہوا تھا اس نے سندھ پہنچکر صرف یہی ایک کام کرنے پایا تھا کہ محمد بن قاسم کو گرفتار کرکے عراق بھیجدیا وہ سندھ پہنچنے کے اٹھارہوین دن فوت ہوگیا

محمد بن قاسم کی گرفتاری اور سکسکی کی موت نے سندھ مین بدنظمی پیدا کردی، مسلمان مجاہدین جو جاگیردار تھے، اپنی اپنی جاگیرون مین چلے گئے، سندھی جو محمد بن قاسم کے فیاضانہ سلوک سے متاثر ہوکر ساتھ دے رہے تھے، وہ بھی اپنے اپنے گھرون کو چل دئے، غرض اس بدامنی کا نتیجہ یہ نکلا کہ جے سنگھ راجہ داہر کا لڑکا جو اسی وقت کا منتظر تھا، واپس آکر برہمن آباد پر اس نے قبضہ کرلیا، اور اکثر جگہ کے لوگ باغی ہوگئے،

حبیب بن مہلب والی سندھ

سلیمان بن عبد الملک خلیفۂ دمشق کو جب اس بدامنی کا حال معلوم ہوا تو یزید بن مہلب اعلی حاکم عراق کے بھائی حبیب بن مہلب کو سندھ کا والی بنایا، وہ سندھ پہنچکر دریا کنارے خیمہ زن ہوا، ارور کے لوگون نے اطاعت قبول کرلی، اور جن لوگون نے سرکشی کی سزا کو پہنچے، غالباً سکسکی کی موت اور حبیب کے سندھ پہنچنے کے درمیانی عرصہ مین عامر بن عبد اللہ بھی چند دن کے لئے سندھ کے والی (یا قائم مقام والی) رہے،

۲۰ صفر ۹۹ھ مین سلیمان بن عبد الملک نے انتقال کیا اور حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفہ ہوئے انھون نے یزید بن مہلب کو عراق وخراسان سے اور اس کے بھائی حبیب بن مہلب کو سندھ سے معزول کرکے بجرم خیانت قید خانہ مین بھیجدیا، اور عجب خدا کی شان کہ جس طرح یزید بن مہلب نے محمد بن قاسم اور آل حجاج کو ستایا تھا، اسی طرح خدا نے اس کو بھی یہ دن دکھایا، حبیب کی جگہ سندھ کا والی عمر بن مسلم باہلی کو (جو قتیبہ بن مسلم فاتح ترکستان کا بھائی تھا) بنایا،

عمر بن عبد العزیز اور دعوت اسلام

سنہ ۱۰۰ھ مین خلیفہ عمر بن عبد العزیز نے تمام راجون اور ٹھاکرون اور زمیندارون کے نام تبلیغی خطوط روانہ کئے، چنانچہ اکثرون نے اسلام قبول کیا، اور بعض لوگون نے

خراج اور جزیہ دینا قبول کیا، اور اپنے مذہب پر قائم رہے، جو لوگ مسلمان ہو گئے ان کی جائداد و دیگر مقبوضات ان کے قبضہ ہی مین رہنے دئے گئے، اور مسلمانون جیسا سلوک ان کے ساتھ کیا جاتا، جے سنگھ بن داہر بھی انہی لوگون مین سے تھا،[1]

عمر بن مسلم باہلی نے سندھ آکر امن و امان قائم کیا، پھر ہندوستان کے ملکون پر (غالباً دریا راوی کے آس پاس) حملہ آور ہوا، اور فتوحات حاصل کر کے واپس گیا، اس کے بعد سندھ کے شمالی علاقہ سے متصل (قصبہ یا کش) کچھ پر حملہ کیا جو جالندھر سے ملا تھا، اور جہان کے راجہ کو بلھرا (دلبھ رائے) کہتے تھے،[2] باہلی نے آخر "کش" (کچھ) پر فتحیابی حاصل کر لی، اور ممالک مفتوحہ مین اس کو بھی داخل کر لیا

آل مہلب کی بغاوت سنہ ۱۰۱ھ مین خلیفہ عمر بن عبد العزیز نے وفات پائی، اور یزید بن عبد الملک تخت خلافت پر بیٹھا، خلیفہ عمر بن عبد العزیز کی علالت کے دنون مین یزید بن مہلب جو ترکستان کا گورنر تھا، اور بجرم خیانت قید تھا جیل سے بھاگ نکلا، اور تمام رشتہ دارون کو بھی نکال لے گیا، اس نے یزید بن عبد الملک کے ابتدائی عہد مین تمام مشرقی ممالک پر قبضہ کر لیا، چنانچہ سندھ پر بھی اپنا ایک معتبر آدمی وداع بن حمید ازدی کو بھیجا دیا، تاکہ قندابیل کو مستحکم بنا کر تیار رکھے، اور بوقت ضرورت پایۂ تخت دمشق سے دور دراز ملک سندھ مین آکر پناہ لے سکے، لیکن وہ بصرہ کی جنگ مین مارا گیا، اور اس کا لڑکا معاویہ بن یزید بن مہلب اپنے خاندان کو لے کر مکران پہنچا، اور وہان سے قندابیل بصد مشکل آیا، غالباً مصلحۃً وداع نے ان کو شہر مین داخل ہونے نہ دیا، ادھر خلافت کی طرف سے ہلال بن احوز تمیمی ان کا تعاقب کرتا ہوا پہنچا، اور ان کا محاصرہ کر لیا، ناچار جنگ کرنے پر یہ بھی

---

[1] بلاذری صہ ۴۴۱ لیڈن [2] اگرچہ مورخون نے اس کی کوئی وجہ نہین لکھی ہے، لیکن میرا خیال ہے کہ اس پر حملہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہان داہر کا لڑکا گوپی سنگھ پناہ گزین تھا، اور خفیہ طور پر وہ عربون کے برخلاف سازش کرتا ہوگا، تاکہ بغاوت کرا کے وہ بھی کسی حصہ پر قابض ہو جائے،

آمادہ ہو گئے، یہ دیکھ کر ہلال نے اپنی طرف سے امان کا جھنڈا بلند کیا، وداع جو میمنہ پر تھا، اور عبد الملک بن ہلال جو میسرہ پر تھا، ان لوگون کو یہ بھی غنیمت معلوم ہوا، ہتھیار ڈال کر مطیع ہو گئے، آلِ مہلب نے دیکھا کہ لوگ ہم سے جدا ہو گئے، تو مروان بن مہلب نے عورتون کو قتل کر دینا چاہا، مگر مفضل بن مہلب نے منع کیا، اور کہا کہ یہ لوگ عورتون سے تعارض نہ کرین گے، اس کے بعد اس خاندان کا ایک ایک فرد بہادری سے لڑکر مارا گیا، باقی ۱۳ مرد مع بچون اور عورتون کے گرفتار ہو گئے، مقتولون مین معاویہ بن یزید بن مہلب بھی ہے، جس نے محمد بن قاسم کو زنجیرون سے جکڑ کر قید مین رکھا تھا، اور طرح طرح کی تکلیفین دی تھین، باقی قیدیون کو مع بچون اور عورتون کے دمشق روانہ کر دیا گیا، یہ واقعہ ۱۰۲ھ کا ہے،[1]

۲۵ شعبان ۱۰۵ھ مین یزید بن عبد الملک نے رحلت کی، اور ہشام بن عبد الملک خلیفہ ہوا، شوال ۱۰۵ھ مین خلیفہ نے عراق کے حاکم اعلیٰ عمر بن ہبیرہ کو معزول کر کے خالد بن عبد اللہ القسری کو اس کی جگہ مقرر کیا،

جنید کی حکومت

۱۰۵ھ مین خالد نے عمر بن مسلم باہلی کو سندھ کی حکومت سے الگ کر کے جنید بن عبد الرحمن المری کو سندھ کا حاکم بنایا، جنید[2] سندھ پہنچکر پہلے دیبل مین ٹھہرا، پھر تمام حالات سے آگاہی حاصل کر کے دریائے سندھ کے کنارے کنارے روانہ ہوا، جب برہمن آباد کے قریب پہنچا جس پر جے سنگھ قابض تھا، تو اس نے اپنی مملکت مین داخل ہونے سے جنید کو روکا، اور جنید سے کہا کہ مجھ کو مرد صالح (حضرت عمر بن عبد العزیزؓ) نے اس ملک پر حاکم بنایا ہے، اور مسلمان ہو گیا ہون، مین چونکہ خود مختار ہون، اور تم سے مطمئن نہین ہون، اس لئے میں اپنے ملک مین داخل ہونے نہ دونگا،

[1] کامل ابن اثیر جلد ۵ ص ۶۴ یورپ لیدن [2] جنید کا نسب نامہ یہ ہے، جنید بن عبد الرحمن بن عمرو بن الحارث بن خارجہ بن سنان بن ابی حارثہ المری

جنید کو یہ جواب ناگوار گذرا، کیونکہ وہ خلیفہ کی طرف سے سندھ کا والی ہو کر آیا تھا، اور سندھ کے تمام راجے اور ٹھاکر وغیرہ سب اس کے ماتحت تھے، ہاں جو راجہ مسلمان ہو گیا تھا یا جنھوں نے خراج و جزیہ قبول کیا تھا، وہ بے شک اندرونی معاملات مین خود مختار تھے لیکن خارجی تعلقات مین مرکزی حکومت کے تابع، جنید ایک ہوشیار افسر تھا، اس نے اپنی رنجش ظاہر ظاہر نہ کی، بلکہ معاملہ نازک دیکھکر بظاہر عہد و پیمان کر کے دونون طرف سے ضامن بھیجدیے گئے، اب جنید دریاے اٹک کے پاس کچھ دن مقیم رہا، تاکہ دریا کے اس پار کے علاقہ کا مستقل طور پر مضبوط اور معقول بندوبست کرے، اس درمیان مین خود جے سنگھ سے ہر طرح ہوشیار رہا، اور اس کے حرکات و سکنات کا بغور مطالعہ کرتا رہا، جے سنگھ بھی جنید سے غافل نہ تھا، اور بہت ہی محتاط طریقہ سے اس کے ساتھ پیش آتا تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دونون کی بدگمانیان بڑھتی گئیں یہان تک کہ دونون نے اپنے اپنے ضامن واپس بلوالئے، اور جنگ کے لئے تیار ہو گئے، جنید فوجی تیاری کے بعد کشتیون کی فراہمی مین مصروف ہوا، تاکہ دریا عبور کر سکے، جب تمام امور حسب دلخواہ ہو گئے تو کشتیون کے ذریعہ اس نے فوج اتار دی، دریا کے مشرقی سنگستانی کنارے پر لڑائی ہوئی جے سنگھ شکست کھا کر بھاگا اور اس کی فوج ادھر ادھر منتشر ہو گئی، خود جے سنگھ بھی آخر گرفتار ہو گیا جس کو فوراً جنید نے قتل کر ڈالا[1]، غالباً جنید کو اس بات کا غصہ تھا کہ محض اس کی نادانی سے جنگ کرنی پڑی، اور وہ طاقت جو دشمنون پر صرف ہوتی جے سنگھ کی باغیانہ روش سے خود اس پر صرف کرنی پڑی،

بعض مورخون نے لکھا ہے کہ جے سنگھ مرتد ہو گیا تھا، مجھے اس کا کوئی ثبوت نہ مل سکا، بلکہ اس کے زبانی اقرار سے تو اس کا اسلام ہر طرح سے ثابت ہے، غالباً فقط جنید کے حملہ کو صحیح ثابت کرنے کے لئے اس کے ارتداد کا اظہار کیا گیا ہے، تاکہ جنید پر کوئی الزام نہ آئے، میرے خیال میں

[1] فتوح البلدان ص۴۴۲ لیدن،

اس کو اسلام (مذہب) سے کوئی تعلق نہین، بلکہ یہ ایک سیاسی مسئلہ تھا، جنید کا غالباً یہ خیال تھا کہ مجھے جے سنگھ اپنے ملک سے راستہ دیدے تاکہ سندھ کے باہر ممالک پر حملہ آور ہو سکے، اور بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے ہماری امداد کرے، جے سنگھ کا خیال غالباً دوسری طرف تھا، وہ ایسا سمجھتا تھا کہ اگر جنید یہان آگیا تو ممکن ہے کہ مجھ سے یہ ملک واپس لے لے، اور میرا آبائی وطن مجھ سے پھر چھوٹ جائے، غالباً اسی وہم سے اس نے ایسی روش اختیار کی جس سے نہ صرف جنگ کی نوبت آئی، بلکہ ہمیشہ کے لئے اس کا خاندان تباہ ہو گیا پس ایک باغی کی سرزنش جنید کا اولین فرض تھا، جس کے لئے وہ قابل مدح ہے، اور کسی تاویل کا محتاج نہیں،

جنگ مین شکست کھانے کے بعد جے سنگھ کا بھائی چچ (داہر کا لڑکا) بھاگ گیا، اور عراق کی طرف اس غرض سے روانہ ہوا کہ پایۂ تخت پہنچکر خلیفہ سے جنید کی شکایت کرے، جنید کو بھی اس کی خبر ہو گئی: اس نے مختلف حیلون سے اس کو پرچایا، یہان تک کہ وہ خود جنید کے پاس چلا آیا، جنید نے اس کو گرفتار کر کے مار ڈالا، تاکہ اس کے سبب سے ملک مین کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو جائے، اور ملک مین ایسی بدامنی نہ پھیل جائے جس کا دور کرنا پھر مشکل ہو،

کیرج (کورج یا جے پور) جو محمد بن قاسم کے عہد مین فتح ہو چکا تھا، اور جس نے انتہائی محبت سے محمد بن قاسم کا بت بنا کر مندرون مین رکھا تھا، غالباً برہمن آباد والون کی دیکھا دیکھی دیا ور غلانے سے) اب باغی ہو گیا تھا، اس لئے مجبوراً جنید کو اس طرف توجہ کرنی پڑی، اس بغاوت کا سرغنہ راجہ راہ تھا، "راہ" ایک قسم کا خطابی نام ہے، جو عموماً "سمہ" خاندان مین رائج تھا[۱]،

فتح کیرج

جنید اچانک ایلغار کرتا کیرج پر بلائے آسمانی کی طرح جا پڑا، راجہ بھی تیار ہو گیا، اور ایک فوج لے کر شہر سے باہر نکلا، جنید کے ساتھ اس وقت عربی فوج کے علاوہ دیسی فوج بھی تھی جس کا

[۱] تاریخ جونا گڑھ اسورٹھ مطبع بمبئی، اور بہت ممکن ہے کہ لفظ "را" سے جو راجہ کے ہم معنی ہے، ہکو عربون نے مورکر کے راہ کر دیا ہو،

افسر راجہ "اشندرابید" تھا، (یہ راجہ غالباً خراج گذار لوگوں مین سے تھا) راجہ راہ اور اسلامی فوج مین سخت جنگ ہوئی، راجہ نے شکست کھائی، اور بھاگ کر اس نے شہر مین پناہ لی،

شہر کا محاصرہ کر لیا گیا، اور فصیل مضبوط ہونے کے سبب باسانی فتح ناممکن نظر آئی اور غنیم کے باہر نکل کر جنگ کرنے کا انتظار طول امل تھا، اس لئے جنید نے علاوہ منجنیق استعمال کرنے کے خصوصیت سے دیوار شکن آلہ جسے "کبش" کہتے تھے، کام مین لایا،[1] کبش کے ذریعہ فوج کے ایک دستہ نے دیوار تک پہنچکر دیوار مین رخنہ کر دیا، اور اس مین راستہ بنا کر لوگ اندر داخل ہو گئے، گو غنیم نے بہت کچھ مدافعت کی، مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی، اور مسلمان لڑتے بھڑتے اندر پہنچکر سارے شہر مین پھیل گئے، اور پھر ایک باغی شہر کا انجام جو ہونا چاہئے تھا وہ ہوا، اکثر باغی قتل کئے گئے، کچھ گرفتار ہوئے، شہر لوٹ لیا گیا،

فتح کے بعد جنید نے فوراً یہان امن قائم کر دیا، اور کچھ دنون قیام کر کے انتظام مین مشغول ہوا، غالباً انہی لڑائیون سے سندھ پر ایسا رعب بڑا کہ ملتان بلکہ دریاے راوی تک امن و امان قائم ہو گیا، اور جنید سندھ کی طرف سے مطمئن ہو کر سندھ کے باہر خارجی پالیسی پر متوجہ ہوا، سندھ کی حد گجرات سے ملی ہوئی تھی، اور اکثر منازعت پیش آتا رہتا تھا، غالباً جب معاملہ حد سے بڑھ گیا تو جنید نے ایک جرار لشکر تیار کیا، اور بڑے بڑے نامی سردارون کو ماتحت کر کے خود چل کھڑا ہوا، اس کے سردارون مین سے ایک حبیب نامی بڑا بہادر افسر تھا، جو ہر طرح اس کا قوت بازو ثابت ہوا،

جنید کا حملہ مارواڑ اور گجرات پر

جنید جے پور (سندھ) سے براہ ریگستان خرد مر (مارواڑ) مین پہنچا،[2] معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد مین بھی راستہ بڑا بارونق اور آباد تھا، یہان اس نے اپنی فوج کو آرام دیا، کیونکہ ایسے ریگستانی علاقے کو طے کرنے کے بعد فوج کا آرام لینا نہایت ضروری تھا غرض

[1] کبش کو آجکل کی ٹانکی سمجھو جو اس کی ترقی یافتہ صورت مین ہے بلاذری صفحہ ۴۴۳ مصر [2] یہ ماروماڈ ہے جو مارواڑ کا قدیمی نام ہے، (بھنڈارکر کا خلاصہ مضمون بمبئی یونیورسٹی)

یہان سے عربی فوج چل کر ماندل پہنچی، یہ مقام آج بھی ویرم گام کے پاس چھوٹا سا گاؤن ہے ممکن ہے اس عہد مین شہر کی حیثیت رکھتا ہو،

نقشہ دیکھنے سے میرا خیال ہوتا ہے کہ یہان پہلی جنگ ہوئی ہوگی، کیونکہ مرمد پہنچنے کے بعد یقیناً غنیم نے مدافعت کی پہلی کوشش کی ہوگی، اور پھر ماندل مین دونون عربی فوجون کا تصادم ہوا ہوگا، اور فتح پانے پر ہی آگے بڑھ سکا ہوگا، یہان سے چل کر جنید "دھنج" پہنچا، جو نہروالہ پٹن اور پنجاسر[1] کے پاس ہے،

پنجاسر اس عہد مین شمالی گجرات کا پایۂ تخت تھا، اور چاوڑا (چوڑا) خاندان سے چھن کر سولنکی (دکن) کے قبضہ مین آچکا تھا، سولنکی خاندان تمام کاٹھیاوار، کچھ، شمالی اور جنوبی گجرات اور دکن کے بڑے علاقہ پر قابض تھا، اور شہنشاہیت کا درجہ رکھتا تھا، اس خاندان کے حکمران بڑے مغرور تھے، فقط اتنی سی بات پر کہ ایک برہمن شاعر نے اس کے دربار مین چاوڑا راجہ کی بڑی تعریف کی، اور اس کے سوال کرنے پر وزیر نے کہا کہ وہ اپنے ماتحت راجون مین سے نہین ہے، اس ملک پر حملہ آور ہوکر ملک چھین لیا، اس کا پایۂ تخت کلیان تھا، (جو آج بھی نظام کے ماتحت بیدر ضلع مین ایک گاؤن کی شکل مین موجود ہے) اس کی سرحد سندھ سے متصل تھی، اور اکثر سرحدی جھگڑے دونون مین ہوجاتے تھے، افسوس ہے کہ مورخون نے صاف طور پر جنید کے حملہ کے متعلق کوئی سبب تحریر نہیں کیا ہے، مگر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی سرحدی تنازعہ کے

---

[1] پنجاسر چوڑا (چاوڑا) راجہ کا پایۂ تخت تھا، جو گجرات، کاٹھیاوار اور کچھ کے رن کے درمیان رادھن پور کے پاس تھا، سولنکی (گوجر) کے عہد مین بھی یہی پایۂ تخت رہا، عربون سے شکست کھانے کے بعد یہ شہر بے رونق ہوگیا، لیکن اصل ویرانی کا سبب یہ ہوا کہ عربون نے جب سولنکیون کی طاقت توڑ دی، تو چاوڑا خاندان کا شاہزادہ پھر اٹھ کھڑا ہوا اور آخر بن راج نے اپنے باپ کی کھوئی ہوئی سلطنت پھر حاصل کرلی، اور سیاسی مصالح کی بنا پر انہل واڑہ (نہروارہ پٹن) آباد کرکے پایۂ تخت بنایا، جس کے سبب پنجاسر ویران ہوگیا،

متعلق سولنکی راجہ نے سخت رویہ اختیار کر لیا تھا، اور صورت نازک حالت تک پہنچ گئی تھی اور اسی لئے جنید کو یہان آنے کی ضرورت محسوس ہوئی، غرض اسی دھنج کے مقام پر دونون فوجین جنگ آزما ہوئین، اور گجراتی فوج شکست کھا کر بھاگی، اور جنید نے آگے بڑھ کر پایۂ تخت گجرات پنجاسر پر قبضہ کر لیا، اور ایک ہی جنگ مین سولنکی طاقت کا شیرازہ بکھیر کر پاش پاش کر دیا،

معلوم ہوتا ہے کہ سولنکی فوج یہان سے بھاگ کر برائے امداد جنوبی گجرات پہنچی، اور بھروچ مین جنگی تیاری کرنے لگی، جنید کو جب اس کی خبر ہوئی تو فوراً بھروچ پہنچا اور ایک ہی جنگ مین اس کا بھی خاتمہ ہو گیا، اب اس کو معلوم ہوا کہ اجین (مالوہ) مین حملہ کی تیاریان ہو رہی ہین، تو اس نے اپنے ایک افسر حبیب نامی کو اس طرف بھیجدیا جس نے اجین اور مالوہ کو گھوڑون کی ٹاپون کے نیچے روند ڈالا، اب فاتح اپنے ملک سے بہت دور نکل آئے تھے، اور دشمنون نے دوسری طرف اسی موقع سے فائدہ اٹھایا ہو گا، یعنی بھیلمان مین گوجرون کی ایک بڑی طاقت ان کو روکنے کے لئے جمع ہو گئی، جنید نے دیکھا کہ اب آگے بڑھنے مین خدشہ ہے، اور بھیلمان مین اگر گوجرون کی طاقت زیادہ جمع ہو گئی تو واپسی مین دشواری ہو گی، اس لئے بھروچ سے خود بھی بھیلمان کی طرف واپس ہوا، اور ادھر حبیب بھی مالوہ سے بہر مید (مارواڑ) آیا، اور شہر پناہ پر حملہ آور ہو کر آگ لگا دی، فتح یابی حاصل کر کے جنید کے پاس بھیلمان مین جا ملا[1]،

اب تمام فوجین مجتمع ہو کر بھیلمان پہنچین، اور پر زور حملون سے غنیم کو شکست دی بھیلمان آسانی سے فتح ہو گیا، اس کے بعد گوجرون نے جہان کہیں مقابلہ کیا، شکست کھائی، جنید ان فتوحات کے بعد سندھ واپس آ گیا،

ان فتوحات کی تائید ان کتبون سے بھی ہوتی ہے، جو اثری تحقیقات کے ماتحت برآمد

[1] بلاذری ص۴۴۲ لیدن،

ہوئے ہیں، یہ چالوکیہ راجہ کے عہد کا نوساری سے دستیاب ہوا ہے، چنانچہ پول کیشی جناشر کے عہد کا ایک کتبہ ہے جس میں تحریر ہے کہ

"عرب لشکر نے سندھ، کچھ، سوراسٹھ، چاوڑا، موریا (مارواڑ یا مالوہ) اور بھیلمان کی سلطنت کو حیران کیا۔"

یہ کتبہ (بعہد پول کیشی) ۳۹ھ کا ہے، گویا اصل واقعہ سے دس بارہ برس بعد کا ہے،[1]

ان فتوحات میں جنید کو اس قدر دولت ہاتھ آئی کہ ملنے والوں اور دوستوں کو دے کر چار کروڑ درہم (ایک کروڑ روپیہ) اس کے پاس بچ رہے، اور اسی قدر اس نے پایہ تخت کے خزانہ میں داخل کیا، اس حساب سے جنید نے بیس کروڑ درہم (پانچ کروڑ روپیہ) حاصل کئے، اس میں سے پانچواں حصہ خلیفہ کو بھیجا، ایک حصہ بچ رہا، باقی تین حصہ یعنی بارہ کروڑ روپیہ فوج اور احباب میں تقسیم کیا، چنانچہ مشہور شاعر جریر کہتا ہے :-

اصبح زوار الجنید و صحبہ   یحیون صلت الوجہ جما مواھبہ

"جنید کے ملنے والے اور ساتھی مبارکباد دئے جاتے اس حال میں کہ وہ خوش خرم اور بڑی بڑی بخششوں والے تھے،"

ابو الجویریہ شاعر کہتا ہے :-

لو کان یقعد فوق الشمس من کرم   قوم باحسانھم او مجدھم قعدوا

محسدون علی ما کان من کرم   لا ینزع اللہ منھم ما لہ حسدوا[2]

اگر کوئی قوم اپنی بخشش کے ذریعہ آفتاب کے اوپر بیٹھ سکے، تو بیشک یہ لوگ اپنے احسان اور بزرگیوں کی بدولت اس مرتبہ پر پہنچتے، بزرگی کے سبب سے زمانہ ان سے حسد کرتا ہے، خدا کرے کہ ان لوگوں سے وہ چیز چھینی جائے جس کے سبب سے ان سے حسد کیا جاتا ہے،

---

[1] پراچین اتہاس گجراتی باب دلبھی وراشٹر کوٹ [2] فتوح البلدان بلاذری ص ۴۴۲ مطبع لیدن،

چمبہ یا چنیاپٹہ پر حملہ اب جنید نے شمال مشرق کی طرف توجہ کی، اور سرحدی علاقہ سے نکل کر قومون کو باجگذار بناتا ہوا، دریاے بیاس سے مغرب جانب کو جا پہنچا، یہان ایک چھوٹی سی ریاست اپنے پایہ تخت چیناپٹ (چنیاپٹہ کے نام) سے مشہور تھی جس کے ماتحت متعدد قلعے تھے، عرب اس ریاست کے راجہ کو "شاہ چین"[1] کہتے تھے، جنید نے راجہ کو اسلام کی دعوت دی، انکار کی صورت مین اس نے ملک کو تاخت و تاراج کرنا شروع کر دیا، راجہ بھی سامان جنگ مہیا کرکے میدان مین آیا، اور متعدد مقامات پر جنگ کرکے ہزیمت اٹھائی، پھر بھی استقلال سے جنید کا مقابلہ کرتا گیا، یہان تک میدان طے کرکے جنید قلعہ کے پاس آپہنچا، ان لوگون نے دروازہ بند کر لیا، عربون نے اس کا محاصرہ کرکے روغن نفت اور آگ برسانا شروع کیا، لیکن یہ دیکھ کر جنید کو بیحد حیرت ہوئی کہ قلعہ مین جو آگ برسائی جاتی ہے وہ گل کر دی جاتی ہے، اس نے قیاس کیا کہ ضرور کوئی عرب قلعہ مین موجود ہے، کیونکہ یہان عربون کے سوا کسی کو اس کا بجھانا معلوم نہیں ہے، جنید نے محاصرہ مین بڑی سختی برتنی شروع کر دی، یہان تک کہ اہل قلعہ عاجز آ گئے، اور صلح کی درخواست کی، جنید نے اس کو منظور کر لیا، اور وہان پہنچکر اس معاملہ کی تفتیش شروع کی، چنانچہ اس کا خیال صحیح نکلا، اور دو عرب اس جرم مین اس کے سامنے پیش کئے گئے، جن کو قومی غداری کے جرم مین قتل کر دیا گیا،

محمد بن قاسم کے بعد عرب خانہ جنگی مین مبتلا ہو گئے، اس لئے جنید سے پہلے جو لوگ آرہے ان کو گھر سے باہر نکلنے کی فرصت نہ ملی، جنید نے اپنی خداداد قابلیت سے ان تمام گتھیون کو سلجھا دیا جس مین

---

[1] یہ وہ مقام ہے کہ جہان بدھ مذہب کا مشہور فرمان روا راجہ "کنشک" نے اپنے چینی کفیلون کو رکھا تھا، اس شہر مین ہونگ تسانگ سیاح چودہ ماہ رہ چکا ہے، چین و تبت سے قربت کے باعث وسط ایشیا کے تجار بکثرت یہان رہتے، جس کے باعث یہ چینیون کا شہر معلوم ہوتا، اور اسی لئے یہان کے راجہ کو عرب "شاہ چین" کہتے، ممکن ہے کہ یہ مقام وہ ہو جس کو آج چمبہ کہتے ہین، جو ڈلہوزی اور دھرم سالہ کے اوپر واقع ہے، اور ایک ریاست کا پایہ تخت ہے، جو راوی کے منبع کے پاس ہے،

سندھی الجھے ہوئے تھے، اور یہی سبب ہے کہ اس کی شجاعت کا شہرہ ہندوؤں اور غیر ملکیوں (چینیوں) کی داستانِ قدیم مین آج بھی موجود ہے[1]، خود عرب بھی اس کے بڑے مداح ہین، تاریخ مین ہے،

وکان من الاجواد الممدحین — وہ ایسے سخی لوگوں مین سے تھا جس کی لوگ تعریف

غیر محمود فی حربہ[2] — کرتے، حالانکہ وہ جنگ مین اس قدر محبوب نہ تھا،

ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ ایک زمانہ مین خلیفہ نے لکھا کہ جنگ روم میں بکثرت مویشی اور قیدی گرفتار ہوئے ہین، اس کے جواب مین جنید نے لکھا کہ مین نے اپنے دیوان کا حساب دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس وقت تک ساڑھے چھ لاکھ قیدی گرفتار کرچکا ہون، اور آٹھ کرور درہم (دو کرور روپیہ) خزانۂ خلافت مین داخل کئے، اور اسی مقدار مین وہ مال اور قیدی خیال کئے جائیں، جو سپاہیون پر تقسیم کئے گئے[3]

اس مختصر فہرست سے جنید کی مالی کامیابی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، جو اس نے یہاں حاصل کی، اس وقت جنید کے ماتحت شمال مین کشمیر کی حد، مشرق مین بیاس اور دریاے راوی، مغرب مین بحرِ عرب، جنوب مین مالوہ تک کی سرزمین باج گذار تھی، جنید بڑے لائق افسرون مین تھا، اور جہان جہان رہا، اس نے تدبر اور بہادری سے قوم وملک کو بڑا فائدہ پہنچایا، اس نے تقریباً چار برس سندھ مین حکومت کی، اس نے سرحدی انتظامات بھی خوب کئے، جنوب مین گجراتی (سولنکی راجہ) قوت کو پارہ پارہ کرکے اپنی طاقت کو مستحکم بنایا، مشرق مین دریاے راوی اور ریگستان کے سبب سے قدرتی طور پر حفاظت ہوتی تھی، مغرب مین اسلامی حکومت تھی، اور شمال مغرب مین کشمیر کی حد درختون کے ذریعہ مستحکم تھی البتہ فوجی نقطۂ نگاہ سے بیاس کا ابتدائی اوپر کا حصہ ایسا تھا جہاں سے غنیم کے حملہ کا خطرہ تھا، اسی لئے فارورڈ (پیش قدمی) پالیسی اس کو اختیار کرنی پڑی، اور تمام ملک کی

---

[1] ایلیٹ صاحب کی تاریخ حالات سندھ ص ۲۵ ؛ [2] کامل لابن اثیر ص ۱۳۵ جلد پنجم مطبوعہ لیدن ؛ [3] یعقوبی جلد ۲ ص ۳۸۰ اس حساب سے کم از کم چالیس کرور درہم (دس کرور روپیہ) جنید نے سندھ اور ہندوستان سے حاصل کئے،

حفاظت کے لئے ضرور ہوا کہ جینایت کی ریاست پر قبضہ کر لے یا باجگذار بنائے، جس سے پہلے صلح ہو چکی تھی، چنانچہ اسی سبب سے اس نے متعدد قلعون پر قبضہ حاصل کیا، کسی تاریخ سے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ جنید نے پوری ریاست پر قبضہ کر لیا یا صرف چند قلعون پر قبضہ حاصل ہو جانے کے بعد صلح کر لی، تاہم اس کی یہ پیش قدمی اس کی فوجی بصیرت کو ظاہر کرتی ہے،

جنید ۱۱۱ھ مین سندھ کی نظامت سے علیحدہ ہوا، اور کچھ دنون کے بعد ترقی پاکر خراسان کا ناظم ہو گیا، جہان ۱۱۶ھ تک رہا، یزید بن مہلب کی لڑکی فاضلہ سے شادی کرنے کے باعث خلیفہ ناراض ہو گیا، اور اسی سبب سے اس کی معزولی عمل مین آئی، اس کے بعد وہ مرض استسقا مین مبتلا ہو کر مقام "مرو" مین انتقال کر گیا،

اسی زمانہ مین خالد قسری کا بھائی اسد قسری نے افغانستان کے مشہور مقام غور کو فتح کیا، غوری بہادری سے ہر جگہ لڑے، مگر اس شیر کے مقابلہ مین کہین بھی نہ جم سکے، اور آخر وہان کا حاکم "نمرون" مسلمان ہو گیا، اس وقت دونون مین صلح ہو گئی، اور غور کی حکومت نمرون ہی کے قبضہ مین رہی،

یہ سن کر ترکستان کے خاقان کو یہ خدشہ ہوا کہ اسد اس راستہ سے ترکستان مین نہ داخل ہو جائے، اس لئے اس پیشقدمی کو روکنے کے لئے وہ خود ہی فوجین لئے ہوئے بڑھا، اور غور مین آدھمکا، اسد مدافعت کے لئے فوراً تیار ہو گیا، دونون صفین مقابل ہوئین اور سخت مقابلہ کے بعد خاقان کو شکست ہوئی، اسد نے تمام ترکون کو غور سے نکال باہر کیا،

تمیم بن زید

۱۱۱ھ مین جب جنید کا تبادلہ خراسان مین ہوا تو سندھ کی حکومت تمیم بن زید عتبی کے سپرد ہوئی، تمیم ان لوگون مین سے تھا جو محمد بن قاسم کے ساتھ سندھ آئے تھے، وہ اس وقت تک سندھ ہی مین مقیم تھا، جس طرح اس وقت فوجی اور ملکی عہدے الگ الگ افسرون کے سپرد ہین، سیاسی مصالح کی بنا پر سندھ مین ایسا انتظام نہ تھا، سندھیون کی بدقسمتی سے تمیم مین

حکمرانی کے اوصاف نہ تھے، وہ نہایت سست اور کاہل آدمی تھا، اور اسی سبب سے سندھ مین وہ کار نمایان نہ کرسکا، بلکہ خود سندھ مین بھی امن قائم نہ رکھ سکا، اور اسی بدامنی کا خوو شکار ہوا، افسوس کہ یہی پہلا شخص ہے، جس کی بدنظمی سے سندھ کا شیرازۂ حکومت بکھرا، جہان تک تاریخ کا تتبع کیا ہے، مین اس نتیجہ پر پہنچا ہون کہ تمیم کے انتخاب کے وقت اس جیسے دوسرے اشخاص بھی اسی قابلیت کے موجود تھے جو حکومت سندھ کا بار اٹھا سکتے تھے، اور غالباً ملک مین اس قدر محبوب ہو چکے تھے کہ ان کی آواز پر ملک اٹھ کھڑا ہو، غالباً وہ خود بھی اس عہدہ کے امیدوار تھے، لیکن جب معاملہ برعکس ہوا تو وہ اس کے مخالف ہو گئے،

تمیم سے ایک دوسری غلطی یہ ہوئی کہ وہ عطیات مین اپنی فوج کا تو بڑا خیال رکھتا، مگر دوسرے بڑے سردارون کی پروا نہ کرتا، حالانکہ ملکی عہدہ دار اور سرداران قوم کو خوش رکھنے کے لئے سابق ناظم برابر کوشش کرتے رہتے، آخر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سردارون مین ناچاقی شروع ہو گئی، غالباً تمیم نے قوت کا اندازہ کئے بغیر ان کو دبانا چاہا، وہ اس سے بھڑ پڑے، اور خانہ جنگی کے لئے تیار ہو گئے، اگر تمیم جلد پایہ تخت سے نہ بھاگتا تو آپس مین ایک خونریز جنگ ہوتی، مگر تمیم نے دیکھا کہ ان کے مقابلہ کا حوصلہ اس مین نہیں ہے، اس لئے وہان سے بھاگ کر عراق کی طرف روانہ ہو گیا، لیکن جب وہ دریاے سندھ پار ہو کر ایک تالاب کے پاس پہنچا جس کو ماء الجوامیس[1] کہتے تھے، تو تمیم کا انتقال ہو گیا،

اس کی یہ اچانک موت یا تو کثرت غم کے سبب سے ہوئی، یا ممکن ہے کہ مخالفون نے کسی دوسری صورت سے عراق تک نہ پہنچنے کی کوشش مین فنا کے گھاٹ اتار دیا ہو،

---

[1] اس کے معنی ہوئے "بھینسون کا پانی" اس مقام پر بکثرت زرد ریچھ رہتے تھے، جو آدمیون پر حملہ آور ہوتے ان سے بچنے کے بھینسون کی طرح اس تالاب مین آدمی کو دبڑتا تھا، اسی لئے اس کا نام ماء الجوامیس رکھا گیا، عربی مین بھینس کو جاموس کہتے ہین،

تمیم کی اس اچانک موت سے سندھ کے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا، دشمنوں کا ہر طرف سے غلبہ شروع ہوگیا اور عرب مسلمان ہر طرف سے اپنے اپنے مرکز کو خالی کرکے سندھ سے ہجرت کرنے لگے، اور اس طرح اکثر مسلمانوں کے مرکز خالی ہوگئے، بلاذری متوفی ۲۷۹ھ کہتا ہے کہ وہ پھر کبھی آباد نہ ہوئے اور ابھی تک وہ خالی ہیں[1]

اس سے بڑھ کر یہ نقصان ہوا کہ جس قدر نو مسلم تھے، ان میں سے اکثر مرتد ہوگئے، اور راجگان خود مختار، صرف کچھ کے نو مسلم باغی نہیں ہوئے، سندھ میں حد درجہ بدنظمی پھیلی ہوئی تھی، یہاں تک کہ عراق کے حاکم اعلیٰ خالد قسری نے سندھ میں دوسرا ناظم بھیجا، تاریخی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی وقت سے ملتان کی ریاست سندھ سے الگ ہوگئی،

تمیم میں جہاں اس قدر عیوب تھے، اوصاف بھی تھے، وہ حد درجہ سخی اور کریم تھا، وہ فوج میں اپنی سخاوت کی بدولت محبوب تھا، جب سندھ کا چارج اس نے لیا ہے تو ایک کرور اسی لاکھ طاطری[2] درہم خزانہ میں موجود تھے، جس کو اس نے فوراً عراق روانہ کردیا، جو خلیفہ کے خزانہ میں داخل کیا گیا،

فرزدق کا خط والی سندھ کے نام

اس کے عہد کا ایک واقعہ مشہور شاعر فرزدق کی بدولت یادگار رہ گیا، فرزدق ابن غالب کے پاس ایک دن ایک بڑھیا بنی طے کی آئی، اور بڑی لجاجت سے استدعا کی کہ ناظم سندھ سے میری سفارش کردو، کہ میرا لڑکا خنیس یربوعی جو فوج میں ہے، اس کو وطن واپس کردے، اور اس کے لئے اس کے باپ غالب کی قبر کا واسطہ دیا، مجبوراً فرزدق نے تمیم کو مندرجۂ ذیل اشعار تحریر کئے:۔

اتتنی فعاذت یا تمیم لغالب وبالحفرة السافی علیہا ترابہا

[1] بلاذری فتح سندھ لیدن ص۴۴۴، [2] یہ ایک قسم کا چاندی کا سکہ تھا، جو گجرات اور سندھ میں رائج تھا، اور اپنی کے آٹھ آنہ کے برابر تھا، اس حساب سے ایک کرور اسی لاکھ طاطری کے نوّے لاکھ روپیے ہوئے،

نھب لی خیسأ و اتخذ فیہ منۃ لحی بہ ام ما یسوغ شرابھا

تمیم بن زید لا تکو نن حاجتی بظھر و لا یخفی علیاث جوابھا

"اے تمیم! خنیس کی بڑھیا ماں میرے پاس آئی، اس نے (میرے باپ) غالب کا واسطہ لا یا اور اس قبر کا جس پر ہوا کے جھونکوں سے خاک آآ کے پڑی ہے، لہذا خنیس مجھے بخش دو، اور اس بارے مین میری شکر گذاری کو قبول کرو، اس ضعیفہ ماں کے لئے جس کے گلے سے پانی نہیں اتر سکتا،

اے تمیم بن زید! میری یہ گذارش پس پشت نہ ڈال دی جائے اور اس کا جواب تم پر گراں نہ ہو،

فلا تکثو التردا د فیھا فانني ملو ل لحاجات بطی طلا بھا

پھر بار بار یاددہانی کی ضرورت نہ پیش آئے، کیونکہ ایسی حاجتوں سے مین تنگ آگیا ہوں جن کے بارے مین دیر ہوا کرتی ہے،

تمیم ان اشعار سے اصل مدعا سمجھ گیا، مگر مشکل یہ آپڑی کہ خنیس کا لفظ کچھ اس طرح لکھا ہوا تھا کہ اس کا صحیح تلفظ نہ معلوم ہوسکا، وہ حبیس (ح) بھی پڑھا جاسکتا تھا، اس لئے تمیم نے یہ علان کرادیا کہ جن جن لوگون کے نام اس طرح لکھے جاتے ہین ان کو وطن جانے کی اجازت ہی،

حکم بن عوانہ والیِ سندھ

عراق کے حاکمِ اعلیٰ خالد قسری کو جب یہ حال معلوم ہوا تو خلیفہ سے حکم بن عوانہ کلبی کی سفارش کرکے سندھ کا ناظم مقرر کرایا، وہ ایک سست اور کاہل آدمی تھا، وہ خراسان کی حکومت سے اس لئے معزول کردیا گیا کہ حکومت کی فارورڈ پالیسی (پیش قدمی) سے وہ متفق نہ تھا، حکم جب سندھ پہنچا تو دیکھا کہ یہان کے حالات بھی اسی پالیسی کے مقتضی ہین جس کے لئے وہ قطعاً تیار نہ تھا، اس نے اس کو بھی محسوس کیا کہ خراسان سے معزولی اسی سبب سے ہوئی، جو بدنامی کا باعث ہوا، اور محض خالد قسری کے ہمدردانہ رویہ اور غایتِ محبت نے سندھ کا ناظم بنادیا، اس خیال سے عمر بن محمد بن قاسم ثقفی (فاتح سندھ کا بیٹا) کو ساتھ لیتا آیا تھا، جو "الولد سر لابیہ" کا مکمل مصداق تھا حکم نے باوجود نوعمری کے عمر بن محمد بن قاسم ثقفی کو تمام اہم امو

سپرد کردے،

محفوظہ کی آبادی جیسا کہ اوپر تحریر ہوا، اس وقت سندھ مین بڑی بدامنی تھی، اور مسلمانون کے تمام مرکز خالی ہو گئے تھے، اور دشمنون نے ہر جگہ قبضہ کر لیا تھا، اس لئے اس کی سخت ضرورت محسوس ہوئی کہ مسلمانون کی حفاظت کے لئے کوئی مخصوص مقام آباد کیا جائے، جو اس قدر مضبوط ہو کہ غنیم کے مقابلہ کے وقت پناہ کا کام دے سکے، چنانچہ حکم نے سندھ پہنچکر سب سے پہلا کام یہی کیا کہ دریاے سندھ کے دہانہ پر مشرقی جانب ایک شہر آباد کیا، اور ہر طرح سے اس کو مضبوط بنایا،

حکم نے بنی کلب کے شامی بڈھون سے اس کے نام کے متعلق راے لی، کسی نے دمشق، کسی نے حمص بتا دیا، ایک شخص نے "تدمر"[1] کی طرف اشارہ کیا، حکم نے جھلا کر کہا کہ "دمرک اللہ" اللہ تجھے غارت کرے مجھے کوئی نام پسند نہ آیا، مین اس کا نام "محفوظہ" رکھتا ہون،

منصورہ کی آبادی جب محفوظہ کے قلعہ مین مسلمان پہنچ گئے تو حکم نے عمر بن محمد ثقفی کو فوج لے کر اطراف ملک مین روانہ کیا جس نے ہر جگہ پہنچکر امن وامان قائم کر دیا، اور باغیون کو زیر کر کے مطیع بنایا، جب تمام سندھ کو زیر تصرف لے آیا، اور پایۂ تخت کو واپس آنے لگا، تو نہایت مسرت مین اس نے ان فتوحات کی یادگار کے طور پر دریاے سندھ کے دہانہ کے قریب جزیرہ نما مین ایک شہر آباد کیا، جو آخر مین پایۂ تخت ہو گیا، اس کا نام "منصورہ" رکھا،

حکم کا انتظام خارجی و داخلی اس قدر بہتر تھا، کہ ہر شخص خوش تھا، اور ہر طرح سے قابل تعریف، خارجی معاملات کی درستی تو فوجی طاقت سے ہو گئی، اور انتظامی حالت جو سندھ کی خراب ہو گئی تھی؛ وہ صرف اس خانہ جنگی کے سبب جو حجازی اور یمنی لوگون نے برپا کر رکھی تھی، چونکہ عمر ثقفی جو نائب ناظم کا

---

[1] تدمر علاقہ شام مین ایک مشہور شہر تھا، چونکہ تدمر کا مادہ دمر ہے جس کے معنی ہلاکت اور بربادی کے ہین، اس لئے بدشگونی سمجھ کر اسکو ناپسند کیا مگر غور کرو تو ہوا یہی، یعنی محفوظہ جلد برباد ہو گیا، اور آج اس کا نشان بھی نہیں ملتا ہے،

درجہ رکھتا تھا، اور تقریباً کل اختیارات نظارت کے اس کے سپرد تھے، وہ حجازی تھا، پس حجازی طاقت زبردست ہو جانے کے باعث تمام اندرونی خلفشار جاتا رہا،

خالد قسری (مشرقی ممالک کا اعلیٰ حاکم) اکثر تعجب سے کہا کرتا کہ اہلِ سندھ عجب طرح کے لوگ ہیں، ان پر تمیم جیسا شریف اور فیاض کو حاکم بنایا تو ناراض ہو گئے، اور حکم جیسا بخیل جب ان پر حاکم ہوا تو اس کے مداح ہیں[1]. بات یہ ہے کہ تمیم نے حجازی لوگوں کا پاس نہ کیا، جو طاقتور تھے، اور قحطانی (یمنی) کمزوروں کا طرفدار ہو گیا تھا، کاش خالد نے اس مسئلہ کو سمجھا ہوتا تو سندھ کا ملک بار بار فتح نہ کرنا پڑتا، یہی حکم بن عوانہ کلبی ہے جس کے ساتھ منذر بن زبیر ہباری آیا تھا جس کا پوتا آگے چل کر حجازی لوگوں کا سردار بن کر سندھ پر قابض ہو گیا، اس کا نام عمر بن عبد العزیز ہباری تھا، اور اسی سے ریاست منصورہ کی ابتدا ہوئی[2]، جو چوتھی صدی کے آخر تک رہی،

جمادی الاخری ۱۲۰ھ میں عراق کی حکومت سے خالد قسری معزول ہو گیا، اور اس کی جگہ یوسف بن عمر ثقفی مقرر ہوا، یوسف اس عہدہ پر پہنچتے ہی خالد کے مقرر کردہ تمام عمال کے ساتھ بڑی بدسلوکی کرنے لگا، حکم بن عوانہ کلبی بھی خالد ہی کے مقرر کردہ عمال میں سے تھا، دل میں بہت خوفزدہ ہوا، آخر اس نے ٹھان لیا کہ یا تو کوئی ایسی مہم سرانجام دینی چاہیے جس سے میری شہرت خوب ہو، اور یوسف خوش ہو جائے، ورنہ اس ہونے والی ذلت سے موت بہرحال بہتر ہے، چنانچہ ۱۲۱ھ میں سندھیوں نے موقع پا کر حملہ کیا. دونوں طرف سے جنگ خوب ہوئی، آخر اسی جنگ میں حکم شہید ہو گیا،

عمر بن محمد بن قاسم والیِ سندھ

حکم کے مرنے پر سندھ کی حکومت کے لئے حکم کے دو ماتحت عہدہ دار کھڑے ہو گئے، ایک عمر بن محمد بن قاسم ثقفی جو تمام سواروں کا افسر تھا، اور دوسرا یزید بن عرار اس کی

[1] فتوح البلدان صفحہ ۴۴۲ لیڈن [2] تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۳۸۹ لیڈن،

اطلاع عراق مین یوسف ثقفی کو ہوئی، اس نے خلیفہ ہشام کو دمشق لکھ بھیجا، خلیفہ نے جواب دیا
کہ عمر ثقفی اگر جوان ہوگیا ہو تو اس کو ناظم سندھ بنا سکتے ہو، یوسف نے ابن عرار پر ترجیح دے کر عمر
کو سندھ کا حاکم بنا دیا، عمر نے اپنے حریف ابن عرار کو گرفتار کرکے جیل خانہ مین بھیجدیا،[1]

عمر بن محمد بن قاسم سندھ کا والی تو ہوگیا، مگر اس خانہ جنگی سے دشمنون نے خوب فائدہ اٹھایا،
ملک کا بڑا حصہ دباتے ہوئے خاص پایہ تخت منصورہ تک پہنچ گئے، عمر بن محمد کے پاس اس وقت
اس قدر قوت نہ تھی، کہ کھلے میدان دشمنون کا مقابلہ کرتا، وہ منصورہ چلا آیا، دشمن بھی تعاقب
کرتے ہوئے منصورہ پہنچے، اور اس کا محاصرہ کرلیا، چونکہ یہ خانہ جنگی سے کمزور ہوگیا تھا، اس کے پاس
اس قدر فوج نہ تھی کہ دشمنون سے محاصرہ اٹھا سکتا، اس لئے اس نے اس کی اطلاع عراق یوسف
ثقفی کے پاس روانہ کی، اس نے فوراً چار ہزار فوج منصورہ بھیجدی، جس کے پہنچتے ہی دشمنون نے
محاصرہ اٹھا لیا، عمر بن محمد نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنی فوجی قوت کو ترقی دینا شروع کیا جب
اس طرف سے اطمینان ہوگیا تو دشمنون کو ان تمام مقبوضات سے نکال دینے کے لئے آگے بڑھا
جس پر وہ قابض ہوگئے تھے، فوج کے مقدمہ پر معن بن زائدہ شیبانی جیسے مشہور بہادر کو سردار بنایا،
یہ فوج جب دشمن کے قریب پہنچ گئی تو اچانک اس نے رات کو غنیم پر شبخون مارا جس مین
دشمنون کی فوج کا بڑا حصہ قتل ہوا، یہ دیکھ کر راجہ بذات خود جنگ کے لئے نکلا، اور مسلمان سپاہیون
کے سامنے آگیا، عربون نے تو اس کو نہ پہچانا، مگر ولیسیون (سندھیون) نے اس کو دیکھتے ہی چلانا
شروع کردیا کہ "راے، راے" مسلمانون کو جب معلوم ہوا کہ یہی راجہ ہے، تو اس پر ٹوٹ پڑے
راجہ یہ دیکھ کر بھاگا،[2] اس کا لشکر بھی شکست کھا کر ادھر ادھر منتشر ہوگیا، اس فتح سے عمر کی معاش

[1] تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۳۸۹ لیڈن [2] ایضاً ص ۳۹۰ کسی تاریخ سے یہ نہ معلوم ہوسکا کہ یہ راجہ کس ملک کا تھا، اور کیا نام تھا، مگر
قرینہ سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ سندھ کے قریب کچھ، جے پور، الور وغیرہ کا ہوگا،

بیٹھ گئی، اور تمام شہر مطیع ہو گیا،

اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانون مین نفاق، کینہ، حسد جڑ پکڑ گیا تھا، اور خود غرضی اس درجہ پہ پہنچ گئی تھی کہ ذاتی فوائد کے لئے قومی فوائد کو پس پشت ڈال دیا جاتا تھا، چنانچہ اس وقت جبکہ عمر بن محمد دشمنون سے لڑکر ملک کو نجات دلا رہا تھا، مروان بن یزید بن مہلب جو اس کی فوج مین تھا، اس نے موقع پاکر اس کے تمام مال و اسباب اور سواری کے جانورون کو لوٹ لیا، جب عمر کو یہ حال معلوم ہوا تو اس کا تعاقب کیا، اس وقت اس کے ساتھ معن بن زائدہ شیبانی اور عطیہ ابن عبد الرحمن تھے، ان سب لوگون نے اس کی جماعت پہ حملہ کرکے منتشر کر دیا، سب لوگ ادھر ادھر ہو گئے، مروان بھی کہین روپوش ہو گیا، عمر نے فوراً اعلان کرا دیا کہ مروان کے تمام ساتھیون کو پناہ دی گئی سوائے مروان کے، اس اعلان کا نتیجہ یہ ہوا کہ آخر کسی نے اس کو بھی پکڑوا دیا، جو اسی وقت قتل کر دیا گیا[۱]،

۶ ربیع الاول ۱۲۵ھ مین ہشام وفات پا گیا، اور اس کی جگہ ولید بن یزید بن عبد الملک تخت نشین ہوا، عمر بن محمد ثقفی تقریباً پانچ سال سندھ کا حاکم رہا، لیکن ولید جب برسر حکومت ہوا تو ہشام کے تمام عمال اس نے معزول کر دئے، اسی مین عمر بن محمد بھی تھا،

یزید بن عرار والی سندھ

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یزید بن عرار نے قید خانہ ہی سے عمر کے خلاف سازش شروع کی، اور ہشام کے مرنے پر اس کی سفارش کامیاب ہو گئی، چنانچہ اسی سال ۱۲۵ھ مین عمر کے بجائے یزید بن عراری سندھ کا حاکم بنایا گیا،

عمر کی طرح یزید بھی حکومت کی اعلیٰ قابلیت رکھتا تھا، اس نے بھی زمام حکومت ہاتھ میں لیتے ہی ملک کا بہترین انتظام کیا، اندرونی بدنظمیون کو دور کرکے آس پاس کے راجون پہ پے در پے حملے شروع کئے، یہان تک کہ اس نے اٹھارہ حملے ان پہ کرکے سلطنت کو مضبوط بنایا، اور از سر نو

عربون کی سطوت اور رعب قائم کیا،

اب اس ۲۵ - ۳۰ برس کے عرصہ مین سندھ پر عربون کا بہت کافی اثر پڑا، اور سندھ کے لوگ پایۂ تخت تک پہنچکر سیاست مین بھی حصہ لینے لگ گئے تھے، اور فوجی خدمت کے لئے تو سندھ کے بعض علاقے بہت موزون تھے، چنانچہ قیقان کے جاٹ فوج مین بہت بھرتی ہوئے ۱۲۲ھ مین جب زید بن علی بن حسین کا واقعہ پیش آیا، تو سرکاری فوج مین تین سو جوان قیقانی (سندھی) بھی تھے جنھون نے جناب موصوف کا محاصرہ کیا تھا، اور پھر جناب موصوف کا وہ غلام بھی سندھی ہی تھا جس نے آنجناب کی قبر کا پتہ تبلایا، اسی طرح ۱۲۶ھ مین جب ولید ابن یزید قتل کیا گیا ہے، تو قاتلون مین ایک شخص سندھی ابن زیاد بن ابی کبشہ بھی تھا،[1] سیاسی امور کے علاوہ علمی میدان مین بھی سندھیون نے کافی ترقی کی تھی، ابو عطا سندھی کا نام تاریخ مین ہمیشہ یادگار رہے گا جنھون نے عجمی (سندھی) ہونے کے باوجود اپنی فصیح و بلیغ شاعری کا خراج عرب کے اہلِ زبان سے حاصل کیا، ابن اثیر نے اپنی تاریخ مین متعدد جگہ ان کے اشعار نقل کئے ہین جس سے ان کی عام مقبولیت اور شہرت کا اندازہ ہو سکتا ہے،[2]

ان سندھیون مین دونون قسم کے مسلمان تھے، وہ بھی جو خالص سندھی نسل کے مسلمان تھے، اور وہ بھی جو مخلوط نسل (عرب سندھ) کے تھے، اور بڑی تعداد ایسے خاندانون کی بھی تھی جو خالص عرب تھے مگر سندھ ہی کو وطن بنا لیا تھا،

---

[1] الکامل لابن اثیر جلد ۵ ص۲۱۷ لیدن و ص۲۳۱ [2] چند شعر نمونہ کے طور پر مندرجہ ذیل ہین :-

الا ان عینا لم تجد یوم واسط	علیك بجاری دمعها لجمود
عشیة قام النائحات وشققت	الکف بایدی مأتم وخدود
فان تمس مهجور الفناء فربما	اقام به بعد الوفود وفود
فانك لم تبعد علی متعهد	بلی کل من تحت التراب بعید

ہشام بنی امیہ مین آخری خلیفہ تھا، جو بااختیار تھا، اس کے بعد تمام ممالک مین سخت بدامنی پھیل گئی، ۱۲۶ھ مین جب ولید مارا گیا، تو یزید الناقص بن ولید بن عبد الملک خلیفہ ہوا چھ ماہ بعد یزید ناقص مرگیا، اور اسی (۱۲۶ھ) سال ابراہیم بن ولید خلیفہ بنایا گیا، لیکن مروان الحمار بن محمد نے اس سے سلطنت چھین لی، یہ باغیون سے لڑتا رہا، اور خلفاے عباسی کے داعی اس عرصہ مین اپنا کام کرتے رہے، یہان تک کہ ۱۳۲ھ مین بنی امیہ کی جگہ بنی عباس نے خلافت پر قبضہ کرلیا،

منصور باغی کا سندھ پر قبضہ

ان مفسد باغیون مین سے ایک شخص منصور بن جمہور کلبی بھی تھا جس نے ولید کے وقت ہی سے ہر فتنہ مین نمایان حصہ لیا، چنانچہ ولید کے قاتلون مین یہ خود بھی شریک تھا[1]، پھر عباس بن ہشام کی بغاوت مین بھی یہ شامل رہا، شکست کے بعد عباس تو سندھ چلا آیا، اور یہ عراق کے پہاڑی ملک مین موقع کا منتظر رہا، ۱۲۹ھ مین عبد اللہ بن معاویہ نے جب فارس مین شورش برپا کی تو پھر اس کے ساتھ ہوگیا، لیکن جب اس کی فوج تباہ کردی گئی تو یہ خوفزدہ ہو کر بھاگا، اور سندھ آکر اس نے دم لیا، معن بن زائدہ نے اس کا تعاقب کیا مگر ہاتھ نہ آیا، منصور بن جمہور کلبی سندھ اس خیال سے آیا تھا کہ یزید بن عرار جو سندھ کا حاکم تھا، وہ اس کے رشتہ دارون مین سے تھا، اس کے زیر سایہ وہ اپنے حسب خواہش امور انجام دے گا، لیکن جب ابن عرار کو منصور نے اپنے آنے کی اطلاع دی، تو وہ اس کی فتنہ پردازی سے ڈرا، اس لئے خلاف توقع اس نے منصور کو لکھ بھیجا کہ آپ جہان ہین وہین ٹھہرے رہئے، اس طرف آنے کا قصد نہ کیجئے گا، منصور اس جواب سے برافروختہ ہوگیا، اس کے جواب مین اس نے کہلا بھیجا کہ مین تو تمہارے پاس مطمئن ہوکر قیام کی نیت سے آرہا تھا، مگر اب خدا تمہاری مہربانی اور قرابت سے بچائے، اور اس بے حمیتی کا حال تم کو عنقریب معلوم ہوگا،

---

[1] الکامل جلد ۵ صد ۲۱۶ لیدن،

ابھی تک منصور دریائے سندھ کے کنارے مقیم تھا، اب اس نے شہر سدوسان پر قبضہ کرکے وہاں ٹھہر گیا، اور کشتیاں بنوانے کا حکم دیا، چند دن کے بعد جب تیاری ہو گئی تو اونٹوں پر لدوا کر دریائے سندھ پر پہنچا اور کشتیوں پر سوار ہو کر ابن عرار کے مقابلہ کو روانہ ہوا،

ابن عرار اس کے مقابلہ کے لئے بالکل تیار نہ تھا، اس نے غلطی سے اس کو کوئی اہمیت نہ دی، اور غالباً معمولی فوج لے کر اس کی طرف روانہ ہوا منصورہ سے چل کر وہ آگے بڑھا، اور راستہ میں دونوں کی مڈبھیڑ ہو گئی، منصور سمجھتا تھا کہ اگر شکست ہوئی تو موت یقینی ہے اس لئے اس نے مایوسانہ جنگ شروع کر دی، اور اس جرأت اور بہادری سے حملہ آور ہوا کہ ابن عرار اس کا مقابلہ نہ کر سکا، اور فرار ہو کر منصورہ میں پناہ لی، ابن جمہور کلبی تعاقب کرتا ہوا منصورہ پہنچا، اور اس کا محاصرہ کر لیا، چند ہی دن میں محاصرہ سے ایسا تنگ آ گیا کہ منصور کلبی سے پناہ مانگنے پر مجبور ہوا، منصور نے صاف جواب دے دیا کہ تمہارے جیسے کے لئے پناہ ناممکن ہے، بس میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ قلعہ حوالہ کر دو، پھر میں جیسا مناسب سمجھوں گا تمہارے ساتھ سلوک کروں گا، ناچار قلعہ حوالہ کر دیا اور خود اس سے معافی کا خواستگار ہوا، مگر منصور نے اس پر ذرا رحم نہ کیا، اور کھڑا ستون دیوار میں زندہ چنوا دیا[1]، اور پھر تمام سندھ پر منصور ابن جمہور مطلق العنان حاکم ہو گیا،

افسوس کہ محض سیاسی غلطی کی بنا پر ایک اچھا سپہ سالار دنیا سے چل بسا، بات یہ ہے کہ یزید بن عرار ایک اچھا سپہ سالار تھا، مگر سیاست دان نہ تھا، اس نے پہلی غلطی یہ کی کہ منصور کے سندھ پہنچتے ہی فوراً اس کو ایک باغی سمجھ کر گرفتار نہ کر لیا، پھر جب اس نے پناہ مانگی تو فوراً اس کو اپنے پاس بلا کر نظر بند یا قتل کرنا تھا، اور یہ بھی نہ سوجھی تو کم از کم اپنی ذاتی منصورہ والی

[1] تاریخ یعقوبی جلد دوم لیدن ص۴۰۱،

فوج کے علاوہ اور تمام ضلعون کے حاکمون سے مدد لینی تھی، مگر نہ معلوم کیا افتاد پڑی کہ اس سے کچھ نہ ہو سکا، اور بے بسی کی موت کا شکار ہوا، تاریخی کتابون سے اس پر کوئی روشنی نہیں پڑتی، اس لئے قیاس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے منصور سے جنگ کرنے میں سب سے بڑی غلطی یہ کی کہ اس جنگ کی اہمیت کا اس نے مطلق احساس نہ کیا، غالباً یہ واقعہ ۱۲۹ھ / ۱۳۰ھ کا ہے، اس لئے کل مدتِ حکومت ۴-۵ برس رہی،

اب منصور نے اپنے بھائی منظور کو قندابیل اور دیبل (یعنی مغربی سندھ) کا حاکم بنا کر روانہ کیا، اور خود سندھ کے انتظام مین مشغول ہو گیا،

سنہ ۱۳۲ھ مین ابو مسلم خراسانی نے پہلے عباسی خلیفہ ابو العباس عبد اللہ السفاح کی طرف سے صرف خراسان بلکہ تمام مشرقی ممالک پر قبضہ کر لیا، اور ہر جگہ اپنا معتمد آدمی بھیجکر اپنی حکومت مضبوط کر لی، اسی سلسلہ مین اس نے سندھ بھی ایک فوج روانہ کی جس کا افسر مغلّس عبدی سجستانی تھا، یہ شخص سندھ پہنچا تو سب سے پہلے اس کا مقابلہ دیبل کے حاکم منظور سے ہوا، جو منصور کا قوتِ بازو اور اس کا حقیقی بھائی تھا، یہان دونون سے بڑی سخت جنگ ہوئی، جس مین منظور مارا گیا، اور مغلّس عبدی فتح یاب ہو کر آگے بڑھا۔

مغلّس کی موت

جب شکست کی خبر منصور کو ہوئی تو اپنے بھائی کے مرنے پر اس کو بیحد صدمہ ہوا اور انتقام کے لئے وہ بیتاب ہو گیا، مغلّس بھی بڑھتا ہوا منصورہ کے پاس آپہنچا، ابن جمہور بھی فوجی تیاری کے ساتھ باہر نکلا، دونون مین ایک خونریز جنگ ہوئی، جس مین سرکاری فوجون کو شکست ہوئی، مغلّس عبدی مع اپنے ساتھیون کے گرفتار ہو کر منصور کے سامنے لایا گیا، منصور نے جوشِ انتقام مین اسی وقت ان کو قتل کروا ڈالا،

موسیٰ بن کعب والی سندھ

اس واقعہ کی خبر جب ابو مسلم خراسانی مشرقی ممالک کے ناظم اعلیٰ (گورنر جنرل)

کو ہوئی تو بہت برافروختہ ہوا، اور اس نے خلیفہ ابو العباس عبداللہ السفاح سے اجازت لے کر ایک مشہور مدبر موسیٰ بن کعب تمیمی کو افسر لشکر بنایا، جو اس وقت انسپکٹر جنرل پولیس کے عہدہ پر مامور تھا، اور یہ عہدہ اس وقت ایک ٹالی (گورنر) کے برابر سمجھا جاتا تھا۔

موسیٰ بن کعب بیس ہزار فوج (اور بقول ابن اثیر بارہ ہزار) لے کر سندھ آپہنچا، مگر ایک ہوشیار مدبر کی طرح حالات کا اندازہ لگانے کے لئے وہ پہلے قندابیل مین ٹھہرا، جب مفصل حال اس کو معلوم ہوگیا تو تدبیر اور تقدیر دونوں سے اس نے کام لیا، یعنی ایک طرف تو وہ فوجی تیاری کی تکمیل کرتا رہا، اور دوسری طرف منصورہ کے شہریون کو پرچاتا رہا، دیگر فوجی لوگون نے بھی منصور کے فوجی لوگون سے جو ہم قبیلہ یا قرابت دار اور احباب تھے، ان سے خط وکتابت اور پیام وسلام کے ذریعہ منصور کے برخلاف اپنی طرف مائل کرنے مین انھون نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، اور بہت کامیاب رہے، موسیٰ نے جب اپنی تدبیرون کو تیر بہدف دیکھ لیا تو کوچ کرتا ہوا منصورہ کی طرف بڑھا، جب دریائے سندھ کے کنارے پہنچا تو منصور کلبی بھی اپنی فوج لئے ہوئے آموجود ہوا، اب موسیٰ نے اپنی تمام فوج دریا کے اس پار اتاری اور غنیم سے جنگ آزمائی کرنے لگ گیا، ایک سخت حملہ کے بعد منصور کی فوج نے شکست کھائی، موسیٰ آگے بڑھا، منصور چاہتا تھا کہ پایۂ تخت مین جاکر محصور ہو جائے لیکن اہل شہر اور فوج کی سازش کا حال اس کو معلوم ہوگیا، جس کے باعث وہ اس قدر خوفزدہ ہوا کہ شہر واپس جانا اس نے کسی طرح مناسب نہیں سمجھا، وہ بھاگ کر ہندوستان کی طرف چلا، لیکن راستہ بھول کر ریگستان میں جا پڑا، موسیٰ کے لوگ بھی تعاقب مین تھے، گرفتار کر کے قتل کردیا[1]۔

[1] تاریخ یعقوبی جلد دوم صد ۴۲۹ لیڈن، لیکن ابن اثیر کا بیان ہے کہ وہ ریگستان مین بھٹکتا ہوا پیاسا مر گیا، اور بلاذری مین بھی یہی ہے،

منصورہ مین جب اس کی خبر پہنچی تو اس شخص نے جس کو منصورہ سپرد کیا تھا، اس جگہ رہنا خطرہ سے خالی نہ سمجھا، اس لئے اس کے تمام اہل وعیال اور خاندان کو بلاد خزر (کوہ قاف) کی طرف لے گیا[1]، غالباً یہ شخص اسی کے خاندان کا ہوگا جس نے اس قدر ہمدردی کی اور موت کے منہ سے بچایا، یہ واقعہ ۱۳۴ھ کا ہے۔

موسیٰ منصورہ میں داخل ہوکر مقیم ہوگیا، اور اس کی مرمت کرائی، اور آبادی مین کوشان ہوا مسجد مین اضافہ کیا جس کے باعث تنگی جاتی رہی، پھر سندھ کے تمام علاقون پر اس نے عملداری کی[2]

سندھی وفد سفاح کے دربار مین

۱۳۶ھ مین جب کہ ابو العباس عبداللہ السفاح بستر موت پر تھا، سندھ سے ایک وفد روانہ کیا گیا جس نے غالباً یہان کے تمام حالات بیان کئے ہونگے لیکن تین ہی دن کے بعد خلیفہ مرگیا، اس لئے اس وفد کا کوئی نتیجہ نہ نکلا[3]

غالباً ۱۴۱ھ تک موسیٰ بن کعب تمیمی مصروف انتظام رہا، اور کسی قسم کی کوئی شکایت اس کے متعلق کسی کو نہیں ہوئی، پھر رخصت پر وطن گیا، اور بغداد مین مقیم تھا کہ پیام اجل آگیا، اور ۱۴۱ھ مین وہین پیوند زمین ہوا[4]۔

عیینہ بن موسیٰ کی ولایت اور بغاوت

سندھ سے جاتے وقت اس نے اپنے لڑکے عیینہ بن موسیٰ تمیمی کو قائم مقام بنا گیا تھا، اور اس کی وفات پر مستقل حاکم کردیا گیا، مگر افسوس ہے کہ لائق باپ کا لائق لڑکا نہ نکلا، اور اس سے حکومت نہ سنبھل سکی، اس کی بدانتظامی سے خود آپس مین مسلمان لڑ پڑے، اہل یمن (قحطانی) اور قبیلہ ربیعہ (نزاری اہل حجاز) کے لوگ جو اس کے ساتھ تھے، اس کی بدعنوانی پر معترض ہوئے، اس سے وہ اس قدر برافروختہ ہوا کہ اس نے سب کو گرفتار کرکے قتل کرادیا، اس واقعہ سے لوگون مین ہیجان پیدا ہوا، اور ہر شخص برسر پرخاش

---

[1] تاریخ کامل جلد ۵ صفحہ ۳۲۷ [2] بلاذری لیدن صفحہ ۴۴۲ [3] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۴۳۳ [4] ابن اثیر جلد ۵ صفحہ ۳۸۷،

ہوگیا، اور اس کی مخالفت پر لوگ آمادہ ہوگئے۔

اسی اثنا میں ایک بات یہ ہوگئی کہ موسیٰ ابن کعب سندھ آنے سے پہلے خلیفہ کی طرف سے صاحب شرط (انسپکٹر جنرل پولیس) کے عہدہ پر تھا، سندھ آتے وقت اس نے اپنی جگہ مسیب ابن زبیر نامی کو چھوڑ آیا تھا، اس کے کانوں میں جب عیینہ بن موسیٰ کی بدانتظامی کی خبریں پہنچیں تو وہ دل میں خوفزدہ ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ سندھ سے مستعفی ہوکر اپنے باپ کی قدیم جگہ لینا چاہے، اور پھر میں اپنی جگہ سے نکال دیا جاؤں، اس لئے اس نے ایک گمنام خط اس کے پاس روانہ کردیا جس میں اس نے لکھا کہ

فارضك ارضك ان تاتنا تنم نومة ليس فيها حلم

"جس زمین پر تم ہو وہیں رہو، اگر تم اس طرف آنے کا ارادہ کروگے تو ایسی نیند سوؤگے کہ پھر بیدار نہ ہوگے"

اس کو پڑھ کر وہ مرعوب ہوگیا، اور سندھ میں رہ کر مستقل حکومت کا ارادہ کیا، لیکن اس نے سب سے زیادہ حماقت یہ کی کہ باوجود آپس میں نفاق اور فوجی طاقت کمزور ہونے کے مرکزی حکومت سے بغاوت اختیار کی، اور وہاں کے احکام کی تعمیل بند کردی، خلیفہ منصور کو جب اس کی خبر ہوئی تو اس آتش کو فرد کرنے پر فوراً مستعد ہوگیا، وہ اس وقت بصرہ کے پل پر تھا،

عمر بن حفص ابوجعفر منصور خلیفہ عباسی نے وہیں سے عمر بن حفص بن عثمان بن ابی صفرۃ العتکی کو سندھ روانہ کیا، یہ ایک بہادر سردار تھا، اس کی شجاعت اس قدر مشہور تھی کہ لوگ اس کو "ہزار مرد" کہتے تھے، اور اسی کے ساتھ عقبہ بن مسلم کو بھی کردیا، تاکہ عمر کو بوقت ضرورت ہر قسم کا مشورہ دے سکے، تاریخ میں اس شخص کا مخصوص طور پر نام لینے سے یہ گمان ہوتا ہے کہ غالباً یہ کوئی بڑا مدبر شخص تھا جس کی شرکت "عمر ہزار مرد" جیسے افسر کے ساتھ ضروری سمجھی گئی۔

سنہ ۱۴۲ھ میں یہ دونوں مع افواج قاہرہ سندھ پہنچے، عیینہ نے یہ معلوم کرکے فوجی تیاری

شروع کردی، اور مدافعت کے سامان مین مشغول ہوگیا، عمر جب منصورہ پہنچا تواس نے اندر داخل ہونے نہ دیا، اور نہ اطاعت کی طرف مائل ہوا، ناچار عمر بن حفص نے دیبل مین قیام کیا، اور وہین سے جنگی انتظامات کرنے لگا،

لوگ والی منصورہ کے مظالم سے تنگ آگئے تھے، جیسے ہی ابن حفص "ہزارمرد" کے دیبل مین قیام کی خبر ملی، منصورہ اور اطراف ملک سے دیبل پہنچنے لگے، ایک دو جنگ کے بعد ہی والی منصورہ کو معلوم ہوگیا کہ فتح ناممکن ہے، کیونکہ خود اس کی فوج کے لوگ اور جس کو وہ اپنا طرفدار سمجھتا تھا اس سے ٹوٹ کر ابن حفص سے آملے، اس طرح وہ بالکل بے یار ومددگار ہوگیا، آخر صلح کا طالب ہوا، عمر بن حفص نے اس کو امان کا وعدہ دے کر منصورہ پر قبضہ کرلیا، اور عیینہ بن موسیٰ کو قید کرکے پایہ تخت خلیفہ کے پاس روانہ کردیا، لیکن قیدی یہ جانتا تھا کہ خلیفہ اس کو ضرور قتل کردے گا، اس لئے محافظون کی غفلت سے فائدہ اٹھاکر بھاگ نکلا، اور سجستان کی طرف روانہ ہوا، وہ مقام "رخج" تک پہنچا تھا کہ کچھ یمنی لوگون نے باغی معلوم کرکے اس کو گرفتار کرلیا، اور سر کاٹ کر پایہ تخت لے پہنچے۔

سندھ میں شیعیت کی ابتداء

عمر بن حفص منصورہ پہنچکر سلطنت کے انتظام مین مشغول ہوگیا، اسی اثنا مین عبداللہ الاشتر علوی نے چند جان نثارون کے ساتھ بصرہ پہنچکر چند اچھے اور عمدہ گھوڑے خریدے اور جہاز پر بیٹھکر سندھ پہنچے، اور لوگون کو یہ بتایا کہ ہم لوگ گھوڑون کے تاجر ہین، حالانکہ ان کا مقصد بنی عباس کے خلاف سادات کے لئے خلافت حاصل کرنا تھا، والی منصورہ عمر بن حفص کے پاس جب یہ لوگ پہنچے تواس نے ان کی بڑی آؤبھگت کی ان کو تاجر سمجھکر گھوڑے پسند کئے، اور حکم دیدیا کہ تمام شہر مین جتنے اچھے گھوڑے فروخت کے لئے ہون وہ ان کے پاس حاضر کئے جائیں۔

خود عبد اللہ نے تو اس معاملہ کو ابھی تک راز مین رکھنا چاہا، مگر ان کے ایک ساتھی نے والی منصورہ سے اس کا ذکر کر ہی دیا، اس نے کہا کہ گھوڑون کے متعلق جو حکم آپنے دیا ہے اس کا مین مشکور ہون، مگر اس سے زیادہ بہتر چیز آپ کے سامنے پیش کرتا ہون، جو دنیا اور آخرت دونون مین آپکے لئے باعثِ نجات ہے، اس کے بعد حالات سے آگاہ کیا، والی خود ان لوگون مین سے تھا جو سادات کے طرفدار تھے، اس لئے ان کی دعوت کو بڑی خوشی سے قبول کرلیا، اور خود ان کو ایک مخفی جگہ مین رکھا، اور شہر کے بڑے بڑے صاحبِ اثر لوگون کو بلا کر ان سب سے مشورہ لیا، اور آخر یہ طے پایا کہ ایک دن جمعرات کو بیعت لی جائے، اور اس کے لئے ایک سفید علم (جھنڈا) تیار کیا گیا، اور سفید کپڑے عبد اللہ کے لئے بنائے گئے جس کو پہن کر وہ خطبہ دیتے۔

یہ تمام انتظام ٹھیک ہوچکے تھے کہ اتفاقاً اسی دن ایک جہاز بغداد سے پہنچا جس مین ایک تاجر بھی تھا، وہ عراق سے ایک خط عمر بن حفص کی بیوی کا لایا جس مین لکھا تھا کہ محمد اور ابراہیم دونون خلافت کی فوجون سے شکست کھا کر مارے گئے، عمر یہ خط لے کر عبد اللہ کے پاس گیا، اور ان کے باپ اور چچا کے مرنے پر تعزیت دی، یہ سن کر عبد اللہ اشتر بہت گھبرائے اور مایوسی کے لہجہ مین کہا، کہ میرا راز ظاہر ہوگیا اور اب میری جان تمہارے ہاتھ مین ہے[1]۔

عمر نے ان کو بڑی تسلی دی، اور کہا کہ ہمارے جوار مین ایک بارعب اور بڑا بہادر راجہ رہتا ہے، اس سے خط و کتابت کرکے تمہارے لئے امن کی جگہ بنا دون گا، چنانچہ اس نے اس سے اس معاملہ مین خط و کتابت کی، چونکہ وہ ایک بڑی سلطنت کا مالک اور خود مختار تھا، اس لئے خلیفہ کے حکم پر وہ مجبور نہیں کیا جاسکتا تھا، اور اپنے قول و قرار کا بڑا پکا تھا، اس بنا پر بھروسہ کے قابل سمجھ کر عمر نے عبد اللہ کو اس کے پاس روانہ کیا، جہان وہ آرام کی زندگی بسر کرنے لگے، کیونکہ

---

[1] ابن اثیر جلد ۵ ص ۵۵ طبع لیدن،

راجہ ان کی بڑی عزت کرتا تھا، اور ہر طرح کی آزادی ان کو دے رکھی تھی[1]،

جب اس کی خبر ان کے ہوا خواہون کو معلوم ہوئی تو لوگ اِدھر اُدھر سے ان کے پاس جمع ہونے لگ گئے، یہان تک کہ چار سو آدمی ان کے گرد جمع ہو گئے، وہ اپنا تمام وقت عیش و آرام اور شکار مین گذارتے تھے، اور زیدیہ فرقے کے عقائد کی اشاعت کرتے تھے، کہتے ہین کہ سندھ مین شیعیت اسی وقت سے داخل ہوئی،

خارجیون کی تبلیغ ان شیعون کے مقابلہ مین خارجی بھی اپنے فرائض سے غافل نہ تھے، اور ہر جگہ اپنے عقائد کی تبلیغ کرتے تھے، عمان کے خارجی اکثر سندھ آتے اور لوگون کو عباسیون کے برخلاف ابھارتے

۱۴۲ھ مین حسان بن مجاہد ہمدانی خارجی رقہ سے بذریعہ جہاز سندھ پہنچا، اور تمام اطراف کا دورہ کرکے بڑی کوشش کی کہ اس کے ہمخیال پیدا ہون، تو ایک زبردست فوج تیار کرکے عباسیون کا مقابلہ کرے، مگر والیِ سندھ عمر بن حفص نے جو سادات کا طرفدار تھا، اس کی دال نہ گلنے دی اور مجبوراً وہ موصل واپس گیا،

حضرت عبداللہ الاشتر تقریباً نو دس سال بہت آرام اور بےفکری سے زندگی گذارتے رہے، ابن حفص نے بھی اس عرصہ مین سندھ کی حکومت بہت اچھی طرح کی، کسی قسم کی شکایت نہ ہونے پائی، اور ہر جگہ امن وامان رہا، قرب وجوار کے ہندو راجاؤن سے بھی تعلقات اس کے اچھے رہے، لیکن اس کے عہد مین کوئی نیا علاقہ داخل نہیں ہوا، اور عمر بن حفص جیسے مدبر اور بہادر

[1] تاریخون سے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ وہ کون راجہ تھا؟ سندھ یا ہندوستان کے کس حصہ پر قابض تھا، لیکن آگے جو بیان آتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دریائے سندھ کی کسی شاخ کے پاس جو ریگستان سے متصل ہے، اس کا ملک تھا، غالباً یہ "کچھ" سندھ اور ریگستان کے درمیان واقع ہوگا،

سے توقع کے خلاف یہ بات ہوئی،

۱۵۱ھ میں منصور خلیفہ عباسی کو عبداللہ الاشتر کے حالات معلوم ہو گئے، تو عمر بن حفص کے پاس فرمان بھیجکر جواب طلب کیا، عمر بہت گھبرایا، اس سے کوئی جواب بن نہ پڑتا تھا، آخر چند خاص معتمد لوگون کو جمع کرکے خلیفہ کے خط سے آگاہ کیا، اور کہا کہ اگر اقرار کرتا ہون تو حکومت سے نکال دیا جاتا ہون، اور خلیفہ کے پاس چلا جاؤن تو قتل کر دیا جاؤن گا، اور انکار کر جاؤن تو لڑائی کرنی پڑے گی،

مجلس کے ایک شخص نے کہا کہ میرا نام لکھ کر بھیج دیجیے، غالباً ہم کو طلب کرے گا، اس وقت مجھے وہان روانہ فرما دین، یقین ہے کہ خلیفہ آپ کے سبب سے مجھے معاف کر دے،

عمر نے کہا کہ ایسا نہ ہوگا، بلکہ مجھے اندیشہ ہے کہ تم قتل کر دیے جاؤ گے، اس نے کہا کہ اگر ایسا بھی ہوا تو کچھ پرواہ نہیں، مین آپ پر تصدق ہو جاؤن گا، چنانچہ اس شخص کی تجویز کے مطابق وہ گرفتار کرکے قید کر دیا گیا، اور منصور کو اس کی خبر دی گئی، منصور نے اس کو طلب کیا، عمر نے بھیجدیا، جہان وہ بے گناہ قتل کر دیا گیا اور اپنے افسر کی جان اور عزت پر قربان ہو گیا۔[1]

اگرچہ عمر بن حفص کی جان اس کے وفادار ساتھی نے بچا دی، اور منصور اقراری مجرم کے قتل کے بعد عمر سے قانوناً کچھ نہ کہہ سکا، مگر دل اس کا صاف نہ ہوا، اور سیاسی مصالح کی بنا پر اس کی تبدیلی ضروری سمجھی گئی، وہ عمر کی قابلیت سے بھی واقف تھا، اور جانتا تھا کہ وہ بہترین حکمران ہے، اس لئے اس کو ترقی دے کر ۱۵۱ھ مین افریقہ کا گورنر مقرر کر دیا۔

ہشام کی حکومت

اس اثنار مین کہ وہ اس کی تبدیلی پر غور کر رہا تھا، اور سندھ کے لئے اس کے قائم مقام کی تلاش تھی، ایک دن وہ تفریحاً جا رہا تھا کہ راستہ مین ایک شخص پر نظر پڑی اس نے

[1] الکامل جلد ۵ صفحہ ۵۶۴،

بغور اس کو دیکھا، اور قصرِ خلافت میں واپس آگیا، یہ شخص بڑا ہوشیار تھا، اس نے اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا، چنانچہ وہ منصور کے پاس پہنچا، اور ملاقات کی خواہش کی، منصور اس سے بالکل واقف تھا، تاہم اس کو اندر بلا لیا اور آنے کا سبب دریافت کیا، اس نے کہا یا امیر المومنین! جب آپ کی سواری چلی گئی، تو میں گھر پہنچا، وہاں میں نے اپنی دوشیزہ بہن کو دیکھا جو نہایت حسین اور عقل و دینداری میں کامل ہے، میں نے خیال کیا کہ امیر المومنین کے سوا اور کوئی اس کے لائق نہیں ہے، اس لئے درخواست ہے کہ اس کو اپنے عقد میں لے آئیں، منصور نے سر جھکا لیا۔ اور کچھ سوچ کر کہا کہ اچھا تم جاؤ، میں اس کا جواب پھر دوں گا، اس کے چلے جانے کے بعد منصور نے اپنے سکریٹری (کاتب السر) ربیع سے کہا کہ میں اس کی درخواست ضرور قبول کر لیتا، اگر جریر شاعر کا یہ شعر نہ سنا ہوتا:-

لا تطلبن خولة من تغلب　　　فالزنج اکرم منهم اخوالا

قبیلہ تغلب والوں کو خولہ کا پیام نہ دو اس لئے کہ ماموں بنانے کے لئے زنگی بھی ان سے بہتر ہیں،

یہ شخص قبیلہ تغلب کا تھا اور اس کا نام ہشام بن عمر تغلبی تھا، اس لئے منصور نے اس کی قرابت پسند نہ کی،

پھر اس نے کہا کہ اس کو کہہ دو کہ تمہاری اس پیش کش کا شکریہ، مگر مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، البتہ تمہارے ساتھ یہ احسان کرنا چاہتا ہوں کہ تم کو سندھ کی ولایت سپرد کر دوں، اب تم فوراً وہاں روانہ ہو جاؤ، ادھر عمر بن حفص کو لکھا کہ ہشام جب پہنچے تو فوراً اس کو اپنا عہدہ سپرد کر کے تم افریقہ روانہ ہو جاؤ،

جب ہشام دربار خلافت میں رخصت کے لئے حاضر ہوا، تو خلیفہ منصور نے خصوصیت سے ہشام کو اس کی تاکید کی کہ عبد اللہ الاشتر کو جس طرح ہو سکے قید کر لو، اور بآسانی ناممکن ہو

ـــــــــــــــــــ
[1] کامل جلد پنجم ص ۲۵۶ لیڈن،

تو راجا کے ملک پر حملہ کر کے اس مین کامیابی حاصل کرو،

ہشام سندھ پہنچا[1]، اور عمر بن حفص کی جگہ سندھ کا والی (گورنر) ہوا، مگر چونکہ یہ خود بھی عمر ابن حفص کی طرح سادات کا طرف دار تھا، اس لئے متحیر تھا کہ کس طرح خلیفہ کی خواہش پوری کی جائے، اس کے لئے اس نے پہلی تدبیر تو یہ کی کہ لوگون مین یہ مشہور کر دیا، کہ مین عبداللہ اشتر کے لئے راجا سے خط و کتابت کر رہا ہون، اور اس طرح سے باوجودیکہ خلیفہ کی جانب سے تاکیدی احکام اس معاملہ مین عجلت کے لئے آتے رہے، وقت ٹالتا رہا، اور خود خلیفہ کو بھی اسی قسم کی اطلاع دے کر مغالطہ مین رکھا،

انہی دنون مین ایک مقام پر بدامنی ہوگئی، اس نے اپنے بھائی سفیح کو ایک دستہ فوج دے کر اس طرف روانہ کیا، راستہ اس طرف جانے کا ایسی جگہ سے تھا جس کی سرحد راجہ کی سرحد سے ملتی تھی، سفیح جب وہان پہنچا تو دور سے غبار نظر آیا، سمجھا کہ غنیم کی فوج آگئی، اس لئے لوگون کو مستعد ہونے کا حکم دیدیا، لیکن جب غبار سے صرف دس سوار نکلے تو اس کے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ عبداللہ الاشتر شکار کے لئے نکلے ہین، اور تفریح کے لئے دریا کنارے جارہے ہین، اس نے حکم دیا کہ ان کو گرفتار کر لیا جائے، مگر چند لوگون نے اس کو منع کیا اور کہا کہ یہ خاندان نبوت سے ہین بلا وجہ ان کا خون بہانا درست نہیں، اور اسی سبب سے تمہارے بھائی ہشام نے خلیفہ کے احکام کی تعمیل نہیں کی ہے، مگر سفیح نے جھلا کر جواب دیا کہ میں ان کو ضرور گرفتار کرون گا، اور جو اس میں مزاحم ہوگا اس کو بھی گرفتار کرون گا،

۱؎ بلاذری نے فتوح البلدان مین لکھا ہے کہ ہشام پہلے آیا، پھر عمر بن حفص، اس کے بعد داؤد سندھ کا والی ہوا، اور اسی کی پیروی بعض مصنفون نے کی ہے؛ چنانچہ الیٹ صاحب نے بھی یہی لکھا ہے، لیکن یہ کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ کامل ابن اثیر مین ہے کہ عمر کا تقرر افریقہ سنہ ۱۵۱ھ مین ہوا، اور ہشام اس کی جگہ سندھ کا والی مقرر کیا گیا، اور واقعات کی ترتیب بھی اسی کی موید ہے، یعقوبی ترتیب تقرر مین ابن اثیر کا موید ہے، مگر عمر بن حفص دو ہی سال کے بعد سندھ سے چلا گیا یعنی سنہ ۱۴۲ھ مین اس کا معزول ہونا لکھا ہے،

عبداللہ کی شہادت

عبداللہ نے جب دیکھا کہ اب جان بچتی نظر نہیں آتی ہے، تو جنگ کے لئے تیار ہو گئے، اور بڑی بہادری سے جنگ کرتے رہے، یہان تک کہ ایک ایک کر کے ان کے ساتھی سب مارے گئے، اور خود بھی دو ساتھیون کے بیچ مین گر کر آخرت کی راہ لی، ان کی لاش مقتولون مین کچھ اس طرح مشتبہ ہو گئی کہ معلوم نہ کی جا سکی، اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ دریاے سندھ مین ان کے طرفدارون نے ان کی لاش کو اس لئے ڈال دیا کہ ان کا سر کاٹ کر خلیفہ کے پاس لوگ نہ بھیج سکیں،

سیفیح نے اس کی خبر ہشام کو دی جس کو سن کر یقیناً اس کو بہت افسوس ہوا ہوگا مگر چونکہ خلیفہ کے حکم کی اس کے بھائی نے تعمیل کی تھی، اس لئے بظاہر اس سے کوئی مواخذہ نہ کیا، ہشام نے اس کی خبر خلیفہ کو دی جس سے منصور بہت خوش ہوا، اور راجہ پر حملہ کرنے کی تاکید کی،

منصور کا اصل منشا تو حاصل ہو چکا تھا، اس لئے راجہ پر حملہ کرنا غیر ضروری نظر آتا ہے، مگر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عبداللہ الاشتر کے چار سو جان نثار راجہ کے پاس پناہ گزین تھے، اور ان کا لڑکا محمد مع اپنی والدہ کے ان کے ساتھ تھا، اس لئے منصور کو یہ خدشہ تھا کہ سیاسی اغراض کے لئے محمد کو ان کا جانشین بنا کر لوگ فساد نہ برپا کرین، اور راجہ ان چار سو سیاسی مجرمون کو جو اس کی پناہ مین تھے خلیفہ کے حوالہ کرنا اپنی ذلت سمجھتا، اس لئے دونون کے لئے سواے جنگ کے کوئی چارہ نہ تھا،

ہشام نے آخر ۱۵۱ھ مین راجہ پر حملہ کر ہی دیا، دونون کی خوب جنگ ہوئی، آخر راجہ مارا گیا، اور اس کا ملک مسلمانون کے قبضہ مین آیا، عبداللہ کے ساتھی یا تو مارے گئے یا ملک مین ادھر ادھر منتشر ہو گئے، عبداللہ کے لڑکے محمد اور ان کی مان جو لونڈیون مین سے تھیں،

ان سب کو خلیفہ کے پاس بھیجدیا گیا، اور وہان سے منصور نے اہل بیت کے پاس مدینہ روانہ کردیا، اور حاکم مدینہ کو حکم دیا کہ مشتہر کردو کہ یہ لڑکا صحیح النسب سید ہے[1]،

بھروچ پر بحری حملہ

جب ہشام ان جھگڑون سے فارغ ہوا تو اس کو توسیع مملکت کا خیال ہوا، اس نے عمر بن جمل جیسے بہادر کو افسر بناکر ایک بیڑہ کشتیون کا دیا، جو بھروچ کے قریب بھاربھوت بندرگاہ مین جا پہنچا، یہ غالباً حالات دریافت کرنے آیا تھا[2]،

ہشام تغلبی منصورہ مین تھا، کہ اس کے کسی مصاحب نے مشورہ دیا کہ منصورہ تمہارے جیسے اولوالعزم افسرون کے لئے کافی نہیں ہے، تم کو تو ملتان جانا چاہیے جہان سے ہر طرف ہندوستان پر حملہ آور ہوسکتے ہو، یہ بات ہشام کے دل مین اتر گئی، اور فوجی تیاری کرکے ملتان کی طرف چل پڑا اور منصورہ پر اپنے بھائی بسطام کو نائب بنایا، یہ ہندوستان کی حدین شمال کی طرف بڑھا، یہان تک کہ کشمیر کی حد مین جا پہنچا، (اس زمانہ مین پنجاب کا بالائی حصہ کشمیر مین داخل تھا) اس لئے اس پر حملہ کرکے اپنے مقبوضات مین شامل کیا، اور بڑی تعداد مین قیدی گرفتار ہوئے، اور لوٹ کا مال بیشمار ملا،

ہشام وہان سے واپس آتا ہوا ملتان پہنچا، یہان کے لوگ باغی ہوگئے تھے[3]، اور خود مختار حاکم بن بیٹھے تھے، جب ہشام وہان کے قریب پہنچا تو وہان کا حاکم بھی فوج لے کر نکلا، تاکہ ان کو کسی صورت سے واپس کرے، مگر اس مین کامیابی نہیں ہوئی، اور آخر دونون مین سخت جنگ ہوئی،

---

[1] الکامل جلد پنجم ص۲۰۵، [2] فتوح البلدان ص۴۴۵ لیڈن، [3] میرے خیال مین ملتان کے لوگ محمد بن قاسم کے بعد سنہ ۱۱۱ھ مین ہی خود مختار ہوگئے تھے، اور چونکہ برہمن آباد پر جے سنگھ دوبارہ قابض ہوگیا تھا، اس لئے ملتان پر فوجکشی نہ ہوسکی، اور اسی لئے تاریخ مین ہشام سے پہلے اس کا کوئی ذکر نہیں آتا ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ ہشام سے شکست کھانے کے بعد ان لوگون نے صلح کرلی، کیونکہ اس کے بعد پھر کسی مورخ نے اس کا تذکرہ نہیں کیا جس سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ وہ خود ایک ریاست تھی جس کا سندھ کے والی سے کوئی تعلق نہ تھا،

جو ملتان والون کی شکست پر جا کر ختم ہوئی، ہشام شہر مین داخل ہوا، اور بہت قیدی پکڑے گئے،

قندابیل (گندھاوی) ہمیشہ سندھ کے تابع رہا، مگر جب خانہ جنگی کے باعث سندھ کی مرکزی طاقت کمزور ہو گئی تھی، تو قندابیل کا حاکم خود مختار بن بیٹھا تھا، اس لئے اب اس کی تنبیہ ضروری سمجھی گئی، چنانچہ ہشام بن عمر تغلبی ملتان سے دریا پار ہو کر قندابیل آیا، اور حاکم کو جبراً وہان سے نکال دیا، اور حسبِ خواہش پختہ انتظام کر کے واپس ہوا۔

گندھار پر بحری حملہ

غالباً عمر بن جمل اس عرصہ مین واپس آگیا تھا، اور اس سے تمام حالات معلوم کر لئے اس لئے ہشام نے جہازون کے بندوبست کا حکم دیا جب مکمل اہتمام ہو گیا تو ان کو دریائے سندھ کے بہاؤ پر ڈال دیا، جو وہان سے چل کر بحرِ عرب مین آئے، اور پھر یہ عرب ضلع بھروچ کے بندرگاہ "گندھار" پر حملہ آور ہوئے[1]،

اس حملہ کا سبب کیا ہوا؟ میری نظر سے اب تک کسی تاریخ مین نہیں گذرا، لیکن عرب سیاحون کے سفرنامون سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد مین سومناتھ، کچھ، کنبھائت، بھروچ، چیمور، سوپارہ وغیرہ بڑے بندرگاہ تھے، اور بکثرت عرب تاجر آتے جاتے تھے، جب کبھی یہ تاجر لوٹ جاتے یا ان کے ساتھ بدسلوکی ہوتی تو دربارِ خلافت مین اس کی فریاد کی جاتی، اس وقت کبھی براہ راست مرکزی حکومت ایک بیڑا جہازون کا ان کی حمایت کے لئے بھیجتی، اور کبھی سندھ کے حاکم کو اس طرف توجہ دلائی جاتی جس کو وہ خود انجام دیتا، میرا خیال ہے کہ اس وقت بھی یہی معاملہ پیش آیا، کیونکہ گجراتی تاریخون سے معلوم ہوتا ہے کہ بھروچ گوجر راجہ کی سلطنت ختم ہو چکی تھی، اور خاندان راشٹر کوٹ نے ان کو مار کر راج پیپلہ مین پناہ لینے پر مجبور کر دیا، اس انقلابِ سلطنت کے وقت بھروچ مین جب فاتح قوم داخل ہوئی ہوگی، اور لوٹ مچی ہوگی

---

[1] فتوح البلدان ص۴۴۶ لیدن۔

توبہت ممکن ہے کہ اس بدامنی کے وقت عرب تاجر بھی لٹ گئے ہون، اور انہی کی مدد اور حمایت کے لئے یہ فوجی مہم روانہ کی گئی ہو، جیسا کہ ابھی چند سال ہوئے تمام یورپین حکومتون نے چین کے انقلاب سلطنت کے وقت جنگی بیڑے اپنے تاجرون کی حفاظت کے لئے روانہ کئے تھے، اور چونکہ فاتح قوم کو عربون سے کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا، اس لئے فاتحانہ غرور مین انھون نے عربون کے شرائط قبول کرنے سے انکار کر دیا ہوگا، اور اسی پر جنگ ہو گئی ہوگی۔

جب ہشام نے ان کو شکست دے کر گندھار بندر پر قبضہ کر لیا، اس وقت عربون کا فوجی تفوق اور بحری قوت کا اندازہ لگا کر راشٹ کوٹ والون نے صلح کر لی ہوگی، کیونکہ اس کے بعد عرصہ تک ہم دیکھتے ہین کہ عربون نے پھر ادھر کا رخ نہیں کیا۔

ہشام نے گندھار پر قبضہ کر کے وہان اس وقت تک قیام کیا جب تک معاملات باہلے[1] نہ ہو گئے اس درمیان مین وہان ایک خانقاہ (وہار) بودھون کا تھا جس پر قبضہ کر لیا، اور اسے توڑ کر وہان ایک مسجد تعمیر کی، اور غالباً یہ پہلی مسجد ہے جو گجرات مین تعمیر ہوئی،

ہشام تغلبی بڑی کامیابی کے ساتھ واپس آیا، اور عرصہ تک منصورہ مین مقیم رہ کر انتظام سلطنت مین مصروف رہا، اس کے عہد مین بڑا امن وامان اور خوشحالی رہی، یہان تک کہ لوگ اس کے نام کو بابرکت خیال کرنے لگے، اور اس کا نام سن کر لوگ دور دور سے اس کے پاس آتے اور فیضیاب ہوتے، چنانچہ عرب کا مشہور شاعر مطیع بن ایاس بھی اس کے پاس آیا تھا[1]

اس کی انتظامی قابلیت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ منصور نے جب اس کا انتظام دیکھا تو اس قدر خوش ہوا کہ صوبہ کرمان بھی اس کے سپرد کر دیا[2] اور ۱۵۶ھ مین اس نے دونون صوبون کو اس خوبی سے منظم کر دیا کہ جب تک یہ سندھ مین مقیم رہا، نہ تو کبھی کوئی بدامنی ہوئی، اور نہ کوئی

---

[1] اغانی جلد ۱۲ صفحہ ۸۶ مصر [2] الکامل جلد ۶ صفحہ ۶،

شکایت کسی کو پیدا ہوئی،

سندھی وفد | اسی سال خلیفہ منصور عباسی کے پاس سندھ سے ایک وفد گیا جس مین بعض اہلِ علم بھی شامل تھے، جس سے بغداد کے حکیمون اور منجمون نے کافی فائدہ اٹھایا، لیکن افسوس ہے کہ یہ نہ معلوم ہوسکا کہ اس کی اصلی غرض کیا تھی؟ لیکن قیاس سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ غالباً سندھ کے انتظامی حالات معلوم کرنے کے لئے منصور نے خود طلب کیا تھا، اور حسنِ انتظام کی شہادت ملنے پر کرمان کا صوبہ اس کے حوالہ کیا گیا[1]، وفد مین جو اہلِ علم تھے، ان میں سے ایک سنسکرت کا بہت بڑا پنڈت بھی تھا، جس نے سدھانت کو خلیفہ کے سامنے پیش کیا، پھر خلیفہ کے حکم سے ابراہیم فزاری ریاضی دان کی مدد سے اس کا عربی مین ترجمہ کیا[2]،

اب پانچ چھ برس کے بعد ہشام کو وطن کی یاد ستانے لگی، اس لئے ۱۵۰ھ میں رخصت لے کر وہ وطن روانہ ہوا، اس نے خلیفہ کے سامنے ایسے نادر اور بیش بہا تحفے پیش کئے کہ آج تک کسی سندھی والی کو میسر نہ ہوئے تھے، خلیفہ بھی اس سے بہت خوش ہوا۔ عراق اور ممکن ہے کہ خاص بغداد ہی، مین ابھی کچھ زیادہ دن نہ رہنے پایا تھا، کہ وہ اس دنیا سے سفرِ آخرت پر روانہ ہو گیا[3]،

معبد بن خلیل | ۱۵۱ھ مین خلیفہ منصور نے اس کی جگہ معبد بن خلیل تمیمی کو سندھ کا والی مقرر کیا، اس نے بھی ملک کا بڑا معقول انتظام کیا، اور اسی لئے ملک مین بڑا مقبول رہا،

ذوالحجہ ۱۵۸ھ مین خلیفہ منصور نے وفات پائی، اور اس کا لڑکا المہدی جو ولی عہد تھا، تختِ خلافت پر بیٹھا، اس نے فوراً ہی سندھ کے عمال مین تو کسی قسم کا تغیر نہیں کیا، روح بن تمیم کی حکومت | مگر جب ۱۵۹ھ مین سندھ کا والی معبد بن خلیل وفات پا گیا، تو اس کی جگہ

[1] کتاب الفہرست ص ۲۷۰ لیڈن [2] اخبار الحکماء قفطی ص ۲۷۰ مصر [3] یعقوبی جلد ۲ ص ۴۴۹ لیڈن

روح بن حاتم مقرر ہوئے،

تبلیغ اسلام

مہدی نے تخت نشینی کے بعد ہی اکثر بادشاہون کے نام تبلیغی خطوط بھیجے اور مسلمان ہوجانے کی درخواست کی، یہ تقریباً کل حکومت اسلامیہ کے ماتحت تھے، ان میں سے پندرہ[1] راجون اور بادشاہون نے اسلام قبول کیا، اسی مین ایک راجہ سندھ کا تھا جس کو "رائے" کہتے تھے[1]، اور دوسرا ہندوستان کا جس کو "مہراج" کہتے تھے، اور یہ پورس کے خاندان سے تھا اس سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ سرحدی علاقہ (پشاور) کا طاقتور راجہ تھا،

ایک تابعی کی جہاد میں شرکت

۱۵۹ھ مین غالباً پھر عرب تاجرون کو گجراتیون سے شکایت پیدا ہوئی[2]، اس لئے خلیفہ مہدی نے جہازون کا ایک بیڑا عبدالملک بن شہاب مسمعی کے زیر کمان بھیجا، تاکہ ان کی شکایات دور کی جائیں، یہ بیڑا ۱۶۰ھ مین بھاڑبھوت پہنچا، یہ بھڑوچ سے سات میل مغرب کی جانب ایک کچی بندرگاہ تھی، جہان جہاز سمندر کے مد و جزر کے ساتھ آتے جاتے تھے، زمین پر قدم رکھتے ہی فوجون نے حملہ کردیا، ان فوجون مین والنٹیر (رضا کار) بھی بہت تھے، اور غالباً ان کے افسر ابوبکر (ابوحفص بھی کنیت تھی) ربیع بن صبیح السعدی بصری تھے جن کو تابعی ہونے کا فخر حاصل تھا، انھون نے ایک دوسرے کو جہاد کے لئے بڑا جوش دلایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانون کے پر جوش حملون کو وہ نہ روک سکے،

گجراتی شہر مین چلے گئے اور پھاٹک بند کردیا، اسلامی فوج نے اس کا محاصرہ کرلیا، اور اس سختی سے محاصرہ کیا کہ وہ لوگ عاجز آگئے آخر ایک دن عرب فوج بزور شہر مین گھس گئی، اور شہر فتح ہوگیا، لوگ بھاگ کر ایک خانقاہ مین جمع ہوگئے، غالباً عربون کو شبہہ ہوا کہ یہ بھی کوئی قلعہ ہے، کیونکہ اس عہد مین بودھون (بُدھون) کے بڑے بڑے دہار (خانقاہ)، اعلیٰ

[1] یعقوبی جلد ۲ ص ۴۷۹ [2] گجراتی تاریخون سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دنون (بقیہ صفحہ ۱۶۲ پر)

پیمانہ پر مثل قلعہ مع فصیل و بروج تیار کئے جاتے تھے، جس کے نمونے آج بھی برہما مین موجود ہین، عربون نے اس کا بھی محاصرہ کر لیا، اور جلد فتح ہونے کے خیال سے غالباً آتشگیر مادے پھینکے، جس سے اس مین آگ لگ گئی کچھ لوگ جل مرے، باقی گھبرا کر باہر نکلے، جو تہ تیغ ہوئے، اس جنگ مین کل ۲۹ عرب شہید ہوئے، اب غالباً معاملات طے پا گئے، اور شہر مین امن و امان ہو گیا، مگر سمندر جوش پر تھا، اس لئے فوری واپسی ناممکن تھی، مجبوراً کچھ دنون انتظار کرنا پڑا، جب وہ بھادون جمع ہوتے ہین تقریباً اٹھارہ سال پر ہوتا ہے تو ایک میلہ یہان لگتا ہے، موسم کے اثر اور لوگون کی کثرت سے یہان کی آب و ہوا خراب ہو جاتی ہے، اور وبائی امراض پیدا ہو جاتے ہین (عام طور پر آج تک ایسا ہی مشہور ہے) اتفاق سے اس وقت جب کہ عربی فوج مقیم تھی یہی وقت اور موسم تھا، جس کے باعث فوج مین بھی اس کا اثر ظاہر ہوا، یہ مرض منہ مین ہوتا تھا اور اس قدر زہریلا کہ جلد خاتمہ کر دیتا، چنانچہ اس فوج کے ایک ہزار سپاہی شہید ہو گئے، انہی شہیدون مین ابوبکر ربیع تھے،[1]

ابوبکر ربیع بن صبیح سعدی بصری مولی بنی سعد بن زید مناۃ بن تمیم جلیل القدر تابعی تھے، اور خواجہ حسن کے شاگرد، آپ کی روایت ابن ماجہ مین متعلق جہاد موجود ہے[2]، طبقات ابن سعد مین ہے کہ جہاد کے لئے سمندر کے راستہ ہند مین گئے، وفات پا جانے پر جزائر ہند کے ایک جزیرہ مین دفن کئے گئے،[3]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۱) جنوبی گجرات مین خاندان راشٹ کوٹ کے کرشن یا گوبند کی حکمرانی تھی، کرشن کے ایک کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان کے لوگون نے بغاوت کر دی تھی، اور خاندانی نزاع جو تخت حاصل کرنے کے لئے شہزادون نے شروع کی تھی، اس سے بدامنی پیدا ہو گئی، اور اس لئے کرشن کو بغاوت فرو کر کے حکومت کی باگ اپنے ہاتھ مین لینی پڑی، غالباً اسی بدامنی اور بغاوت میں عرب کے تاجرون کو شکایت پیدا ہوئی جس کے لئے جہازون کا بیڑا آیا (دیراچین اتہاس گجراتی)،

[1] الکامل جلد ۶ صفحہ ۳۱ لیدن [2] ابن ماجہ صفحہ ۲۰۲ دہلی نظامی [3] طبقات ابن سعد جلد ۷ صفحہ ۳۶ قسم دوم لیدن

اور تہذیب التہذیب میں ہے کہ رام ہرمزی نے فاصل میں لکھا ہے کہ بصرہ میں یہ پہلے مصنف ہیں[1]، اس بیان سے معلوم ہوا کہ ابوبکر ربیع کی وفات خاص جہاز بھوت میں نہیں ہوئی بلکہ کسی جزیرہ میں وفات کے بعد مدفون ہوئے،

واقعہ یوں ہوا ہوگا کہ جب وبائی امراض کی شدت ہوئی ہوگی تو لوگ بندرگاہ اور شہر چھوڑ کر جہاز پر واپس آگئے ہوں گے، اور اس جگہ کے متعدد جزیروں میں سے کسی جزیرہ میں مقیم ہوئے جہاں انتقال کے بعد یہ دفن کئے گئے، افسوس ہے کہ آج ان تابعی کی قبر کا کچھ پتہ نہیں، راقم الحروف جب بھروچ میں تھا تو اس کے متعلق بڑی کوشش کی مگر کامیابی نہیں ہوئی،

لوگ اس بیماری اور موت سے اس قدر گھبرا گئے کہ سمندر کے سکون کا انتظار کئے بغیر روانہ ہوگئے، خلیج فارس تک تو پہنچ گئے، مگر جب ساحل حمران کے قریب آئے تو ایسی سخت ہوا چلی کہ کشتیاں ٹکرا کر ٹوٹ گئیں، اور اکثر لوگ غرق ہوگئے، جو لوگ بچے وہ بڑی مصیبت سے عراق پہنچے، انہی میں سے عبدالملک بن شہاب مسمعی تھا جو آگے چل کر سندھ کا والی ہوا،

سندھ کے متعدد حکام مہدی نے اپنے وزیر ابو عبداللہ کے مشورہ سے روح بن حاتم کو ۱۵۹ھ میں سندھ کا والی بنایا، مگر اس سے انتظام نہ ہوسکا، جاٹوں نے جو سندھ کے مغربی حصہ میں آباد تھے کچھ ایسا سر اٹھایا کہ والی عاجز آگیا[2]، آخر مہدی نے اس کے بجائے اسی سال بسطام بن عمر کو بھیجا جو اس سے قبل اپنے بھائی ہشام کے عہد میں کافی تجربہ حاصل کرچکا تھا، ۱۶۱ھ کی ابتدا ہی میں مہدی نے اس کو معزول کرکے پھر روح بن حاتم کو سندھ بھیجا، اس دوسری دفعہ بھی

[1] تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۲۴۸ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱۳۲۵ھ [2] اس کی معزولی کی دوسری وجہ یہ ہوئی کہ اس کا بھائی افریقہ کا والی تھا جو مرگیا، خلیفہ نے اس کی جگہ اس کے بھائی کو مقرر کرنا زیادہ بہتر سمجھا، اس لئے یہاں سے تبدیل کرکے افریقہ بھیجدیا، اور وہیں ۱۷۴ھ میں اس کا انتقال ہوا (کامل ج ۶ ص ۱۰۱)

یہ ناکام رہا، اس لئے اس کی جگہ اسی سال نصر بن محمد بن اشعث خزاعی مقرر کیا گیا، لیکن اسی سال وہ بھی معزول ہوا، اور محمد بن سلیمان بن علی ہاشمی کے ہاتھ میں سندھ کی حکومت دی گئی، وہ خود تو سندھ نہ آئے البتہ عبدالملک بن شہاب مسمعی کو اپنا نائب بناکر روانہ کیا، ان کو سندھ آئے ابھی صرف ۱۸ دن (یعقوبی نے لکھا ہے کہ بیس روز سے کم) ہوئے تھے کہ معزول کئے گئے، اور دوبارہ نصر بن محمد بن اشعث خزاعی راستہ ہی سے واپس بلاکر حاکم مقرر ہوئے، یہ سندھ روانہ ہوئے اور کچھ ہی دن کے بعد معزول ہوئے؛ اب زبیر بن عباس جو قثم بن عباس کی نسل سے تھے، سندھ کے والی ہوئے، یہ گھر ہی سے بیٹھے بیٹھے حکومت کرنا چاہتے تھے اسلئے سندھ میں بدامنی بڑھ گئی، ناچار سفیح بن عمر تغلبی کو سندھ بھیجا جس نے سندھ کی حالت سدھارنے میں بڑی کوشش کی؛ یہ ہشام بن عمر تغلبی سابق والیِ سندھ کا تیسرا بھائی تھا، اس کے عہد میں گو خارجی معاملات اچھے رہے، لیکن داخلی حالات بڑے پریشان کن رہے، حجازی اور یمنی لوگوں کا فساد اس قدر بڑھ گیا کہ اس کا کوئی تدارک یہ نہ کرسکا، اور اس آپس کی نزاع نے ایسی بدامنی پیدا کردی کہ اندرونی اصلاحات ناممکن ہوگئے، پس اس کی جگہ پھر نصر بن محمد بن اشعث روانہ کئے گئے جو ۱۶۲ھ تک والی رہے۔

لیث بن طریف ۱۶۴ھ میں غالباً مہدی کو یہ حالات معلوم ہوئے تو ان کی جگہ اپنے ایک غلام لیث بن طریف کو بھیجا، یہ جب سندھ آیا تو اس نے حالات معلوم کرکے داخلی انتظامات شروع کئے جس کے بغیر وہ بدامنی جو پھیلی ہوئی تھی، دور ہوکر امن ہونا ممکن تھا، ابھی ایک ہی ماہ ہوا تھا کہ جاٹوں کی سرکشی نے پھر ملک میں بدامنی پیدا کردی، اس نے بہت کوشش کی کہ یہ معاملہ

---

[1] الکامل جلد ۶ صفحہ ۴۲۔ اغانی جلد ۱۰ صفحہ ۹۶ طبع مصر میں ابونضیر مشہور شاعر کے حالات میں ہے کہ عبداللہ بن عمر بن ہشام بھی اسی زمانہ میں سندھ کا والی تھا، جو بڑا فیاض اور مشہور شخص تھا، شعر کے مدحیہ اشعار جو اس کی نسبت تھے بہت مشہور ہوئے مگر تاریخ اس کی موید نہیں ہے، اس لئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے چچا کے ساتھ آیا ہوگا اور بحیثیت نائب کچھ دنوں رہا ہو،

بآسانی طے ہو جائے، مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی، اور مقامی فوج بھی ان کو زیر نہ کر سکی ۱۶۵ھ مین مہدی حج کے لئے روانہ ہوا، بصرہ پہنچا تھا کہ اس کو پانی کی کمی معلوم ہوئی اس لئے وہ بصرہ مین ٹھہر گیا، اسی جگہ سندھی جاٹوں کی سرکشی کا حال اس کو معلوم ہوا (غالباً لیث نے اطلاع دے کر فوجی مدد طلب کی ہوگی) مہدی نے بصرہ ہی مین ایک فوج تیار کی، اور جب اس پر اس کو اطمینان ہو گیا تو اس کو سندھ روانہ کر دیا، جس وقت یہ فوج سندھ پہنچ گئی تو لیث نے فوراً فوجی قانون (مارشل لا) جاری کر دیا، اور پھر جس نے سرکشی کی فوراً موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جاٹون کی سرکشی موقوف ہو گئی، باغی یا تو مارے گئے یا ملک بدر ہو کر بھاگ نکلے اور دوسرے ملکون مین جا کر آباد ہوئے،

۱۶۹ھ مین مہدی نے وفات پائی اور اس کا لڑکا موسیٰ ہادی تخت نشین ہوا، موسیٰ ۱۴ ماہ زندہ رہ کر ۱۴ ربیع الاول ۱۷۰ھ مین وفات پا گیا، اور اس کا بھائی ہارون الرشید اس کی جگہ خلیفہ ہوا،

سالم یونسی | ہارون الرشید نے جب انتظامِ سلطنت کی طرف توجہ شروع کی تو سالم یونسی کو والیِ سندھ بنایا[1]، لیث کے طریقہ حکمرانی سے امن و امان ہو چکا تھا، اس لئے سالم کو کسی طرح کی پیچیدگی سے واسطہ نہ پڑا، اس نے چار سال تک بڑے اطمینان سے حکومت کی ۱۷۴ھ مین اسحاق بن سلیمان ہاشمی والی مکران و سندھ ہو کر آئے، لیکن وہ اسی سال وفات پا گئے[2] یعقوبی

[1] .... تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۶ بمبئی مین ہے کہ بہ عہد ہارون الرشید ۱۷۱ھ شیخ ابوتراب تبع تابعی مغربی سندھ مین ضلع ساکورہ (شاکرہ) پر بیع قلعہ کے قابض تھے، ان کا مقبرہ آج تک (ٹھٹھہ سے آٹھ میل پر) زیارت گاہ عام و خاص ہے اور اس پر سنہ ۱۷۱ھ تاریخ کندہ ہے، غالباً والی سندھ کی طرف سے قلعہ دار ہو گئے (بطور ایک کمشنر) اسی طرح والیوں کی فہرست مین ابوالعباس کا نام تحریر کیا ہے جس کی تائید کسی تاریخ سے نہیں ہوتی،

[2] ابن خلدون جلد ۳ ص ۲۱۰،

ان کی نسبت لکھتا ہے کہ یہ بڑے پاکباز اور نیک آدمی تھے، افسوس کہ اس نیک سیرت الانسان سے سندھ کو فائدہ اٹھانے کا موقع نہ ملا، اسحاق کی وفات پر اس کا لڑکا قائم مقام ہوا جس کا نام یوسف تھا،

طیفور کی حکومت خلیفہ ہارون کو جب اس کی خبر ہوئی تو اس نے طیفور بن عبد اللہ بن منصور حمیری کو سندھ کا والی بنا کر روانہ کیا، یہ جب سندھ پہنچا تو دبی ہوئی چنگاری پھر روشن ہو گئی یعنی نزاری (حجازی) اور قحطانی (یمنی) لوگون نے جنگ شروع کر دی، اور غالباً اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ خود والی چونکہ حمیری (یمنی) تھا، اس لئے قدرتی طور پر وہ اپنی قوم کی طرف داری کرتا ہوگا جو نزاری (حجازی) لوگون کو سخت ناگوار ہوتا ہوگا، اور ان کی تعداد چونکہ زیادہ تھی، اور ہر طرح سے طاقتور تھے، اس لئے والی سے بھی نہیں دبتے تھے، جب یہ فتنہ بڑھ گیا اور اس کی خبر خلیفہ کو ہوئی تو اس نے طیفور کی جگہ جابر بن اشعث طائی کو مقرر کیا، اور سندھ کے ساتھ مکران بھی ان کے زیر حکومت دیا گیا،

جابر کی ولایت ہم دیکھتے ہین کہ ادھر چند والیون کو سندھ کے ساتھ مکران کی بھی حکومت دی جا رہی ہے، میرے خیال مین اس کا اصلی سبب یہ ہے کہ برہمن آباد، ارور وغیرہ پر سندھی راجاؤن کی حکومت تھی، اور یہ ممالک دریاے سندھ کے مشرقی جانب ہین، اور اس کے بعد ملتان ہے جہان اسلامی حکومت کا پرچم لہرا رہا تھا، اور دریا کے مغربی جانب کا علاقہ تقریباً موجودہ اٹک تک مسلمانون کے قبضہ مین تھا، پس انتظامی حیثیت سے ملتان کی آمد و رفت خصوصاً سیاسی انتظامات سب مغربی جانب سے ہونے لگے، اور اسی کے متصل مکران کا علاقہ ہے، پس مکران اور سندھ کو ایک حاکم کے ماتحت رکھنے مین دو فائدے تھے، اول تو ایک حاکم کی تخفیف سے خرچ کی بچت ہوتی تھی، اور دوسرے بوقت ضرورت ایک دوسرے کی

فوجی امداد بآسانی میسر آسکتی تھی،

سعید کی حکومت

جابر سے بھی سندھ کا مسئلہ حل نہ ہو سکا، تو ان کی جگہ سعید بن سلیم بن قتیبہ کو والی بنایا، انھون نے اپنے بھائی کثیر بن سلم کو اپنا نائب بنا کر سندھ بھیجدیا، یہ ایک نالائق شخص تھا، اس نے حکومت ہاتھ مین لیتے ہی ہاتھ پاؤن پھیلائے، اور بداخلاقیون مین مبتلا ہو گیا، خلیفہ کو جب یہ معلوم ہوا تو ان کو معزول کر کے عیسیٰ بن جعفر بن منصور عباسی کو سندھ سپرد کیا، یہ حضرت بھی وہین بیٹھے رہے، اور محمد بن عدی ثعلبی کو اپنا قائم مقام کر کے سندھ بھیجدیا،[1] سندھ کے لئے یہ شخص بھی سبز قدم ثابت ہوا، اس نے جتنی حرکتیں کین سب کی وجہ سے خانہ جنگی مین اضافہ ہی ہوتا گیا،

اس کے عہد مین قبائل دل کھول کر لڑے اور سرکاری طور پر اس کا کچھ تدارک نہ ہو سکا، ابن عدی نے جب دیکھا کہ اب یہان رہنا خطرہ سے خالی نہیں ہے تو ملتان کی طرف روانہ ہوا، ملتان والون کو علم ہونے پر یہ خدشہ ہوا کہ اس کے آنے پر کہیں یہ آگ یہان بھی نہ بھڑک اٹھے، اس لئے فوجی تیاری کے بعد وہ لوگ اس کے مقابلہ کے لئے باہر نکلے،

محمد بن عدی جب ملتان کے قریب پہنچا تو خلاف توقع اس کو مقابلہ کے لئے فوج نظر آئی، اس نے حملہ کر دیا، ملتان والوں نے بھی اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، اور آخر سخت حملے کے بعد ابن عدی نے شکست کھائی، ملتان والون نے اس کا تمام سامان لوٹ لیا، اور اسلحہ جنگ تک ان سے چھین لئے، ناچار منصورہ واپس ہوا، جب خلیفہ ہارون الرشید کو یہ حال معلوم ہوا تو عبدالرحمن نامی ایک شخص کو سندھ بھیجا، جو والی ہو کر آیا، مگر ابن عدی کی لگائی ہوئی آگ کو یہ فرو نہ کر سکا، اس لئے ایوب بن جعفر بن سلیمان کو سندھ کا حاکم بنایا، افسو

[1] تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص۴۹۲ لیدن ،

کہ یہ بھی ناکام رہا،

داؤد مہلبی — آخر خلیفہ نے غور و خوض کے بعد حکمران طبقے میں سے ایک قدیم خاندان آل مہلب کا انتخاب کیا، اور ۱۸۴ھ میں داؤد بن یزید بن حاتم مہلبی کے سپرد سندھ کی حکومت کی، اس نے اپنے بھائی مغیرہ کو اپنا نائب بنا کر بھیجدیا،

ادھر حجازیوں (نزاری) نے اس قدر قوت حاصل کر لی تھی، کہ حکام ان سے عاجز آگئے تھے، اور کسی طرح ان کو نہ دبا سکے، جب انھوں نے دیکھا کہ ہر طرح سے ہمارا غلبہ ہو گیا ہے، تو یہ تجویز کی کہ تمام ملک سے یمنیوں (قحطانی) کو نکال دیا جائے، اور ملک کو آپس میں اس طرح تقسیم کر لیں کہ ایک حصہ قریش کے لئے مخصوص ہو، اور دوسرا قیس کے واسطے، اور تیسرے پر ربیعہ قابض ہو جائیں،

مغیرہ جب منصورہ پہنچا تو نزاریوں نے دروازہ بند کر لیا، اور مجبور کرنا چاہا کہ جو فیصلہ ہم لوگوں نے کیا ہے اسے وہ منظور کر کے عمل درآمد کرے، مگر مغیرہ نے منظور نہ کیا، اور منصورہ کا محاصرہ کر لیا، مغیرہ نے چاہا کہ منصورہ والوں کو پرچا کر سیدھا کر لے، مگر وہ کسی طرح راضی نہ ہوئے، آخر انھوں نے یہ شرط پیش کی کہ ہم لوگوں کے ساتھ تعصب نہ برتا جائے، ورنہ اجازت دی جائے کہ ایک دروازہ سے ہم لوگ باہر نکل جائیں، اور دوسرے دروازے سے آپ اس میں داخل ہوں مغیرہ نے اس کو بھی قبول نہیں کیا، آخر دونوں میں سخت جنگ ہوئی جس میں مغیرہ کو شکست ہو گئی، اور مغیرہ منصورہ چھوڑ کر سندھ کے دوسرے حصہ میں چلا گیا اور اپنے بھائی داؤد کو اس کی رپورٹ کی،[1]

داؤد کو جب یہ حال معلوم ہوا تو نہایت برہم ہو کر فوجی سامان کے ساتھ چل پڑا، اس نے

---

[1] یعقوبی جلد ۲ ص ۴۹۵ لیڈن؛

سندھ پہنچتے ہی نزاریوں سے سمجھنا شروع کیا، چونکہ ایک عرصہ سے یہ فساد کر رہے تھے، اور والی کو دباتے رہتے، اور وہ بھی ان کے طاقتور جتھے کو دیکھتے ہوئے چشم پوشی کرتا تھا، اس لئے یہ بڑے مفسد اور خود سر ہو گئے تھے، اب ایسے سخت والی کی ضرورت تھی کہ "آہن باآہن تواں ساختن" کا مصداق ہو کر ان کا زور توڑ دے،

داؤد اس مسئلہ کو اچھی طرح سمجھ گیا تھا، چنانچہ شروع سے اس نے یہی رویہ اختیار کیا، جہاں کہیں راستہ میں نزاری ملے اور سرکشی دکھائی سخت ترین سزائیں دیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام سندھ میں نزاریوں نے اس کو اپنا دشمن سمجھا اور اس نے بھی ان کے مقابلہ میں ایسا ہی برتاؤ کیا، جب یہ منصورہ پہنچا تو باغیوں نے دروازہ بند کر لیا، اور جنگ شروع کر دی یہ بھی اس کے لئے تیار تھا، اس نے بڑی تعداد نزاریوں کی کاٹ کے رکھ دی، لیکن نزاری بھی اطاعت کی طرف مائل نہ ہوئے، بیس روز تک اسی طرح روزانہ جنگ ہوتی رہی۔ اب گو باغی پست ہو گئے اور ان کی طاقت کمزور ہو گئی، مگر پھر بھی منصورہ کا دروازہ نہ کھولا، آخر داؤد نے کئی ماہ کے محاصرہ کے بعد شہر کو فتح کر لیا لیکن نزاری اپنی فتنہ پردازی سے باز نہ آئے، اور برابر کوئی نہ کوئی ہنگامہ برپا کرتے رہتے جس سے تنگ آکر داؤد نے ان کی طاقت بالکل فنا کر دینے کا عزم بالجزم کر لیا، چنانچہ منصورہ میں جہاں جہاں ان کے محلے اور مکانات تھے ان کو اس نے ویران کر کے ملک بدر، قتل اور قید کرنا شروع کیا، یہاں تک کہ منصورہ میں بالکل امن ہو گیا۔[1]

منصورہ کے بعد سندھ کے اور اطراف کے جانب اس نے اپنی توجہ مبذول کی، اور ہر جگہ نزاریوں سے یہی سلوک کیا، اس میں کوئی شک نہیں کہ اس طرز عمل سے ملک کی ایک بڑی آبادی جو عربوں پر مشتمل تھی، برباد ہو گئی، اور اکثر مقامات ویران ہو گئے، لیکن

---

[1] تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۴۹۲ لیدن،

کیا گیا جائے، اگر انسانی بدن کا کوئی حصہ سڑ جائے تو جراح اس کو کاٹ ہی ڈالے گا تاکہ جسم کے بقیہ حصے تندرست رہین، سندھ کا بھی یہی حال ہوا، داؤد نے جب ہر جگہ نزاریوں کا زور توڑ دیا تو تمام سندھ مین ایک سرے سے دوسرے سرے تک امن وامان ہو گیا، داؤد نے اب اطمینان سے حکومت شروع کی اور ملک کو آباد اور ترقی دینے مین سارا وقت صرف کرنے لگا، یہان تک کہ چند سال مین یہ ملک پھر سرسبز و شاداب ہو گیا۔

اس کے اعلیٰ انتظام سے ملک مین اس کا سکہ خوب بیٹھ گیا، اس کا عہد اس قدر شاندار رہا کہ شاید جنید کے بعد کوئی اس پایہ کا نہیں گذرا جس طرح اندرون ملک مین باغی اور مفسد اس سے کانپتے تھے، بیرون ملک کے راجے اور زمیندار بھی لرزتے رہتے، خصوصاً تبت کا راجہ ہر وقت خوفزدہ رہتا، کیونکہ ایک طرف سے ترکستان مین مسلمان ہر مقام پر قابض ہوتے چلے جاتے تھے جن کا علاقہ روزانہ تبت سے قریب تر ہوتا جاتا تھا، اور دوسری طرف سندھ کے شمالی علاقے تھے جس مین روز بروز وسعت ہونے کا اندیشہ لگا رہتا علی الخصوص اس وقت جب کہ سندھ مین کوئی اولوالعزم مدبر اور باجبروت حاکم آجاتا،

اس عہد مین دارالخلافہ بغداد سے سندھ مین آمدورفت زیادہ ہو گئی تھی، اور اطراف کے راجاؤن سے بھی تعلقات بہت اچھے تھے، چنانچہ سنہ ۱۹۳ھ مین جب ہارون الرشید علیل ہو گیا تو اس نے ایک راجہ کے پاس براہ دریا تحفہ و ہدایا کے ساتھ ایک سفارت بھیجکر یہ درخواست کی کہ آپ اپنے یہان کے طبیب (وید) گنگا کو بھیجدیجیے تاکہ میرا وہ علاج کرے اور جب ہم خراسان جائین گے تو اس کو ساتھ لے جائین گے جہان سے وہ اپنے وطن کو بہ آسانی واپس جا سکتا ہے، یہ طبیب حسب فرمایش بغداد روانہ کر دیا گیا، یہان پہنچکر اس نے علاج شروع کر دیا، ہارون الرشید جب سفر خراسان پر روانہ ہوا تو یہ طبیب اس کے ساتھ تھا،

حلوان پہنچکر ہارون بالکل تندرست ہوگیا، اور کوئی شکایت اس کو باقی نہیں رہی لیکن طوس پہنچکر مرض عود کر آیا، اور جلد ہی وفات پاگیا، اور گنگا کو بلخ سے اس کے وطن واپس کر دیا گیا، [1]

ایک طبیب منکہ نامی تھا جس نے بغداد پہنچکر رشید کا علاج کیا اور اس کو صحت ہوگئی تو رشید نے بڑے مشاہرہ پر بغداد ہی مین مقیم ہونے پر رضامند کر لیا،

اس نے علاوہ اپنے مطب کے دوسرے علمی مشاغل بھی جاری رکھے، چنانچہ بیت الحکمۃ مین بھی کام کرتا تھا، اور کتابون کے ترجمہ مین مدد دیتا تھا، مشہور طبیب شاناق کی کتاب "السموم" کے ترجمہ مین ابو حاتم بلخی کی بڑی مدد اس نے کی، آخر عمر مین اسحاق بن سلیمان بن علی ہاشمی کے درباریون مین شامل ہوگیا تھا، [2]

ایک دوسرا ہندی طبیب صالح بن بہلہ تھا، یہ نومسلم طبیب اپنے فن کا بڑا ماہر تھا، اس کا درجہ طب مین اس قدر بلند تھا کہ دربار خلافت کا مشہور و معروف طبیب ابن بختیشوع کا مدمقابل سمجھا جاتا تھا، اسی نے ہارون الرشید کی بہن عباسہ بنت مہدی کے شوہر ابراہیم ابن صالح کا وہ معرکۃ الآرا علاج کیا کہ اس کی قابلیت اور علمیت کا سکہ تمام بغداد میں بیٹھ گیا، [3]

سنہ ۱۹۳ھ مین ہارون الرشید کا انتقال ہوگیا اور اس کا لڑکا امین الرشید تخت نشیں ہوا، یہ اپنی خانہ جنگی مین اس طرح مصروف رہا کہ دور دراز صوبون کی طرف توجہ کرنے کی مطلق فرصت نہ ملی،

سنہ ۱۹۸ھ مین امین الرشید مارا گیا اور اس کا بھائی مامون الرشید وارث تخت خلافت ہوا، اس کے ابتدائی عہد مین بھی کسی قسم کا تبدل و تغیر نہیں ہوا، کیونکہ داؤد جہلمی کا انتظام اس قدر اچھا اور اطمینان بخش تھا کہ کسی کو کسی قسم کی شکایت کا موقع نہ ملا، حالانکہ پایۂ تخت اور دیگر صوبون

---

[1] ابن ابی اصیبعہ [2] طبقات الاطبا جلد ۲ صفحہ ۳۲ مصر [3] ایضاً صفحہ ۳۲ مصر، اسی سے معلوم ہوگیا کہ جعفر عباسہ کا قصہ قطعاً فرضی ہے، اور اس کی کوئی اصل نہیں ہے،

(مثلاً خراسان) میں بہت کچھ بدامنی پیدا ہو گئی تھی، اسی کے عہد میں ابو الصمہ سندھ آیا تھا، جو کچھ دنوں کے بعد سندھ دبا بیٹھا[1]،

۲۰۵ھ میں بیس برس حکومت کر کے بڑی نیکنامی کے ساتھ داؤد بن یزید بن حاتم مہلبی دنیا سے رخصت ہو گیا[2]، اس قدر طویل مدت تک کوئی حاکم اب تک سندھ میں مقیم نہیں رہا تھا، یہ پہلا شخص ہے جس نے اپنے تدبر، شجاعت، اولو العزمی اور سیاست دانی کا عملی ثبوت دیا،

یہ بات بیحد افسوسناک ہے کہ اس کے ابتدائی حالات کے علاوہ اس کے بیست سالہ کارناموں میں سے کوئی بھی معلوم نہیں ہے، تمام مارخین اس معاملہ میں خاموش ہیں، صرف قیاس ہی سے کہا جاسکتا ہے کہ اس کی حکومت بہترین حکومت تھی،

بشر بن داؤد مہلبی کی حکومت

مامون الرشید کو جب داؤد کے مرنے کی خبر ملی تو اس نے اس کے لڑکے کو اس وعدہ پر باپ کی جگہ حکومت دے دی کہ دس لاکھ درہم (۲½ لاکھ روپیہ) سالانہ خراج بھیجا کرے، (یعقوبی نے اس کا نام بشر لکھا ہے)

بشر چند سال تو اپنے باپ کے نقشِ قدم پر چلتا رہا لیکن آخر اس نے اپنا رنگ بدلا اور ایسا بے پروا ہو گیا کہ دربارِ خلافت میں نہ صرف سالانہ خراج بھیجنا بند کر دیا بلکہ بغاوت پر بھی آمادہ ہو گیا

۲۱۲ھ میں جب مامون کو یہ حال معلوم ہوا تو اس نے حاجب بن صالح کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ سندھ روانہ کیا، کہ بقیہ خراج وصول کر کے سندھ کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لے،

حاجب جب مکران پہنچا جہاں سے بشر بن داؤد مہلبی کی حکومت شروع ہوتی ہے تو اس کے بھائی سے ملاقات ہوئی جو بشر کی طرف سے مکران کا حاکم تھا،

بشر کی بغاوت

بشر کے بھائی کو حاجب نے پروانہ دکھایا اور مکران اس کے حوالہ کر دینے پر زور دیا

---

[1] بلاذری صہ۴۴۵ لیدن [2] الکامل صہ۲۷۵ جلد ۶ لیدن ،

لیکن والیِ مکران نے اس سے صاف انکار کردیا، اور کہا کہ پروانہ صوبہ سندھ کے حاکم بشر کے نام ہے اور وہ یہاں سے دو دن کے فاصلہ پر منصورہ مین رہتا ہے، آپ وہان جائیں اور ان سے فیصلہ کرلین، مین تو والی منصورہ کے تابع ہون، وہ جیسا فرمان دے گا مین اس کی تعمیل کرون گا، اس کے حکم کے بغیر کوئی ملک آپ کے حوالہ نہیں کرسکتا،

جب کسی صورت سے حاجب کی بات والیِ مکران نے نہ مانی تو مامون کو اطلاع دی کہ بشر بغاوت پر آمادہ ہے اور فرمان کی تعمیل سے انکار کرتا ہے[1]،

میرے خیال مین والیِ مکران کا جواب صحیح تھا، اور حاجب غالباً کم ہمتی کے سبب سے یہ سوچ کر ڈرا کہ اگر مین منصورہ گیا اور بشر کے انکار پر جنگ کی تو سندھ اور مکران دونوں طرف سے دونوں بھائی میرا محاصرہ کرلین گے اور پھر ان دونون سے نجات پانا مشکل ہوگا، اس لئے مکران پر پہلے قبضہ کرلینا چاہا تاکہ شکست کے وقت واپسی کی راہ کھلی رہے، اور فتح کے وقت ان دونوں بھائیون سے اپنی ذلت کا دل کھول کر معاوضہ لے،

مامون ان حالات سے آگاہ ہو کر اصل تہ تک پہنچ گیا، اور کسی دوسرے جری شخص کو اس کے مقابلہ کے لئے روانہ کرنے پر غور کرنے لگا، اس نے غایت دانشمندی سے اسی قبیلہ کے ایک سردار کا انتخاب کیا جس کا نام غسان بن عباد مہلبی تھا، گو بڑا دلیر اور بہادر تھا،

[1] یہ بیان یعقوبی کا ہے، ابن اثیر نے لکھا ہے کہ حاجب منصورہ مین بشر سے شکست کھا کر مکران آیا، اور مامون کو اس کے متعلق اطلاع دی، لیکن جب کہ بشر باغی تھا تو حاجب منصورہ بحری راستہ سے پہنچا یا خشکی سے، خشکی کا راستہ مکران ہو کر تھا، اس کے بھائی نے منصورہ جانے کا راستہ کیون دیا ہوگا؟ اس لئے جنگ مکران ہی مین ہونی چاہئے تھی نہ کہ منصورہ مین، اور بحری راستہ سے منصورہ آیا تو بھی مکران مین باغیون نے کیونکر پناہ لینے دی، کیا بشر نے شکست دینے کے بعد تعاقب نہیں کیا، اور اپنے بھائی والیِ مکران کو حکم نہیں بھیجا کہ حاجب کو مار کر نکال دو؟ اور مکران مین ٹھہرنے نہ دو، اس بنا پر میرے خیال مین یعقوبی کا بیان صحیح نظر آتا ہے،

لیکن خود رائے بھی تھا، چنانچہ مامون نے جب دربار کے اہل الرائے سے مشورہ لیا تو مامون کا رجحان دیکھتے ہوئے سب نے اس کی تائید کی، مگر احمد بن یوسف خاموش رہا، مامون کے سوال پر اس نے کہا کہ

"امیر المومنین! غسان بیشک ایسا آدمی ہے کہ اس کی برائیوں سے اس کی نیکیاں زیادہ ہیں اور آپ اسے جس کسی کام پر بھیجیں گے اس سے وہی عمل میں آئے گا جو ٹھیک ہوگا، اور جب آپ اسے دھمکی دیں گے تو پھر کوئی کام وہ ایسا نہ کرے گا جس میں اس کو معذرت کی ضرورت پڑے۔"

مامون نے کہا کہ تم نے سوء ظنی کے ساتھ اس کی مدح کی، اس نے جواب دیا کہ میں نے اس شاعر کے مطابق عرض کیا:-

کفیٰ شکراً لما اسدیت انی صدقتک فی الصدیق وفی عداتی،

آپ کی مہربانیوں کے شکریہ میں میرے لئے اسقدر بس ہے کہ اپنے دوست اور دشمن دونوں کی نسبت آپ کے سامنے صحیح رائے ظاہر کروں

مامون کو اس کی راست بیانی اور طریقۂ ادا بہت پسند آیا، اور غالباً اسی سے متاثر ہو کر اس نے اپنی رائے بدل دی، اور ایک دوسری تدبیر نکالی جس سے دونوں مقصد حاصل ہو جائیں

چنانچہ اس نے غسان کے بھائی محمد بن عباد کو دربار میں بلایا جو اس وقت بصرہ میں ایک ذی عزت سردار کی حیثیت رکھتا تھا، اور کہا کہ تم کو معلوم ہے کہ بشر بن داؤد مہلبی نے سندھ میں بغاوت کردی ہے، اس نے کہا کہ امیر المومنین! بھلا اس کی کیا مجال کہ وہ ایسی جرأت کرے،

مامون نے کہا کہ اچھا تو تم غسان کے ساتھ سندھ جاؤ، اور تمام مراحل طے کر کے بشر کو ساتھ واپس لیتے آؤ اور واپسی کے وقت موسیٰ بن یحییٰ بن خالد برمکی کو سندھ سپرد کردو،

۲۱۳ھ میں غسان منصورہ کے قریب پہنچا تو بشر نے بغیر کسی عذر کے اطاعت قبول کرلی، غسان نے اس کو نظر بند کردیا، اور ملک سندھ کا چارج اس سے حاصل کرلیا، غسان کچھ دنوں وہاں انتظام میں مشغول رہا، اور جب تمام معاملات یکسو ہوگئے تو اس نے موسیٰ برمکی کو سندھ سپرد کردیا،

غسان منصورہ ہی میں تھا کہ سندھ کے راجوں میں سے ایک راجہ جس کا نام بالاذبالا چندر لکھا ہے،[1] اس نے غسان کو اپنے دربار میں طلب کیا، مگر غسان نے جانے میں اپنی توہین سمجھ کر انکار کردیا، چونکہ اس کو جلد دربارِ خلافت میں بشر کے ساتھ پہنچنا تھا اس لئے وہ فوراً بغداد روانہ ہوگیا، اور راجہ کی گوشمالی نہ کرسکا،

۲۱۶ھ میں غسان بغداد پہنچا اور بشر کو خلیفہ مامون کے سامنے پیش کیا، اور ہر طرح سے اس کی سفارش کی، اس لئے اس کو چھوڑ دیا گیا اور اس کے ساتھ اس کے تمام خاندان کو بھی رہا کردیا گیا جو ضمانت کے طور پر ماخوذ کر لئے گئے تھے،[2] خلیفہ نے سندھ کا بقیہ خراج معاف کردیا، اور ان سب لوگوں کو انعام واکرام سے بھی سرفراز فرمایا، غسان بن عباد کے ساتھ مشہور طبیب ابراہیم بن فزارون بھی سندھ گیا تھا، اس کا بیان ہے کہ سندھ میں جب غسان مقیم تھا تو اس نے ایک دفعہ مور کا گوشت کھایا جو اس کو بہت بھایا، پھر تو جب تک وہ سندھ میں رہا برابر وہ مور ہی کا گوشت کھاتا رہا، وہ کہا کرتا تھا کہ واللہ میں نے عمر بھر میں ایسا لذیذ گوشت کبھی نہیں کھایا۔[3]

غالباً اسی زمانہ کا یہ واقعہ ہے کہ آلِ مہلب کے سرداروں میں سے کسی نے ایک غلام کی پرورش کی جب وہ جوان ہوگیا تو ایک دن اس کے آقا نے دیکھا کہ اس کی بیوی کے

---

[1] بالا چندر یا بالا سنگھ یا بالا ناتھ اصل نام ہوگا [2] تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۵۵۶ لیڈن [3] اخبار الحکما، ص ۵۲ مصر،

ساتھ سویا ہے، آقا کو بے انتہا غصہ آیا اس لئے اس کو خصی کر ڈالا،

غلام جب علاج سے صحت یاب ہوگیا تو ایک دن آقا کے دو لڑکوں کو لے کر کوٹھے پر چڑھ گیا، اور وہاں سے آقا کو کہا کہ تم اپنے آپ کو اگر خصی نہ بناؤ گے تو میں ان لڑکوں کو کوٹھے پر سے نیچے گرا دوں گا، اگرچہ ہر طرح سے اس کو سمجھایا گیا اور نرم و گرم راستہ اختیار کیا گیا مگر سب بے سود ثابت ہوا، غلام نے کہا کہ میرے نزدیک پانی پینے سے بھی زیادہ آسان ان لڑکوں کو نیچے گرا دینا ہے، آخر مجبور ہو کر آقا نے چاقو سے اپنے کو خصی کر لیا،

جب اس نے اپنا انتقام لے لیا تو پھر اس نے لڑکوں کو نیچے گرا دیا، اور کہا کہ وہ تو انتقام تھا، اور اس پر یہ مزید ہے، آخر لوگوں نے بھی اس کو سخت عذاب سے مار ڈالا، اس کے بعد جن جن لوگوں کے پاس غلام تھے سب کو شہر سے باہر نکال دیا گیا، اور حکم جاری ہوگیا کہ کوئی شخص ان کو معمولی دام پر بھی نہ خریدے[1]، اور اسی دن سے عام طور پر یہ مثل ہوگئی کہ "مملوک سندھ ہرگز مملوکے را مالک نہ گردند"

غسان کے واپس چلے جانے پر موسیٰ برمکی نے سندھ کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی، اور انتظام میں مشغول ہوگیا، اس نے سب سے پہلے راجہ بالا کی طرف توجہ کی جس نے غسان کی توہین کی تھی،

راجہ بالا کا واقعہ یہ ہے کہ جس زمانہ میں غسان بن عباد مہلبی منصورہ کے انتظام میں مشغول تھا، اس وقت دریائے سندھ کے مشرقی اضلاع میں ایک راجہ کی حکومت تھی، اس نے ایک جشن منایا اور ایک دربار بڑے شان و شوکت سے منعقد کیا، اطراف کے تمام چھوٹے بڑے زمیندار (ٹھاکر) اور راجاؤں کو شرکت کی دعوت دی، چونکہ سندھ کا

[1] سیر البلاد اقلیم دوم قلمی کتب خانہ سلیم پور (لکھنؤ)

حکمران غسان بھی تھا، اس لئے اس ضمن میں اس نے غسان کو بھی بلا بھیجا، اور غالباً اس سے مقصد فقط فضیلت اور برتری ظاہر کرنا تھا، جو راجہ کے راجپوتی (گوجری) غرور سے دماغ میں پیدا ہو گیا تھا،

موسیٰ برمکی نے راجہ کے دماغ سے اس غرور کو نکالنے کے لئے ایک فوج بھیجدی، جو غالباً اچانک اور بلا توقع راجہ تک پہنچ گئی، بہت ممکن ہے راجہ نے بھی مدافعت کی کوشش کی ہو، اور دونوں میں کچھ دنوں تک جنگ بھی رہی ہو، غرض نتیجہ یہ ہوا کہ راجہ گرفتار ہو کر موسیٰ برمکی کے سامنے لایا گیا، راجہ نے بہت کوشش کی کہ پانچ لاکھ درہم (سوا لاکھ روپیہ) فدیہ لے کر اس کو رہا کر دے، مگر موسیٰ کچھ اس قدر برہم تھا کہ اس نے اس کی طرف مطلق توجہ نہیں کی، اور اس کو قتل ہی کر ڈالا[1]، موسیٰ کے عہد میں سندھ کا خراج تمام اخراجات منہا کرنے کے بعد الف الف درہم (دس لاکھ) بغداد بھیجا جاتا تھا[2]، اور اس عہد میں سندھ سے تط (کٹ) نیزہ اور بید کی برآمد خوب ہوتی تھی[3]،

عمران بن موسیٰ کی حکومت

سنہ ۲۲۱ھ میں موسیٰ برمکی وفات پا گیا، اس نے تقریباً چھ سات برس حکومت کی، اس دوران میں اس کا رویہ اس قدر اچھا رہا کہ کسی کو شکایت کا موقع نہ ملا، خارجی پالیسی تو اس قدر کامیاب رہی کہ پھر کسی راجہ کو اس کے مقابلہ کی جرأت نہ ہوئی، داخلی امور میں سب سے اہم بات یہ تھی کہ ہر قبیلہ اعتدال کے ساتھ اپنے اپنے کام میں مصروف تھا، یمنی اور حجازی بھی سلطنت کی سطوت سے مرعوب ہو کر خاموش بیٹھے تھے، گو اندر اندر اپنی طاقت بڑھانے میں مصروف تھے، خصوصاً حجازی جو قطعاً منتشر کر دئے گئے تھے، اب اپنا شیرازہ پھر مجتمع کر رہے تھے، اور ایک طاقتور سردار کے ماتحت مرکزی

---

[1] بلاذری ص ۴۴۵ لیدن [2] المسالک والممالک لابن خردادبہ ص ۵۷ لیدن [3] ایضاً ص ۶۲ تا ۶۴،

قوت پیدا کرنے کی کوشش میں مشغول تھے،

موسیٰ کے رحلت کر جانے پر اس کا لڑکا عمران بن موسیٰ بن یحییٰ بن خالد بن برمک دیرٹھ لہ سندھ کا نائب والی ہوا، ۲۱۸ھ میں مامون الرشید وفات پا چکا تھا، اور اب اس کا بھائی المعتصم باللہ خلیفہ تھا، جب موسیٰ کے مرنے کی خبر معتصم کو ہوئی تو چونکہ والی سندھ سے کسی قسم کی کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی تھی، اس لئے موسیٰ کے لڑکے عمران کی قائمقامی کے عہدہ کو خاص اپنے فرمان کے ذریعہ سے تبدیل کر کے مستقل حکومت سپرد کی،

سندان پر عربوں کا قبضہ

مامون الرشید کے عہد میں جب کہ موسیٰ برمکی سندھ کا حاکم تھا، یہ واقعہ پیش آیا کہ بنی سامہ کے غلام فضل بن ماہان نے سندان شہر پر قبضہ کر لیا، اور خود مختارانہ آزادی سے حکومت کرنے لگ گیا، اور ساتھ ہی یہ ہوشیاری کی کہ خلیفہ مامون الرشید کی خدمت میں ایک ہاتھی بطور نذر کے روانہ کیا، اور عریضہ میں اپنی اطاعت اور فرمانبرداری کا یقین دلایا،

اس نے سندان میں عالیشان جامع مسجد تیار کرائی، اور مامون عباسی کا خطبہ پڑھا، اس وفاداری کو دیکھتے ہوئے مامون نے بھی اس کی خود مختاری تسلیم کر لی، اس کامیابی کے بعد فضل چین کی نیند سوتا رہا، لیکن جلد اس کی وفات ہو گئی، اور اس کے تخت کا وارث محمد بن فضل ہوا، محمد بن فضل اولوالعزم حاکموں میں سے تھا، اس نے ستر کشتیاں مہیا کیں

لہ برمکی خاندان کشمیری النسل ہے، ہجرت کر کے بلخ پہنچا، اور نوبہار (بدھوں کی بڑی خانقاہ) کا اعلیٰ عہدیدار ہو گیا، ہندوستانی زبان میں سردار کو پرمکھ کہتے تھے اور آج بھی مستعمل ہے، عربوں یا ایرانیوں نے مفرس یا معرب کر کے اس کو برمک کر دیا، اسی برمک سے عباسی خاندان کی مشہور بادشاہ ہارون الرشید وزیر یحییٰ اور جعفر برمکی تھے (عرب و ہند کے تعلقات صہ ۱۱۱ الہ آباد)

اور ایک فوج لے کر میدقوم پر حملہ آور ہوا، فتح حاصل کر کے ایک شہر قالی دکالرٹمی) کو جا گھیرا، آخر اس کو بھی فتح کر کے آگے بڑھنا چاہتا تھا کہ سندان سے یہ خبر آگئی کہ اس کے بھائی ماہان بن فضل نے شہر پر قبضہ کر لیا، یہ سنتے ہی وہ آگے بڑھنے سے رک گیا، اور فوج کو سندان کی طرف واپسی کا حکم دیا، جب سندان کے پاس آیا تو اس خبر کی تصدیق ہوگئی، اور اپنے بھائی سے ایسی بے وفائی دیکھ کر بڑا غمزدہ ہوا، اس نے خلیفہ معتصم کے یہاں اپیل کی، اور عریضہ کے ساتھ ساکھو (ساگون) کا ایک ایسا بڑا لمبا اور موٹا ٹکڑا بطور تحفہ کے بھیجا کہ آج تک عراق والوں نے نہیں دیکھا تھا،

ماہان اپنے بھائی محمد سے زیادہ ہوشیار تھا، خلیفہ کی مدد آنے سے قبل اس نے تمام دیسیوں (سندھیون) کو اپنا طرفدار بنا لیا، محمد کے فوجی سرداروں کو بھی آہستہ آہستہ توڑ کر اپنے ساتھ ملاتا رہا، جب محمد کے پاس تھوڑی فوج رہ گئی، اور ماہان کو یقین ہو گیا کہ اب فتح ہماری ہوگی تو اس نے شہر سے باہر نکل کر حملہ شروع کر دیا، خلیفہ کے یہاں سے ابھی کوئی حکم نہیں آنے پایا تھا کہ ماہان نے پے در پے حملے کر کے اس کو شکست دی، اور محمد گرفتار ہو کر قتل کیا گیا، اور پھر سولی دی گئی،

چونکہ سندھ اور خلافت دونوں سے والی سندان بے تعلق ہو گیا تھا، اس لئے جب کچھ دنوں کے بعد ہندو راجوں نے اس پر حملہ کیا تو کسی نے اس کی مدد نہ کی، اور شہر پر ہندوؤں کا قبضہ ہو گیا، انھوں نے مسجدیں مسلمانوں کی بجنسہ رہنے دیں جس میں مسلمان نماز ادا کرتے رہے اور جمعہ کے خطبوں میں خلیفہ بغداد کے لئے دعا کرتے تھے[1]،

سندان کے متعلق مصنفوں کو غلط فہمی ہوگئی ہے، انھوں نے سندان اور صندا پور جو اصل میں چنداپور ہے ان دونوں کو ایک سمجھا ہے، صنداپور (چنداپور) مالابار سے متصل صوبہ مدراس میں مغربی گھاٹ پر واقع ہے، آج کل اس کو "گوا" کہتے ہیں، تقریباً دسو برس سے

---

[1] فتوح البلدان ص۴۳۱ لیدن،

اس پر پرتگال والون کا قبضہ ہے، اور ہندوستان مین پرتگالی مقبوضات کا یہی پایہ تخت ہی،

سندان (بکسر سین)، صوبہ سندھ سے متصل[1] منصورہ سے پندرہ فرسخ (۴۵ میل) پر واقع تھا، عربی فرسخ تین میل کا ہوتا ہے، اس حساب سے وہ منصورہ سے ۴۵ میل کا فاصلہ رکھتا تھا، لیکن اگر سندھی فرسخ لیا جائے جو آٹھ میل کا ہوتا ہے تو ۱۲۰ میل ہوا، یہ سندان ایک ایسی جگہ واقع تھا، جہان سے مختلف ممالک کو راستے جاتے[2]، ایک طرف کچھ، دوسری طرف کاٹھیاواڑ اور گجرات، تیسری طرف راجپوتانہ اور مارواڑ، چوتھی طرف سندھ اور ہندوستان، وہ سمندر کے کنارے ایک بڑا بندرگاہ تھا،

معجم البلدان مین ہے کہ سندان سندھ سے متصل، دیبل اور منصورہ سے دس مرحلہ پر واقع ہے، مرحلہ غالباً ۱۲ میل کا ہوتا ہے، سندان سے دیبل اور دیبل سے منصورہ ۱۲۰ میل پر ہوا، پھر لکھتا ہے کہ سمندر اور اس کے درمیان نصف فرسخ (۱½ میل) کا فاصلہ ہے، اور یہان سے جیمور پندرہ مرحلہ ہے[3]،

اوپر تحریر کیا جا چکا ہے کہ فضل بن ماہان نے ستر کشتیان تیار کرائین اور پھر اسی کے ذریعہ مید لوگون پر حملہ آور ہوا، اس کتاب کے ابتدائی صفحات مین ذکر کیا گیا ہے، کہ جاٹ قوم زیادہ تر مغربی سندھ مین آباد ہوئی، اور مید لوگ مشرقی سندھ مین مسکن گزین ہوئے، اس لحاظ سے اس کا بحری حملہ دریاے سندھ کی کسی شاخ سے ہو کر مشرقی رخ ہونا چاہیے،

پھر آگے چل کر وہ ایک شہر کالڑی کو فتح کرتا ہے، اصطخری اور ابن حوقل وغیرہ کے سفرنامون سے معلوم ہوتا ہے کہ منصورہ جس شاخ سے گھرا ہوا ہے اس کے سرے پر "بلری"

[1] مراصد الاطلاع جلد دوم ص۵۹، لیکن معجم البلدان مین بفتح سین لکھا ہے [2] تقویم البلدان ص۳۵۹ مطبوعہ پیرس [3] معجم البلدان ص۱۵۱ باب س مطبوعۂ مصر جلد پنجم،

شہر آباد تھا، اور بلہری سے ذرا فاصلہ پر کالڑی شہر تھا، پس ان تمام حالات کو مد نظر رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سندان دریا کے کنارے سندھ کی سرحد پر تھا، اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مشرقی سندھ کے تین حصے تھے،

(۱) دریا سے لے کر منصورہ تک مسلمانوں کے قبضہ مین تھا،

(۲) منصورہ سے ملتان تک سندھی غیر مسلمون کے ہاتھ مین تھا،

(۳) ملتان کا علاقہ ایک ریاست کے طور پر مسلمانون کے زیر نگیں تھا،

کیونکہ اگر منصورہ سے ملتان تک مسلمانون کے قبضہ مین ہوتا تو اس پر مسلمانون کو حملہ کرنے کی ضرورت نہ پیش آتی،

۲۲۱ھ مین جب عمران برمکی اپنے باپ کا جانشین ہوا تو اضلاع سندھ مین جہان جہاں بدنظمی اور فساد پیدا ہو گئے تھے، ان کے تدارک پر مستعد ہوا، مغربی علاقہ کے جاٹ ہمیشہ سے سرکش چلے آرہے تھے، جہان ذرا والی کمزور ہوا یا ان کے ساتھ مراعات سے پیش آیا کہ فوراً سرکشی پر آمادہ ہو جاتے، اس وقت بھی قیقان کے جاٹ برسر فساد تھے، عمران بھی ان کو خوب سمجھتا تھا، معلوم ہوتے ہی لشکر لے کر چل پڑا، اور قیقان پہنچکر ان کو سخت سزائین دین، اور ہر طرح سے ان کو مغلوب کر کے قیقان پر قبضہ کر لیا، اور چونکہ یہ بڑی سرکش قوم تھی، اور اکثر بغاوت اور فساد پر یہ جاٹ آمادہ رہتے اس لئے عمران نے یہ ضروری سمجھا کہ اس جگہ ایک مستقل چھاونی قائم کر دے،

چنانچہ بوقان[۱] (توقان) علاقہ بدھ مین ایک مناسب مقام تجویز کر کے ایک شہر کی بنیاد رکھی، اور اس کا نام "بیضاء" رکھا، اس شہر مین مستقل طور پر فوجین مقیم کر دی گئین تاکہ

[۱] بوقان والے بعد کو مسلمان ہو گئے ہیں ۲۷۹ھ تک یہ شہر آباد تھا، اور یہان کے باشندے مسلم تھے بلاذری ص ۴۳۵،

جاٹون کی نگرانی کرتی رہین، اور مقامی امن بھی قائم رکھیں، ان امور کو انجام دے کر وہ پایہ تخت منصورہ مین واپس آیا،

غالباً منصورہ پہنچکر یہ اس کو معلوم ہوا کہ قندابیل (گنداوی) کے لوگ باغی ہوگئے ہین، اور اس پر محمد بن خلیل نامی ایک شخص قابض ہوگیا ہے، قندابیل (گنداوی) ایک مضبوط مقام تھا، جو بلند پہاڑون کے باعث بہت ہی محفوظ جگہ سمجھی جاتی تھی، عمران لشکر لیکر فوراً قندابیل (گنداوی) پہنچ گیا، اور بزور اس کو فتح کر ڈالا، اور جس قدر وہان بڑے بڑے مفسد تھے جن کی سرداری مین وہان فتنہ اور بدامنی ہوتی تھی ان سب کو شہر بدر کرکے قصدار مین لا بسایا، اور بہت ممکن ہے کہ ان کو یہان اس نے نظر بند کر رکھا ہو،

اس سے فارغ ہی ہوا تھا کہ "مید" لوگون کی بغاوت کی خبر ملی، اسی وقت وہان پہنچکر ان سے جنگ شروع کردی، اور سخت لڑائی ہوئی، تین ہزار مید قتل ہوئے، پھر عمران برمکی نے ایک پل تیار کرایا جس کا نام "سکر المید" (مید کا پل) رکھا[1]، اور اپنا لشکر دریاے الرور (الور) دریا ارور کے پاس ٹھہرایا، اور تمام جاٹ جو اس کے لشکر مین موجود تھے ان کو طلب کرکے ان کے ہاتھون پر مہرین لگوائین، اور جزیہ مقرر کیا، اور قدیم رسم جو راجہ چچ کے عہد سے جاٹون کے متعلق چلی آتی تھی اس کے اجرا کا پھر حکم صادر کیا کہ ہر جاٹ اپنے ساتھ ایک ایک کتا ضرور رکھے، اس کا یہ اثر ہوا کہ کتا بڑا گران ہوگیا، اور آخر ایک ایک کتے کی قیمت پچاس پچاس درہم (۱۲ روپیے) ہوگئی[2]،

اب عمران برمکی نے ان جاٹون کو ساتھ لے کر پھر "مید" لوگون پر حملہ کیا، جو غالباً کسی

[1] بہت ممکن ہے کہ آج جس مقام کو "سکھر" کہتے ہین یہ وہی مقام ہو جس کو "سکر المید" کہتے تھے، پل وغیرہ تو برباد ہوگئے اور نام تخفیف ہوکر "سکر" اور پھر سکر سے "سکھر" ہوگیا ہو [2] فتوح البلدان ص۴۲۶ لیڈن،

قلعہ میں شکست کے بعد محصور ہو گئے تھے، ان لوگوں کے لئے ایک تالاب تھا، جہاں سے آب شیریں حاصل کرتے اور تمام لوگوں کے پانی کا انحصار اسی پر تھا، جب عمران کو یہ معلوم ہوا تو اس نے انجینیروں کے مشورہ کے مطابق سمندر سے ایک نہر کھدا کر اس تالاب میں ملا دیا، جس سے تالاب کا پانی بالکل کھارا ہو گیا، اور مید لوگوں کو پانی کی سخت تکلیف ہونے لگی پھر اس نے پر زور حملے شروع کر دیئے اور یقیناً کامیاب ہو جاتا، اور جاٹ لوگوں کی طرح مید قوم کی سرکشی کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیتا، کہ یکایک پھر حجازی اور یمنیوں کا جھگڑا شروع ہو گیا، عمران برمکی یمن کی مظلوم قوم قحطانیوں کی پاسداری کرنے لگا، نزاریوں کو یہ بات سخت ناگوار ہوا اور یہ لوگ عمران کے خلاف سازش کرنے میں کامیاب ہو گئے، ان نزاریوں نے اپنا ایک سردار مقرر کیا، جس کا نام عمر بن عبدالعزیز ہباری تھا، اس نے سازشی لوگوں کا ایک دستہ لیا، اور خاموشی کے ساتھ اچانک عمران برمکی پر آپڑا، اس خانہ جنگی میں بڑا نقصان یہ ہوا کہ عمران مارا گیا،[1] مید لوگوں کی مہم یوں ہی رہ گئی، ملک میں خلفشار ہونے سے متعدد امراء شہر اور قلعے دبا بیٹھے، یہ واقعہ ۲۲۶ھ کے کچھ ہی آگے پیچھے کا ہے[2]،

۲۲۳ھ میں خراسان کا بڑا باغی بابک خرمی گرفتار ہو گیا، اس کی فوج کو تباہ کرنے اور گرفتار کرنے کا سہرا معتصم کے ایک ترکی جنرل (سپہ سالار) افشین کے سر رہا، معتصم کو اس سے بے انتہا خوشی ہوئی، اور اس صلہ میں جہاں لاکھوں روپیے اور جواہرات انعام میں دیئے وہاں سندھ میں بھی اس کو جاگیر عنایت کی[3]،

عہد معتصم کا ایک دلچسپ اور عجیب واقعہ بلاذری نے تحریر کیا ہے کہ ایک ہندو (یا بدھ) راجہ تھا، جس کے پایہ تخت کا نام عُسیفان (یا عسیقان) تھا، اس کے شمال میں کشمیر اور مغرب

---

[1] بلاذری ص۴۴۶ لیڈن [2] یعقوبی جلد ۲ ص۵۸۵ لیڈن [3] الکامل جلد ۶ ص۳۳۹ لیڈن،

مین کابل، اور جنوب مین ملتان واقع تھا، یہ غالباً کوئی چھوٹا راجہ یا زمیندار تھا، اس نے
ایک مندر بنوایا تھا، اور اس مین جو مورتی تھی تمام مخلوق اس کی پرستش کرتی تھی، راجہ بھی
اس کا بڑا معتقد تھا، ایک دفعہ اس کا لڑکا بیمار ہوا، اور ہر طرح علاج کرا کر تھک چکا تھا
کہ اس نے پجاریون کو بلا کر دعا کی استدعا کی کہ دیوتاؤن سے لڑکے کی صحت کے لئے
درخواست کرین پجاری مندر گئے اور کچھ دیر کے بعد واپس آئے، اور کہا کہ ہم نے دیوتاؤں سے
دعا کی، انھون نے قبول کرلیا، اب آپ کا لڑکا جلد اچھا ہو جائے گا، آپ مطمئن رہین، لیکن
واقعہ اس کے برعکس ہوا، یعنی جلد ہی اس کا لڑکا موت کا شکار ہو گیا،

راجہ کو اس صریح کذب بیانی سے اس قدر غصہ آیا کہ اس نے تمام پجاریوں کو ایک قلم
قتل کر ڈالا، اور مندر کو بھی گرا کر زمین کے ہموار کر ڈالا، لڑکے کے غم مین گویا وہ مجنون جیسا ہو گیا
تھا، ورنہ پجاری (برہمن) کا قتل اور مندر کا گرانا دو ایسے بڑے پاپ (جرم) تھے کہ رعایا (عام
ہندو آبادی) اس کو کسی طرح برداشت نہیں کر سکتی تھی،

انسان ظاہری اعتبار سے جس قدر بھی بآرام اور شان و شوکت سے رہتا ہو، مگر جب تک
دل انسان کا مطمئن نہ ہو، حقیقی راحت مفقود ہے، یہی حال راجہ کا تھا، اس نے اپنے دل کو
تسلی دینے کے لئے ظاہری خواہش ہر طرح سے پوری کی، مگر دل مطمئن نہ ہوا۔

اتفاق سے چند مسلمان تاجر وہان موجود تھے، راجہ کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے ان
کو بلا کر مذہب کے متعلق حقیقت دریافت کی، انھون نے کہا کہ ہمارا مذہب بت پرستی سے سخت
بیزار ہے، اور ہم لوگ صرف ایک خدا کو مانتے ہین جو قادر مطلق ہے، اور کوئی اس کا شریک نہیں
اور ہمارا مذہب اخلاق حمیدہ کی بہترین تعلیم دیتا ہے،

راجہ اس سے بڑا متاثر ہوا اور تبدیل مذہب کر کے مسلمان ہو گیا[1] غالباً اس کا اسلام

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۴۴۶ لیڈن

پوشیدہ طور پر رہا، اور پڑوس کی اسلامی سلطنتون نے نہ تو اس کی کوئی مدد کی، اور نہ ہمدردی سے پیش آئے، اور نہ کیا تعجب تھا کہ محمود غزنوی تک یہ ریاست موجود رہتی،

عنبسہ والی سندھ

تقریباً ۲۲۶ھ مین عمران کے مرنے پر عنبسہ بن اسحاق ضبی سندھ کا والی ہوا،[1] سندھ پہنچکر اس نے اس ملک کے حالات کا بغور مطالعہ کیا، اور پھر ایک ایسی پالیسی اختیار کی جس سے عام طور پر لوگ مطمئن ہو گئے،

۲۲۷ھ مین المعتصم باللہ وفات پا گیا، اور الواثق باللہ تخت خلافت پر متمکن ہوا، اس کے عہد مین کسی قسم کا سندھ میں تغیر نہ ہوا، اور ہر قسم کا امن رہا،

عنبسہ ضبی نے سندھ پہنچکر سب سے پہلے جس چیز کی طرف توجہ کی ہو گی، وہ خانہ جنگی کا فیصلہ ہو گا، کیونکہ ہم دیکھتے ہین کہ عمر ہباری جو عمران کا قاتل تھا، وہ ہر طرح سے محفوظ ہے اور تاقیام حکومت عنبسہ وہ بالکل خاموش رہا، اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس خانہ جنگی کا فیصلہ عمر ہباری کے موافق ہوا، قرائن اور دلائل سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑا طاقتور ہو گیا تھا، اسی سبب سے خود اس سے کوئی باز پرس نہیں ہوئی،

عنبسہ نے اس کے بعد ان باغیوں (امراء) کی طرف توجہ کی، جو اپنی اپنی جگہ قلعے دبا بیٹھے تھے، والی نے ان سب کو ایک ایک کر کے اطاعت کی دعوت دی، امراء نے بھی بجز اطاعت دوسرا راستہ نہ دیکھا، اس لئے سب مطیع ہو گئے، اور ہر ایک نے دربار مین آکر حاضری دی، لیکن ایک شخص عثمان نامی نے کسی طرح اطاعت قبول نہ کی، اور بغاوت پر اڑا رہا، مجبور ہو کر

[1] بلاذری نے یہ واقعہ معتصم کے عہد کا لکھا ہے، اور یعقوبی نے الواثق کے متعلق اس کو منسوب کیا ہے، اس لئے میرا خیال ہے کہ معتصم کے آخری زمانہ کا یہ واقعہ ہو گا، جب کہ وہ عنبسہ کا تقرر کر چکا تھا اور اسی کو واثق کے ترکی افسر ایتاخ نے بھی برقرار رکھا ہو گا جو اسی کی سفارش سے بعہد معتصم مقرر کیا گیا تھا،

عنبسہ نے فوجکشی کی، اور متواتر نو برس تک، اس سے لڑتا رہا، یہان تک کہ اس نے کامل فتح حاصل کرلی[1]، اب سندھ مین ہر طرف امن وامان تھا، اس لئے اس نے اصلاحات کی طرف توجہ کی،

سنٹرل جیل غالبًا اس وقت تک کوئی سنٹرل جیل اس ملک مین نہین تھا[2]، ضرورت محسوس کرکے اس طرف اس نے توجہ کی، اس کے لئے اس نے ایسی جگہ تجویز کرنی چاہی جہان عربون کا کامل قبضہ ہو، اور بوقت ضرورت فوری مدد حاصل ہوسکے، اور عمارت بھی مضبوط ہو، اور جدید عمارت تیار کرانے مین وقت کے علاوہ روپیہ کی بھی ضرورت پڑتی، ان باتون کا خیال کرکے عنبسہ نے یہ تجویز کی کہ بندرگاہ دیبل (دیول) کا وہ مندر جو محمد بن قاسم فاتح سندھ کی منجنیق سے برباد ہوگیا تھا اور اس وقت تک ویران پڑا تھا اسی کام مین لایا جائے،

سنہ ۲۲۴ھ مین عنبسہ نے اس کے طولانی منارہ کو توڑ کر گرادیا، اور مکانون کی طرح اس کی چھت قائم کردی، اور اس طرح کم خرچ مین ایک وسیع اور مضبوط مکان سنٹرل جیل کے لئے مہیا ہوگیا، اس کے پتھر اور کچھ جو بچ گئے، ان سے شہر کے شکستہ مکانون اور دیوارون کی مرمت شروع کرادی[3]،

سنہ ۲۳۲ھ مین خلیفہ الواثق باللہ کا انتقال ہوگیا، اور متوکل نے تخت خلافت کو رونق بخشا، اس نے الواثق کے اکثر عمال کو معزول کرکے دوسرے عمال مقرر کئے،

ایتاخ ترکی سے بھی وہ ناراض تھا، جس کی طرف سے عنبسہ سندھ کا والی تھا، سنہ ۲۳۴ھ مین خلیفہ کا رخ بدلا ہوا دیکھ کر وہ حج کیلئے مکہ چلا گیا، خلیفہ نے یمن کے گورنر کو حکم بھیجدیا کہ اس کو گرفتار کرکے بغداد بھیجدے، چنانچہ وہ بھیجدیا گیا، اور غالبًا سنہ ۲۳۵ھ مین اس نے جیل خانہ مین وفات پائی،

---

[1] یعقوبی جلد دوم صفحہ ۵۰۰ لیدن، [2] سنٹرل جیل مین نے اس لئے تحریر کیا کہ ہر شہر مین مقامی جیل تو موجود تھے، چنانچہ محمد بن قاسم ثقفی نے اپنے حریف یزید بن عرار کو اسی مقامی جیل مین مقید رکھا تھا، [3] بلاذری صفحہ ۴۳۷ لیڈن،

جب یہ خبر عنبسہ کو ملی تو وہ گھبرایا، اور سمجھا کہ عربی (ایتاخ) کے مرنے پر میرے ساتھ بھی اچھا سلوک نہ ہوگا، اس لئے قبل اس کے کہ دیبل شہر کی مرمت کا کام تکمیل کو پہنچے وہ عراق (بغداد) کی طرف بلا طلب خلیفہ روانہ ہوگیا، یہ خبر جب خلیفہ کو ملی تو اس کو معزول کرکے اس کی جگہ ہارون ابن ابی خالد کو والی سندھ بنایا، اور پھر عنبسہ سے کوئی پرسش نہ کی،

ہارون بن خالد

۲۳۵ھ میں جب ہارون بن ابی خالد مروزی سندھ پہنچا[1]، تو اس نے سندھ کا حال اچھا نہ دیکھا، حجازی بہت طاقتور ہوچکے تھے اور عمر بن عبد العزیز ہباری ان کا سردار تھا، جو بیحد ہوشیار اور مدبر شخص تھا، اور اس کی شخصیت اس قدر بلند ہوگئی تھی کہ والی سندھ اس سے دبنے لگے تھے، چنانچہ سابق گورنر عنبسہ نے اسی وجہ سے یہ پالیسی اختیار کی کہ جب تک وہ سندھ میں رہا حجازیوں سے اس نے کوئی تعرض نہ کیا، اور غالباً عمر ہباری کو ہمیشہ ملائے رہا قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہارون نے اس پالیسی پر عمل نہیں کیا، اور اس کے سبب سے اختلافات بڑھتے گئے، اور آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ سنہ ۲۴۰ھ میں ہارون قتل کردیا گیا،[2]

عمر ہباری

جیسا کہ اوپر ذکر ہوچکا ہے کہ عمر ہباری نے بڑی طاقت پیدا کرلی تھی، اس وقت موقع کو غنیمت جان کر شہر پر اس نے قبضہ کرلیا، اور خلیفہ متوکل کو ایک عرضداشت روانہ کی، جس میں اس نے والی سندھ کے متعلق بدانتظامی کا اتہام لگاکر اپنی وفاداری کا یقین دلایا اور

---

[1] یہ تمام حالات بلاذری اور یعقوبی جلد دوم سے ماخوذ ہیں لیکن سنہ ۲۳۵ھ کا تعین میں نے اس طرح کیا کہ ایتاخ ترکی جنرل نے سنہ ۲۳۴ھ میں حج کا ارادہ کیا اور مکہ پہنچ بھی گیا لیکن حج سے قبل واپس عراق ہوگیا، جیسا کہ یعقوبی نے لکھا ہے اور ظاہر ہے کہ حج کا وقت سال کے اختتام پر ہوتا ہے اس لئے ایتاخ شوال یا ذو القعدہ سنہ ۲۳۴ھ میں مکہ پہنچکر واپس گیا، اور چونکہ وہ قتل نہیں کیا گیا بلکہ جیل خانہ میں تکالیف برداشت کرکے مرا ہے، اس لئے یقین ہے کہ چند ماہ زندہ رہا ہوگا، اور اس صورت میں سنہ ۲۳۵ھ ہوجاتا ہے [2] فتوح البلدان ص۴۳۷ لیڈن لیکن یعقوبی کا بیان ہے کہ وہ مارا نہیں گیا، بلکہ خود مرگیا، ص۵۹۹ جلد ۲ لیڈن،

درخواست کی کہ اگر سندھ کی ولایت (حکومت) اس کے سپرد کردی جائے، تو اس کا بہترین انتظام کرے گا، کیونکہ وہ اسی جگہ کا باشندہ ہے اور یہاں کے حالات سے وہ بخوبی واقف ہی،

اس وقت متوکل بیحد پریشان تھا، ہر طرف سے بغاوت کی خبرین آرہی تھیں، ایک کو دباتا تو دوسرے کھڑے ہوجاتے عمر ہباری کی اس عاجزانہ درخواست کو اس نے غنیمت جانا اور ولایت سندھ کا پروانہ اس کے پاس بھیجدیا[1]، اس وقت سے برائے نام خلیفہ کا مطیع رہ کر عمر نے خودمختارانہ حکومت شروع کردی، اور یہی شخص سلطنت منصورہ کا بانی ہے جس کے خاندان مین حکومت عرصہ تک رہی،

[1] یعقوبی جلد ثانی صہ۵۹۹ لیڈن،



سلطنت خاندان ہباری

قبیلۂ قریش کی ایک شاخ بنو اسد مین ایک شخص ہبار بن اسود تھا، جو ۸ھ مین مسلمان ہوا، اسی کی اولاد مین سے ایک شخص منذر بن زبیر سندھ کے والی حکم بن عوانہ متوفی ۱۲۱ھ کے ساتھ سندھ پہنچا، اور اسی جگہ رہ پڑا، اسی کا پوتا عمر بن عبد العزیز تھا، جو اب اس وقت سندھ کا حاکم ہوا، اس کا نسب نامہ یہ ہے:۔

"عمر بن عبد العزیز بن منذر بن زبیر بن عبد الرحمن بن ہبار بن اسود"

یہ خاندان بنی امیہ اور عباسیہ دونون عہد مین سلطنت کے کامون مین شریک رہا[۱]، اور آہستہ آہستہ حجازی قبیلہ کا سردار ہو گیا، ۲۴۰ھ مین جب یہ سندھ کا والی ہوا، تو اس نے سندھ کے زیرین حصہ پر فوراً قبضہ کر لیا، گو اس نے منصورہ پایہ تخت پر بھی قبضہ کیا، مگر وہ خود اپنے وطن مقام "بانیہ" ہی مین رہا، جو منصورہ سے تھوڑے فاصلہ پر جنوب جانب تھا[۲]، جب اس کو ایک گونہ اطمینان ہو گیا تو پھر اس نے تمام سندھ کو اپنا باجگذار بنایا، اور ہمیشہ خلیفہ بغداد کا مطیع اور باجگذار اپنے کو ثابت کرتا رہا، چنانچہ خلیفہ عباسی ہی کا خطبہ تمام عمر پڑھوایا،

جب تک یہ زندہ رہا، اس کے تعلقات خلافت بغداد سے قائم رہے، اور خلافت بھی سندھ کو اپنے مقبوضات میں شمار کرتی رہی، چنانچہ یعقوب بن لیث صفاری کو ۲۵۷ھ مین خلیفہ معتمد نے جہاں ترکستان، سجستان اور کرمان کی سند امارت دی ہے وہاں سندھ کا نام بھی اس مین

---

[۱] ابن خلدون جلد ۲ ص ۳۲۷ مصر [۲] ابن حوقل ذکر سندھ،

شامل ہے جس کے دوسرے معنی یہ ہوئے کہ ۲۵۷ھ مین عمر بن عبد العزیز ہباری والی منصورہ مشرقی ممالک کا حاکم علی یعقوب صفاری کے ماتحت ہوگیا[1] اسی طرح ۲۶۱ھ مین خلیفہ معتمد اپنے بھائی موفق کو دیگر ممالک مشرقی کے ساتھ سندھ بھی ۔۔۔ حوالہ کرتا ہے[2] تاریخون سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ عمر بن عبد العزیز نے کب تک سلطنت کی، اور اس کا طرز حکومت کیا تھا؟ لیکن مشرقی ممالک مین باوجود متعدد انقلاب، کے عمر بن عبد العزیز کا اپنی جگہ قائم رہنا ہی اس کے تدبر اور لیاقت کی بڑی دلیل ہے، اور اس لئے ہم بظن غالب کہہ سکتے ہین کہ اس نے تمام عمر نہایت ہی امن و امان کے ساتھ سندھ پر حکومت کی، اور چونکہ ۲۷۰ھ مین اس کے بیٹے عبد اللہ کو برسر حکومت ہم پاتے ہین اس لئے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اسی سنہ یا اس سے کچھ قبل عمر بن عبد العزیز وفات پا گیا،

۲۵۹ھ مین ہندوستان (مراد اس سے سندھ کے متصل سرحدی علاقہ) کا ایک راجہ مسلمان ہوگیا، اور اس نے سونے کی ایک زنجیر جو زمرد اور یاقوت سے پچیکاری کی ہوئی تھی بطور نذر بیت اللہ الحرام مین کعبہ کے لئے بھیجی جس کے ساتھ سبز رنگ کا یاقوت (زمرد) بھی تھا، بغداد مین جب یہ چیز پہنچی تو خلیفہ معتمد علی اللہ کے سامنے پیش کی گئی، اس نے حکم دیا کہ کعبہ مین اس کو آویزان کیا جائے، چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی[3]

اسی زمانہ (۲۶۴ھ) مین ابوزید سیرانی ہندوستان آیا ہے، اس نے اپنے سفرنامہ میں ملتان کی نسبت لکھا ہے کہ

"وہ مشہور مورتی مولتان (ملتان) مین ہے اور یہ ملتان منصورہ سے قریب ہے، اس کی زیارت کے لئے لوگ مہینہ کی راہ سے آتے ہیں، اور بکثرت عود ہندی (کامرونی) چڑھاتے

---

[1] ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۳ مصر [2] عرب ہند کے تعلقات [3] اعلام بیت اللہ الحرام صفحہ ۲۶ حاشیہ مصر،

کے لئے لاتے ہین، اور کامرون (کامروپ) ایک شہر ہے جہان کا عود بڑا عمدہ ہوتا ہے اور اس قدر نرم ہوتا ہے کہ لوگ اس پر مہر کرتے ہین تو اس کا نقش ہوجاتا ہے، یہ بڑا قیمتی ہوتا ہے، ایک من کی قیمت دو سو دینار ہوتے ہین، لوگ دور دور سے اس کو لاتے ہین اور بہت کو بخور کے لئے دیتے ہین تاجر اسی کے ہاتھ سے خرید کر باہر لاتے ہین۔[1]

ابن ندیم جس نے اپنی کتاب ۳۷۷ھ مین ترتیب دی ہے لکھتا ہے کہ "ایک کتاب میری نظر سے گذری جس مین ہندوستان کے مذاہب کا بیان تھا، یہ جمعہ ۳ محرم ۲۴۹ھ کی لکھی ہوئی تھی، اس کا کاتب یعقوب بن اسحاق کندی تھا، اس مین لکھا تھا کہ یحیٰ بن خالد برمکی نے کچھ لوگون کو ہندوستان اس لئے بھیجا تھا کہ یہان کی نباتات کی تحقیقات کی جائے اور بکار آمد شے اپنے ساتھ لائے، اور دینی امور کی بھی چھان بین کی جائے، چنانچہ واپسی پر انھون نے ایک رپورٹ پیش کی، یہ اسی کا خلاصہ ہے؛

اس مین ہندوستان کے مختلف مقامات کے حالات خصوصاً ولھب راے کے پایہ تخت مان کھیڑ کے مندر کا حال لکھ کر ملتان کی نسبت لکھتا ہے کہ "ملتان مین ایک گھر (مندر) ہے، اور کہا جاتا ہے کہ یہ سات گھرون (مندرون) مین سے ایک ہے،[2] جو ہندوستان کے دوسرے اطراف مین ہین) اس مندر مین لوہے کا ایک بت ہے جس کا طول سات ہاتھ ہے، یہ قبہ کے بیچ مین معلق ہے، کیونکہ اس کو چارون طرف سے مقناطیس اپنی کشش مین لئے ہوئے ہے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک آفت کے سبب سے وہ اب ایک طرف جھک گیا ہے"

---

[1] کتاب الہند والصین پیرس ص۱۲۹، مولتان کی نسبت بیرونی نے لکھا ہے کہ اس کا اصل نام مول استھان ہے، مول کے معنی جڑ، اصل، اور استھان کے معنی جگہ، یعنی اصل جگہ، قدیم جگہ،

[2] دوسرا سومناتھ اور تیسرا کھنبائت مین تھا، باقی چار ہندوستان کے مختلف اطراف مین تھے،

یہ مندر پہاڑ کے نیچے ہے، اس کی بلندی (۱۸۰) ہاتھ ہے، عام ہندوستانی لوگ خشکی اور تری ہر طرف سے اس کی زیارت کے لئے آتے ہین، اور یہاں کا راستہ بلخ سے بڑا سیدھا ہے، کیونکہ ملتان بلخ کے شہرون سے قریب ہے، یہاں پہاڑون کی چوٹیوں اور سطح پر بیشمار پجاریوں کے مکان ہین، اور اسی جگہ ان کی قربانیاں بھی ہوتی ہین، کہا جاتا ہے کہ یہاں کوئی وقت ایسا نہیں گذرتا کہ لوگ اس کی زیارت کو نہ آتے ہون، یہان دو بت ہین، ایک کا نام "جنبکست" اور دوسرے کا "زنبکست" ہے، اس کو ایک بڑی وادی کے دونوں کنارون پر پہاڑ کے پتھر کو گڑھ کر بنایا ہے، یہ اسّی ہاتھ بلند ہے، جو دور سے دکھائی دیتا ہے، ہندوستانی اس کا حج کرتے ہین، قربانی بخور وغیرہ چڑھاتے ہین، اور قاعدہ یہ ہے کہ جو لوگ زیارت کے لئے آتے ہین، تو دور ہی سے جب وہ نظر آنے لگتا ہے تو پیادہ پا ہو جاتے ہین، اور اگر کبھی غلطی یا غفلت سے اس کے خلاف ہو گیا تو اس کو پھر اس جگہ واپس جانا پڑتا ہے، جہان سے وہ نظر نہ آئے، اور واپسی مین پھر جہاں سے نظر آنے لگے تو پیدل ہو جائے اور یہ محض اس کی عظمت اور بزرگی کے لئے ہے؛

اور ان لوگون نے جنھون نے اس کا مشاہدہ کیا ہے مجھ سے بیان کیا کہ اس جگہ جانین قربان کرنے کا واقعہ بھی کچھ کم وقوع پذیر نہیں ہوتا، اس کا خیال ہے کہ کبھی کبھی تو پچاس ہزار تک اس کی تعداد پہنچ جاتی ہے[۱]"

پھر بامیان کے مناور کا حال لکھ کر ملتان کی نسبت لکھتا ہے:۔ "فرج بیت الذہب (یعنی ملتان) مین ایک مندر ہے، بعضون کا خیال ہے کہ وہ پتھر کا ہی جس مین گوتم بدھ کی مورتی ہے اور اس کا نام بیت الذہب اس لیے ہوا کہ حجاج بن یوسف ثقفی والیِ عراق کے عہد مین جب یہ شہر فتح ہوا تو یہان سے ایک سو بہار سونا دستیاب ہوا تھا[۲]"

[۱] الفہرست لابن ندیم ص ۴۸۶ تا ۴۸۷ طبع مصر [۲] ابن خردازبہ (ن ۳۰۰ھ) نے چالیس بہار لکھا ہے (بقیہ ص ۱۹۳ پر)

ابو دلف ینبوعی نے مجھ سے بیان کیا جو بڑا سیاح تھا، کہ بیت الذہب ملتان میں جو منسوب اس وقت مشہور ہے وہ وہ نہیں ہے (بلکہ دوسرا تھا)

یعقوب کندی نے ملتان کے بت کی ایک تصویر بھی دی تھی، لیکن افسوس ہے کہ ابن ندیم نے اپنی کتاب میں اس کو شامل نہیں کیا،

عبد اللہ بن عمر ہباری

غالباً ۲۷۰ھ میں تخت نشین ہوا، چونکہ اس نے ایک منظم سلطنت اپنے باپ سے وراثت میں پائی اس لئے خیال گذرتا ہے کہ قدرتی طور پر یہ آرام پسند اور سست ہوگا، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ۲۷۹ھ میں بنو کندہ کا ایک آزاد کردہ غلام ابو الصمہ جو تیسری صدی کے شروع میں عباسی والی سندھ عمر بن حفص ہزار مرد کے ساتھ سندھ آیا تھا، اس کے لڑکے صمہ نے بغاوت کر کے منصورہ پر قبضہ کر لیا[1]، اور چونکہ وہ بانیہ میں رہتا تھا، اس لئے غالباً وہ خود محفوظ رہا، پھر کچھ دنوں کے بعد عبد اللہ نے طاقت بہم پہنچالی، اور منصورہ باغی سے واپس لے لیا، اور غالباً اسی وقت سے عبد اللہ نے بجائے بانیہ کے منصورہ میں رہنا شروع کیا،

سندھ کا پایہ تخت پہلے "ارور" تھا، حکم بن عوانہ والی سندھ متوفی ۱۲۱ھ کے عہد میں جب عربی طاقت کمزور ہو گئی تو سندھ ندی کے مشرقی جانب ایک شہر "محفوظہ" کے نام سے آباد کر کے پایہ تخت بنایا، لیکن اس کو فروغ حاصل نہ ہوا، تقریباً اسی سال محمد بن قاسم ثقفی فاتح سندھ کا لڑکا عمر جو ابن عوانہ کے ماتحت رسالوں کا افسر تھا، ایک اور مقام پر اس نے ایک شہر کی بنیاد رکھی جس کا نام بطور فال نیک کے "منصورہ" رکھا، کیونکہ وہ دشمنوں پر فتح پاکر واپس آیا تھا[2] رفتہ رفتہ یہ شہر بڑا بارونق بن گیا، اور آخر میں دار السلطنت قرار پایا، اس کے پایہ تخت مراد

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۲) اور ہر بھار ۳۳۳ من کا تھا اس لحاظ سے تیرہ ہزار تین سو بیس من ہوئے، مگر واضح رہے کہ سونا، چاندی، جواہرات کا من بہت چھوٹا ہوتا ہے۔ [1] بلاذری ص ۴۲۵ [2] فتوح البلدان ص ۴۴۴ لیڈن،

دئے جانے کی قدیم ترین شہادت بلاذری متوفی ۲۷۹ھ سے ملتی ہے جس نے لکھا ہے کہ "یہ وہی شہر ہے جہاں آج کل حکام ٹھہرتے ہین"[1] اس کا طول مغرب سے ۹۶ درجہ، اور عرض بلد جنوب سے ۲۲ درجہ ہے[2]،

ابن حوقل لکھتا ہے کہ یہ شہر دریاے سندھ کے کنارے ایک ایسی جگہ پر آباد ہے کہ دریا کی ایک شاخ نے نکل کر اس جگہ کو جزیرہ بنا دیا ہے،

خوش قسمتی سے ہمارے سامنے ابن حوقل کا وہ نقشہ موجود ہے جو اس نے اپنے زمانہ مین سندھ کا تیار کیا تھا، اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دریاے سندھ جو پنجاب کی طرف سے چل کر آخر کار سمندر مین جا گرتا ہے اس مقام سے تھوڑی دور پیچھے موجودہ حیدرآباد[3] جنوب کی طرف خشکی کی سمت مین ایک جگہ دریا کی ایک نئی شاخ نکلتی ہے، جو فوراً ہی پھر گھوم کر اسی دریا مین مل جاتی ہے، اور اس طرح بیچ مین دریا کے کنارے اس شاخ کے احاطہ سے ایک تھوڑی سی زمین جزیرہ کی صورت مین بن گئی ہے، اسی جزیرہ کی شکل میں یہ شہر آباد ہوا، جو ہر طرف سے پانی سے گھر کر ناگہانی حملہ آورون سے محفوظ تھا، یہ اسی قسم کا مقام تھا جیسا کہ میسور مین کاویری ندی کے گھوم جانے سے سرنگاپٹم کا مقام نکل آیا ہے، پرانے زمانہ کے فن جنگ کے لحاظ سے اس قسم کے مقامات بہت محفوظ خیال کئے جاتے تھے[4]

منصورہ غیاث الدین بلبن کے عہد ۶۶۳ھ تک موجود تھا[5]، اور در اصل برہمن آباد کا دوسرا نام تھا، کیونکہ یہ شہر برہمن آباد سے دو فرسخ پر تھا[6]، اور غالباً اس کے آباد ہوتے ہی برہمن آباد بے رونق ہو گیا، آئین اکبری مین اس کا نام بکھر یا بھکر ہے[7] جو کسی طرح صحیح نہیں، کیونکہ آج کل بھکر

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۴۴۳ بیروت [2] معجم البلدان یاقوت حموی لفظ منصورہ [3] عرب وہند کے تعلقات صفحہ ۳۳۶ الٰہ آباد [4] طبقات ناصری صفحہ ۲۸۷ کلکتہ [5] عرب وہند کے تعلقات صفحہ ۵۰، [6] آئین اکبری جلد ۲ صفحہ ۱۶۱ لول،

ضلع سکھر مین واقع ہے، یہ ایک جزیرہ ہے جہان قدیم قلعہ اب تک موجود ہے[۱]،

راجہ داہر کے عہد مین بھی سندھ کا سب سے بڑا شہر اَرور تھا جس کو عرب الرور یا الرور کہتے تھے، یہ شہر اور اس کا قلعہ ایک بلند پہاڑ پر واقع تھا، اور راجہ داہر کا پایہ تخت تھا ۹۲ھ مین جب محمد بن قاسم نے اس کو فتح کیا تو ایک عالیشان مسجد اس مین تعمیر کی[۲] یہ عرصہ تک مسلمانون کے قبضہ مین رہا، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عرب مسلمانون کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر غیر مسلم سندھیون نے اس پر قبضہ حاصل کر لیا، چنانچہ ۲۷۰ھ مین یہان ایک غیر مسلم راجہ حکومت کرتا تھا[۳] بعض سیاحون کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس چھوٹی سی ریاست نے اسلامی مقبوضات کے دو حصے کر ڈالے تھے، سندھ کے زیرین (جنوبی) حصہ کا پایہ تخت منصورہ تھا، اور بالائی (شمالی) حصہ کا دار السلطنت ملتان[۴]، گو شہر ارور دریا کے رخ بدلنے سے ویران ہوگیا، مگر اس سے کچھ فاصلہ پر آج بھی ضلع سکھر مین خیر پور سے قریب ایک چھوٹی سی آبادی کی شکل مین موجود ہے، جو روڑی یا روہڑی سے متصل واقع ہے، پہلے دریائے ہکڑا (جو اب سوکھ گیا ہے) کے بائین کنارے موجودہ خیر پور سے چند میل شمال مین واقع تھا[۵]،

۲۷۰ھ مین یہان کے ایک ہندو راجہ نے جس کا نام عربون نے "مہروک بن رائک" لکھا ہے، منصورہ کے حاکم عبد اللہ بن عمر ہباری سے درخواست کی کہ سندھی (ہندی) زبان مین مذہب اسلام کی تعلیم لکھ کر بھیجدے، عبد اللہ ہباری نے ایک شخص کو بلایا جو تھا تو عراقی، مگر اس کی پرورش منصورہ مین ہوئی تھی، وہ بڑا ذہین اور فہمیدہ آدمی تھا، اور اس

---

[۱] جغرافیہ سندھ مصنفہ بشیر احمد صاحب ۱۹۳۲ء ص ۲، [۲] چچ نامہ قلمی ص ۱۹۳، [۳] عجائب الہند ص ۳ لیڈن سفرنامہ بزرگ بن شہریار ص ۳ لیڈن، [۴] جغرافیہ سندھ ص ۲، [۵] تاریخ ہاشمی ص ۱۹۵،

ملک کی متعدد زبانون سے واقفیت رکھتا تھا، راجہ کی خواہش اس کے سامنے پیش کی گئی اس نے ایک قصیدہ تیار کیا، اور راجہ کی خواہش کے مطابق اس مین تمام امور بیان کئے، عبد اللہ نے اس قصیدہ کو راجہ مہروک کے پاس بھیجدیا، راجہ نے جب اس کو سنا تو بہت پسند کیا، اور عبد اللہ سے درخواست کی کہ شاعر کو اس کے دربار مین بھیجدیا جائے، چنانچہ عبد اللہ نے اس کو بھیجدیا، وہ تین سال وہان مقیم رہا، اور واپسی تک راجہ اس سے بہت خوش رہا، ۲۷۳ھ مین جب وہ عبد اللہ سے ملا، تو راجہ کے متعلق سوال کرنے پر اس نے کہا کہ جس وقت مین وہان سے واپس آرہا تھا تو راجہ سچے دل سے مسلمان تھا، لیکن سلطنت چھن جانے کے خوف سے اس کا اظہار نہیں کرسکتا تھا، اس نے منجملہ اور واقعات کے ایک واقعہ یہ بھی بیان کیا کہ سندھی زبان مین قرآن کی تفسیر لکھنے کی فرمایش کی، وہ روزانہ تھوڑا تھوڑا تفسیر کرکے اس کو سناتا جاتا، وہ کہتا ہے کہ جب مین نے سورۂ یٰسین کی اس آیت پر پہنچکر ترجمہ سنایا "من یحیی العظام وھی رمیم" اور پھر اس کی تفسیر بیان کی، تو وہ اس وقت جواہرات سے مرصع سونے کے ایک تخت پر بیٹھا تھا، اس نے کہا کہ پھر ایک دفعہ اس کی تفسیر کرو، چنانچہ مین نے دوبارہ اس کی تفسیر کی، وہ فوراً تخت سے اتر پڑا، اور زمین پر چند قدم چلا، اس نے اپنا گال زمین پر رکھدیا، حالانکہ زمین پانی چھڑکنے کے سبب سے اس وقت تر تھی، اور یہان تک رویا کہ اس کا رخسار گردآلود ہوگیا، پھر اس نے کہا کہ بیشک یہی رب معبود ہے جو ازلی اور ابدی ہے، اس کے بعد اس نے اپنے لئے ایک مکان تیار کرایا جہان تنہائی مین وہ خدا کی عبادت کیا کرتا اور وقت پر نماز پڑھتا، مگر لوگون پر یہ اظہار کیا کرتا کہ وہ یہان جاکر سلطنت کے اہم معاملات پر غور کیا کرتا ہے، سندھی شاعر کا یہ بھی بیان ہے کہ راجہ نے چھ سو من سونا اسے تین دفعہ دیا[1]،

[1] الفہرست بزرگ ... لیڈن،

دیبل مین زلزلہ

اسی عبداللہ بن عمر ہباری کے عہد مین ایک بڑی مصیبت آئی، شوال سنہ ۲۸۰ھ مین سندھ کی مشہور بندرگاہ دیبل (دیول) مین بڑا چاند گرہن لگا، غالباً اسی کے ساتھ سورج گرہن بھی تھا، کیونکہ عصر تک تاریکی چھائی رہی، پھر عصر کے وقت سے ایک شدید آندھی سیاہ رنگ کی چلی، جو تہائی رات تک رہی، دیبل کے لوگ جب آرام سے میٹھی نیند کے مزے لے رہے تھے اور رات کا ⅓ حصہ گذر چکا تھا کہ یکایک بڑے زور کا زلزلہ آیا، تمام دیبل تباہ ہوگیا، بمشکل ایک سو مکان بچ رہے ہون گے، اس کے بعد پھر پانچ مرتبہ زلزلہ آیا، ملبہ کے نیچے سے ایک لاکھ پچاس ہزار آدمی صرف مردے نکلے، مجروح اور زندون کی تعداد جو صحیح سلامت بچ رہی وہ اس کے علاوہ ہے، اس سے دیبل کی آبادی اور سندھ کی سرسبزی اور شادابی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے[1]،

اس واقعہ کی خبر پرچہ نویس نے فوراً بغداد روانہ کی، بغداد مین اس وقت معتضد باللہ خلیفہ تھا جس کی حکومت سنہ ۲۷۹ھ سے سنہ ۲۸۶ھ تک رہی، اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سندھ پر ابھی تک خلفاء کا اثر موجود تھا، ڈاک اور خفیہ پولیس کا انتظام بھی براہ راست خلیفۂ بغداد کے ماتحت تھا[2]،

عبداللہ بن عمر کی حکومت تقریباً تیس برس رہی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سندھ میں اس نے بڑا اچھا انتظام کیا،

سندھ کے شہر مسافت اور برآمد

اس وقت صوبہ سندھ مین مندرجۂ ذیل شہر سمجھے جاتے تھے، قیقان (کیکانان)، بنہ، مید، قندھار، (گندھارہ)، قصدار (قزدار) بوقان، قندابیل، (گندھاوی)، پنجپور، ارمابیل (ارمن بیلہ) دیبل، قنبلی، کنبایا (؟) سہبان، سدوسان، (راسک)

[1] الکامل لابن اثیر جلد ۷ ص ۳۲۳ لیڈن [2] تاریخ الخلفا سیوطی صفحہ ۳۸۰ کلکتہ،

رور، (الور یا اروڑ)، ساوندری، مولتان (ملتان) سندان، کیرج، قالی (کالی)[1] اور چونکہ اکثر اوقات مکران کا علاقہ والیٔ سندھ کے ماتحت رہا ہے، اس لئے سندھ ہی مین اکثر سیاحون نے مکران کو بھی شمار کیا ہے، چنانچہ بعض عربی جغرافیہ نویسون نے لکھا ہے کہ سندھ کی سرحد "تیز" مکران سے شروع ہوتی ہے[2]، یہان کا خراج الف الف درہم (دس لاکھ درہم) ہے[3]، اس زمانہ مین تاجرون کا کاروان جو خراسان سے مکران اور سندھ جاتا تھا ان کا راستہ مع مسافت مندرجۂ ذیل ہے:-

مکران کی سرحد طابران سے شروع ہوتی ہے، یہان سے باسورجان ۲۴ میل اور قریہ یحیی ابن عمر ۳۰ میل، ھذار (ہزار یا ہزارہ) ۳۰ میل، مدر ۴۰ میل، موسارہ ۲۰ میل، درک بامویہ ۲۰ میل، تجین ۳۰ میل، پھر بلوچیون کا چوراہہ (شاہراہ) ۴۰ میل، اس کے بعد نمک کا پہاڑ ۸ میل، یہان سے نخل ۲۰ میل، اور قلبان نخل سے ۸ میل ہے، پھر قلمان سے سرافلف ۱۲ میل، پنجپور ۹ میل، یہان سے حلیس (جو قندابیل جانے کے راستہ پہ ہے) جاتے ہوئے ایک صحرا ملتا ہے جو ساٹھ میل کا ہے، پھر سرا سے داران تیس میل، یہان سے جیثیہ لجے سنگھو ۴۰ میل، اور قصدار ۳۰ میل جے سنگھو سے ہے، اس کے بعد جور ۲۰ میل، یہان سے امرشاپ ۲۰ میل، پھر قریہ سلیمان ۴۸ میل، یہ بندرگاہ ہے، خراسانی تاجر اسی جگہ سے سندھ یا ہندوستان جاتے ہین، یہان سے منصورہ ۴۲ میل ہے، غرض مکران کی سرحد سے منصورہ تک اس راستہ سے کل مسافت ۷۰۴ میل ہے، راستہ مین جاٹ لوگون کے شہر ملتے ہین، اور یہ لوگ راستہ مین امن کے ذمہ دار ہین[4]، اس زمانہ مین یہان کے جہاز بصرہ ہو کر بغداد اور مدائن تک جاتے تھے[5]، اور بحری راستہ اس طرح مقرر تھا، بصرہ سے جزیرہ خارک

---

[1] المسالک والممالک ابن خرداذبہ ص ۵۶ لیڈن [2] الاعلاق النفیسہ ص ۳۲۹ لیڈن [3] کتاب البلدان ص ۲۳۴ لیڈن [4] المسالک والممالک ابن خرداذبہ ص ۵۵ و ۵۶ لیڈن [5] الاعلاق ص ۹۵

۱۵۰ میل، جزیرہ لاوان ۴۴۰ میل، جزیرہ ابرون ۲۱ میل، جزیرہ خین ۲۱ میل، جزیرہ کیس ۲۱، جزیرہ ابن گاوان ۴۲، ہرمز ۲۱ میل، پھر یہان سے تارا سات دن کا راستہ ہے، اور یہ سندھ اور فارس کی حد ہے، پھر تارا سے دیبل ۸ دن، اور دیبل سے دہانۂ سندھ دریا تک (سمندر میں) ۶ میل ہے، اس زمانہ میں کٹ، نیزہ اور بید کی تجارت خوب ہوتی تھی دیبل کا مشک بھی اچھا ہوتا تھا، جو تبت سے آکر یہان فروخت ہوتا، یہ دنیا میں چوتھے نمبر کا مشک شمار کیا جاتا تھا، ملتانی مشک بھی مشہور تھا، وہ اگرچہ بڑا اور خوش رنگ ہوتا مگر خوشبو کم ہوتی[1]،

بغداد سے منصورہ تک ڈاک کے مختلف راستے تھے، ان میں سے ایک آذربیجان کے شہر ورثان سے برذعہ تک ۱۰ پڑاؤ، اور یہان سے منصورہ ۱۴ پڑاؤ تھا[2]، پندرہ دن کی راہ ڈاکیہ صرف تین دن میں طے کرتا تھا، اس سے ڈاکیہ کی تیز رفتاری کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے[3]، یہ ڈاک گھوڑے پر جاتی تھی، اور جگہ جگہ اس کا تبادلہ ہوتا تھا، مرکزی مقام پر بڑی تعداد میں گھوڑے تیار رکھے جاتے، تاکہ بوقتِ ضرورت فوراً ڈاکیہ کو مل سکے، اور مقام مقصود پر پہنچنے مین ڈاکیہ کو دیر نہ ہو[4]،

اسمٰعیلی شیعون کا ایک فرقہ ہے جو حضرت امام جعفر صادقؓ کے بعد اسمٰعیل بن جعفرؒ کو امام مانتا ہے' ملک شام مین سلمیہ ایک مقام ہے دہاں ان کے امام رہا کرتے تھے، جو عباسیون کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر تمام دور دراز مقامات میں اپنے داعی بھیجتے رہتے تاکہ انقلاب کے لئے ملک کو آمادہ کرین، یہ داعی نہایت خاموشی اور رازداری سے ملک میں کام کرتے چنانچہ سندھ مین بھی عبد اللہ کے عہد ۲۷۰ھ میں اسمٰعیلیون کے امام عبد اللہ

---

[1] کتاب البلدان ص ۳۱۵ لیدن [2] کتاب الخراج لقدامہ ص ۲۱۲ لیدن [3] ایضاً ص ۲۰۶ [4] ایضاً ص ۲۰۹،

(عبید اللہ) المہدی نے ایک داعی روانہ کیا، اس کا نام ہیثم تھا، یہ سندھ کا پہلا داعی[1] ہے جس نے سندھ مین انقلابی تحریک جاری رکھی، اور پھر اس کے بعد یکے بادیگرے اور داعی بھی آتے رہے، یہاں تک کہ سو برس کے بعد ملک میں انقلاب پیدا کرکے اپنی سلطنت قائم کرلی، اس کا بیان آگے مفصل طور پر آئے گا،

ربیع الثانی (یا جمادی الاولی) ۲۸۳ھ میں بغداد سے محمد بن ابی الشوارب پایۂ تخت منصورہ کے لئے قاضی منتخب کئے گئے، یہ بڑے اہل علم اور لائق لوگون میں سے تھے، اگر کچھ عرصہ تک یہاں اور زندہ رہتے تو ملک کو بڑا فائدہ پہنچتا، لیکن عمر نے وفا نہیں کی، سندھ آنے کے چھ ماہ بعد شوال ۲۸۳ھ میں بمقام منصورہ انتقال کرگئے[2]، لیکن ان کی اولاد یہی جگہ رہ پڑی جیسا کہ آگے چل کر مسعودی کے بیان سے واضح ہوتا ہے،

تقریباً ۲۹۰ھ مین ابن رستہ نے اپنی کتاب مین ملتان کے متعلق مندرجۂ ذیل حالات تحریر کئے ہیں،

ملتان وہ شہر ہے جہان سے دریاے سندھ الگ ہو جاتا ہے، جو دریاے دجلہ سے بڑا ہے، اور ملتان میں ایک خاندان رہتا ہے جس کا گمان ہے کہ وہ سامہ بن لوی کی شاخ بنو منبہ سے ہے، آج کل یہی خاندان ہندوستان (ملتان) پر حکمران ہے، یہ خلیفہ عباسی بغداد کے نام کا خطبہ پڑھتا ہے،

ملتان سندھ کے منصورہ سے قریب ہے، اور اس ملتان مین ایک بت ہے جس کی بڑی آمدنی ہے، اس کی آمدنی اور تمام دوسرے مال بنو منبہ کی ملکیت مین ہے، ایک معتبر آدمی جو ان ملکون مین سیاحت کرچکا ہے اس نے کہا کہ اس کی آمدنی بیشمار ہے،

---

[1] نزہۃ الافکار قلمی کتبخانہ سورت و داعی طاسیف الدین [2] الکامل جلد ۷ ص ۴۳۴ لیڈن،

اور جب کبھی ہندو ان سے لڑنے کے لئے آتا ہے تو ملتان سے باہر نکل کر ان سے خوب جنگ کرتا ہے، اور اپنی فوجی طاقت سے ان کو شکست دیتا ہے[۱] اور جن لوگوں نے اس بت کو دیکھا ہے ان کا بیان ہے کہ وہ بت انسانی شکل پر تقریباً بیس ہاتھ لمبا ہوگا، وہ ایک ایسے کمرہ میں ہے جس پر بہت بڑی چھت ہے، اور نہیں معلوم کہ اس کو کس نے بنایا کہا جاتا ہے کہ دو ہزار سال قبل اس کی بنیاد پڑی تھی، ہندوؤں کا خیال ہے کہ یہ بت آسمان سے اترا ہے، اور اس کے پوجنے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے، اس کے خدمت گذار پجاری بھی ہیں جو اس کی دیکھ بھال کرتے ہیں، اس کا خرچ اس کی آمدنی سے چلتا ہے، اور یہ علاوہ ان وظیفوں کے ہے جو پجاریوں کو دئے جاتے ہیں، جن سے وہ کھاتے پیتے اور پہنتے ہیں اور تمام ہندو اس کا حج فرض سمجھتے ہیں، جب کوئی مالدار آدمی مرنے لگتا ہے تو اپنے نصف یا تمام مال اس کے نام وصیت کر جاتا ہے جس سے اس کا منشا بت کی خوشنودی حاصل کرنا ہے، اس بت کی زیارت کرنے کے لئے ایک ایک سال کے رستوں سے آتے ہیں، یہاں پہنچکر وہ اپنے سر کو مونڈوا دیتے ہیں، اور بائیں طرف سے سات دفعہ طواف (چکر) کرتے ہیں، اور یہ سب حصولِ ثواب کے لئے کیا جاتا ہے، پھر اس کے آگے گڑگڑاتے اور لوٹتے ہیں، اس بت کے چار منہ ہیں جس طرف گھوم جاؤ اس کا چہرہ تمہارے مقابل ہی ہوگا، کہتے ہیں کہ یہی خدا ہے جس کی عبادت کی جاتی ہے، اس کے مقابل کھڑا ہو جائے اور بیٹھ نہ دکھائے (تعظیم کے خیال سے) پھر تم جس طرف سے دیکھو وہ تمہارے سامنے ہی ہوگا، اور جب یہ لوگ اس کا طواف کرتے ہیں تو جب ایک رخ سے دوسرے رخ کی طرف جاتے ہیں تو سجدہ کرتے ہیں[۲]

---

[۱] الاعلاق النفیسہ صد ۱۳۵ البیدن [۲] ایضاً صد ۱۳۶ اس بیان سے معلوم ہوا کہ یہ وہ بت نہیں ہے صفحہ ۲۰۲ پر

بعض ہندو اپنی آنکھیں نکال کر اپنے ہاتھ مین رکھ لیتے ہین، اور عرض کرتے ہین کہ اے بھگوان! میں نے اس کے ذریعہ سے تیری خوشنودی حاصل کی ہے پس میری عمر طویل بنا، اور روزی میں اضافہ کر وغیرہ وغیرہ،

بعض ان لوگون نے جنھون نے بچشم خود دیکھا ہے مجھ سے بیان کیا کہ ہندو سرخ صندل کے دو کندے جو دو آدمی کا بوجھ ہوتا ہے، اپنے کندھون پر لے کر ایک ایک سال کے راستہ سے آتے ہیں، اور ان کے لانے کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے ایک کندا لے کر تقریباً ایک فرسخ (تین میل) جاتا ہے، اور وہاں اس کو رکھ کر پھر واپس اس مقام پر جاتا ہے، جہاں پہلا کندا رکھا تھا، اور اس کو لے کر وہاں آتا ہے جہاں دوسرا رکھا ہے، اس طریقہ سے ملتان تک کا راستہ وہ طے کر کے اس بت کے نذر کرتا ہے،

بعض ہندو اس خیال سے دیکھیے کہ وہ اس بت سے اس پر فدا ہو جانے کی اجازت لیتے ہین، (اور جب اس کو اجازت مل جاتی ہے، اور اس کا کوئی طریقہ برہمنون نے نکالا ہوگا) تو وہ ایک لمبی لکڑی لے کر اس کا سرا نوکیلا اور خوب تیز بناتا ہے، تیاری کے بعد اس کو زمین مین گاڑ دیتا ہے، پھر اوپر جا کر اس پر اپنا پیٹ رکھ کر اس طرح دباتا ہے کہ وہ لکڑی اس کے دوسرے جانب سے نکل جاتی ہے، اور وہ مر جاتا ہے، اور یہ کام بت دیا دیوتا کو محض خوش کرنے کے لئے کیا جاتا ہے،

کچھ لوگ ایسے بھی ہین کہ بے شمار مال و دولت لا کر اس کے آگے ڈالتے ہین اور بڑی عاجزی سے کہتے ہین کہ اے خدا! اپنے غلام کے مال میں سے یہ ہدیہ قبول کر،

(بقیہ حاشیہ صنا۲۰) بعد کے مسافرون نے ذکر کیا ہے، یہ بت خالص ہندوؤں کا ہے اس کو شیو کی مورتی اور دیوتا بھی کہتے ہیں بخلاف اس بت کے جس کا ذکر ابن حوقل اور بشاری وغیرہ نے کیا ہے وہ غالباً گوتم بدھ کی مورتی ہے

اس قسم کے بتون کے پجاری عورتوں کے پاس نہیں جاتے، نہ گوشت کھاتے ہین، نہ کسی جانور کو ذبح کرتے ہین، نہ میلے کپڑے استعمال کرتے ہین، جب وہ بتون کے پاس جانے لگتے ہین تو عطر میں بس کر جاتے ہیں، ان کے سوا کوئی دوسرا آدمی نہ ان بتوں کو خوشبو لگا سکتا ہے نہ چھو سکتا ہے، اور جب دوسرا کوئی اس کے پاس جاتا ہے تو اس کے سامنے دونوں گھٹنوں کے بل ہو کر اور ہاتھ جوڑ کر عرض کرتا ہے کہ مجھ پر رحم کرے، اور عنایت کی نظر رکھے، پھر وہ کمر بڑے خلوص سے اس کے لئے دعا کرتا ہے،

اس بت کے لئے ایک باورچی خانہ بھی ہے جہاں عمدہ سفید چاول اس کے لئے پکائے جاتے ہین، اس کے علاوہ دوسری قسم کی چیزین مثلاً مچھلی، ساگ وغیرہ تیار کر کے خوشبو (مثلاً لوبان وغیرہ) کے ساتھ اس کے آگے اس طرح رکھا جاتا ہے، کہ کیلا کا بہت بڑا پتہ جس کا عرض اس قدر ہوتا ہے کہ ایک یا دو آدمی کو اس میں لپیٹ سکیں، اس کے آگے بچھا دیتے ہین، پھر انسان کے نصف قد کے برابر چاول انڈیل دیتے ہین، سب سے بڑا پجاری کیلے کا ایک پتہ لے کر بطور پنکھے کے اس کے آگے جھلتا ہے، یہان تک کہ اس کے آبخرات بت کے منہ مین لگتے ہین، اور اسی کو وہ لوگ اس کا کھانا سمجھتے ہین، کیونکہ وہ منہ اور ہاتھ سے نہیں کھاتا،

کھانے سے قبل چنگ، زنبور (یا جھانجھ) اور طبل بجاتے ہوئے اس کے گرد گھومتے ہین، کبھی کبھی سو سو لڑکیان جن کو اسی کام کے لئے وظیفہ ملتا ہے، اس کام کو انجام دیتی ہین، وہ کہتی ہین کہ ہم ناچ اور گا کر اس کو خوش کرتے ہین، اس کے بعد وہ بت کھانا کھاتا ہجز اور نظر آتا ہے کہ اس کے کھانے کے بعد بھی اس کے کھانے میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی (اور غالباً اسی لئے) کھاتے وقت دروازہ بند کر دیتے ہین اور بعد فراغت دروازہ کھول کر

کھانا وہاں سے اٹھا دیتے ہین، اور اس کو اسی جگہ رکھ کر کہتے ہین کہ بت نے اس کو خیرات کر دیا، جہاں بلا روک ٹوک ہر جاندار اس سے فائدہ اٹھا سکے، یہان تک کہ پرندے اور کتے کو بھی اس سے نفع اٹھاتے روکا نہیں جاتا، اسی طرح یہ کام ہر روز کیا جاتا ہے[1]، کبھی کبھی اس کو دودھ یا گھی سے غسل دیا جاتا ہے، اور لوگ اس کو تبرک سمجھ کر اٹھا لیتے ہین، اور اپنے مریضوں کو اسی سے غسل دے کر شفا کی امید رکھتے ہیں[2]،

عمر بن عبد اللہ ہباری تقریباً ۳۰۳ھ مین یہ تخت نشین ہوا، اس کی کنیت ابو المنذر تھی اور نام عمر بن عبد اللہ، یہ اپنی موروثی سلطنت پر قابض ہو کر بڑا لائق نکلا، اس نے ملک مین امن و امان کے ساتھ بڑا رعب قائم کر لیا، بڑی شان و شوکت سے سلطنت کرتا تھا، اس کا ایک وزیر بھی تھا، جس کا نام "ریاح" تھا، اور اس کے دو لڑکے محمد اور علی تھے، ارکین دولت مین سے ایک شخص "حمزہ" نامی بڑا با اثر غالباً امیر الامراء کے عہدہ پر فائز تھا[3]، یہ ایک عرب خاندان کا معزز شخص تھا، یہان سادات کی ایک بڑی جماعت رہتی تھی، عمر بن علی اور محمد بن علی کی طرف منسوب تھی، یہان ایک قاضی بھی رہتا تھا، جو آل ابی الشوارب کے خاندان سے تھا، شاہی خاندان کے ساتھ اس خاندان کا بڑا تعلق تھا، کیونکہ آپس مین ایک دوسرے کے ساتھ رشتے ناتے بھی ہوتے رہتے تھے،

وسعت سلطنت و آبادی اس زمانہ مین منصورہ کی سلطنت نہ صرف بڑی ہوگئی تھی بلکہ سرسبزی

---

[1] راقم الحروف نے برھما اور مدراس کے مندرون مین ایسا ہی کرتے ہوئے دیکھا، لیکن چونکہ ہندوستان کی دولت کم ہوگئی ہے، اور افلاس زیادہ آگیا ہے، اس لئے اس قدر بڑی مقدار مین چاول نہیں رکھتے، بلکہ زیادہ تر لڈو اور پھل ہوتے ہین [2] الاعلاق النفیسہ ص۱۳۷ لیڈن [3] سندھ مین جو لوگ حمزہ کی اولاد سے اپنے کو کہتے ہین وہ اسی حمزہ کی اولاد ہیں، کیونکہ حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب کی اولاد ذکور رہتی ہی نہیں،

اور شادابی میں بھی کسی دوسرے صوبہ سے کم نہ تھی، اس سلطنت کے ماتحت اس وقت جو گاؤں آباد تھے ان کی تعداد "تین لاکھ" تھی[1] کھیت، باغ اور گاؤں سب قریب قریب اور ایک دوسرے سے متصل تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام سلطنت کی زمین کام میں لائی گئی تھی، اس سے اس کی آبادی اور سرسبزی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے،

فوجی طاقت بادشاہ کی فوجی طاقت بھی اچھی تھی، اور غالباً اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے اپنی سلطنت کو دوسرے ممالک فتح کرکے وسعت دی، چنانچہ الور (اروڑ) کی ریاست جو اس کے باپ کے عہد میں ایک آزاد ہندو راجہ کے ماتحت تھی وہ اب منصورہ کے ماتحت ہوگئی تھی، جیسا کہ مسعودی نے لکھا ہے کہ ملتان اور منصورہ کے درمیان الور ہے جو آجکل منصورہ کے پرگنوں میں داخل ہے،

بادشاہ کے دشمنوں میں سے زیادہ تر "مید" لوگوں سے جنگ رہا کرتی تھی، یہ قدیم آرین قوم تھی جو وادی سندھ میں آباد ہوگئی تھی، بڑی جنگجو اور وحشی تھی، مسلمانوں کے پہلے ان کے حریف جاٹ تھے، مگر اب یہ قوم زیادہ تر مسلمانوں ہی سے برسر پرخاش رہا کرتی تھی، منصورہ کے حاکم کے پاس اس وقت پانچ ہزار سوار، اسّی جنگی ہاتھی، اور چالیس ہزار پیادہ فوج تھی، ان میں سے دو ہاتھی جو سدھائے ہوئے تھے تمام ہندوستان میں بڑے مشہور تھے جو اپنی بہادری اور جنگجوئی کے باعث سب میں ممتاز تھے، ان میں سے ایک کا نام

---

[1] بظاہر یہ مبالغہ معلوم ہوتا ہے، لیکن میرے نزدیک اس زمانہ میں ممکن ہے کہ گاؤں اس طرح آباد کئے جاتے ہوں جیسے برما یا انگلستان میں ہوتے ہیں جن کو غالباً "کاٹیج" کہتے ہیں، یعنی ہر ایک زمیندار اپنی اپنی زمین کے بیچ میں مع اپنے خاندان کے رہتا ہے اور اس کے اردگرد اس کے کاشتکاری ہوتی ہے، اس طرح تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر چھوٹے چھوٹے گاؤں آباد ہوتے چلے جاتے ہیں،

"منفر قلس" اور دوسرے کا "حیدرہ" تھا، منفر قلس کے متعلق عجیب عجیب قصے مشہور تھے، منجملہ ان مین سے ایک بات یہ ہے کہ ایک دفعہ اس کا فیلبان (مہاوت) مرگیا تو اس نے تین دن تک کھانا نہ کھایا اور برابر روتا رہا، اور ایسی ہی غمگین آواز اس کے منہ سے نکلتی رہی جیسے غمگین انسان کے منہ سے رنج والم کے وقت نکلتی ہے۔

ایک واقعہ اور بھی اس کا بہت مشہور ہے، کہ ایک دن تمام جنگی ہاتھی فیل خانہ سے نکلے اور اس ترتیب سے چلے کہ سب سے آگے منفر قلس، اس کے بعد حیدرہ تھا، اور باقی اس کے پیچھے پیچھے منصورہ کی ایک تنگ سڑک پر جا رہے تھے، ایک عورت بھی اس سڑک پر کھڑی تھی جس کو ہاتھی کے متعلق کوئی علم نہ تھا، اچانک ان کو دیکھ کر وہ اس قدر گھبرائی کہ بدحواس ہو کر گر پڑی، اس پریشانی مین وہ برہنہ ہوگئی، منفر قلس نے جب یہ دیکھا تو وہ سڑک کے عرض مین آڑے ہو کر کھڑا ہوگیا، اور کسی کو آگے آنے نہ دیا، پھر اپنی سونڈ سے اس کے کپڑے درست کئے اور ستر پوشی کی، دیر کے بعد جب عورت کو ہوش ہوا تو وہ اٹھ کر بھاگی، اور منفر قلس اپنے ساتھیون کو لے کر چلا گیا،

مسعودی لکھتا ہے کہ اس ملک مین ہاتھیون سے لڑائی کے سوا دوسرے کام بھی لیتے ہین، مثلاً رتھ کھینچنے، بوجھ اٹھانے اور غلہ نکالنے کے لئے دوماہی[1] کام مین لاتے ہین،

طریقۂ جنگ — اس وقت لڑائی کا طریقہ یہ تھا کہ جنگی ہاتھی جن کی سونڈون پر ایک قسم کی خمدار تلوارین جو اس ملک مین "کرزل" کہلاتی تھین، چڑھی ہوتین، اور تمام جسم پر بھاری زرہیں پڑی رہتین، وہ آگے آگے ہوتے اور ان کے ساتھ ہر ہاتھی کے گرد پانچسو پیادے ہوتے جو ہاتھی کو دشمنوں سے بچاتے، ہاتھی حملہ کرکے سوار اور پیادہ کی صفون کو منتشر کر دیتا، پھر سوار بھی حملہ مین شریک ہو جاتے

[1] مروج الذہب مسعودی صفحہ ۳۷۷ تا صفحہ ۳۸۰ جلد اول لیڈن،

زبان اور سکہ | اس وقت منصورہ میں دیسی عوام سندھی زبان بولتے تھے، مگر حکمران طبقہ اور خواص عربی اور سندھی دونوں سے واقفیت رکھتے تھے، یہاں کا سکہ گو خود اپنا بھی تھا، مگر تجارتی آسانی کے خیال سے گندھاری (قندھاری) اور طاطری (سماٹرا) کا سکہ بھی خوب رواج تھا، جیسا کہ آج انگریزی پونڈ کا رواج ہر ملک میں ہے، عمر بن عبد اللہ والیٔ منصورہ کے دو لڑکے تھے، ایک کا نام محمد تھا اور دوسرے کا علی،

تجارت | اس عہد میں بھی تجارت کو کافی فروغ تھا، ملک کے اطراف سے تاجر مال لاکر بندرگاہ میں جہازوں پر لادتے، غیر ملکی تاجر یہاں سے لے کر غیر ممالک میں فروخت کرتے، سمندر (بندرگاہ) تک لے جانے کا مختلف طریقہ تھا، مثلاً اونٹ یا بیل پر لاد کرلے جاتے، یا کشتیوں کے ذریعہ بندرگاہ تک پہنچاتے، اس کے علاوہ ایک طریقہ یہ تھا کہ قسط ہندی دکٹ[1] یا دیگر سامان کو دریا میں ڈال دیتے، بس اس کے مد کے وقت شمال جانب اور جزر کے وقت جنوب جانب مال جلد از جلد پہنچ جاتا، چنانچہ تیسری صدی کا ایک شخص اپنا عینی مشاہدہ لکھتا ہے کہ "چھوٹے[2] کشمیر والے تاجر قسط ہندی (کٹ) کو ٹاٹ کے بورے میں رکھ دیتے ہیں، اور اس میں سات سو آٹھ سو من کے قریب سماجاتا ہے، پھر اس کو چمڑے کے ڈبہ میں رکھ کر دیا چمڑہ سے اوپر) سی دیتے ہیں، پھر چمڑہ پر روغن قار ملتے ہیں، جس سے پانی اندر نہیں جا سکتا ہے، اس کے بعد ایک دوسرے کو خوب اچھی طرح باندھ دیتے

[1] مخزن الادویہ ص ۲۹۲ لفظ قسط .... [2] بڑے کشمیر سے مراد وہ خطہ ہے جو تبت اور افغانستان کے درمیان ہے، اور اس کی حد جانب شمال کوہ پامیر پر ختم ہوتی ہے، اور چھوٹے کشمیر سے مراد بعض لوگوں نے پنجاب لیا ہے، لیکن میرے نزدیک اس سے مراد مقام کشمور ہے، یہ آجکل ضلع جیکب آباد میں دریائے سندھ کے ساحل پر آباد ہے، لفظی مشابہت کے علاوہ آج یہاں بھی چمڑے اور لکڑی کے صندوق کی صنعت موجود ہے، (جغرافیۂ سندھ)

ہین، پھر اسی پر سوار ہو جاتے ہین، اور یہ دریاے سندھ مین تیرتا ہوا منصورہ جا لگتا ہے جو کشمیر سے ستر دن کا راستہ خشکی سے ہے، مگر یہ چالیس ہی دن مین پہنچ جاتا ہے[1]،

کنوج | اسی زمانہ مین ملتان کی سرحد سے متصل قنوج (کنوج) کی سلطنت تھی، وہان کے راجہ کا خطاب "بُؤدرہ" تھا[2]، اور اسی کے نام سے ایک شہر بھی سرحد پر آباد کیا گیا تھا، اسی کے ساتھ پانچ دریاؤن مین سے ایک دریا جاری ہے، جو آگے چل کر سندھ مین مل گیا ہے (غالباً یہ ستلج ہوگا) اس ریاست کا رقبہ ۱۲۰ سندھی فرسخ ہے، اور سندھی فرسخ آٹھ میل کا ہوتا ہے، اس حساب سے اس کا کل رقبہ ۹۶۰ مربع میل ہوا[3]، یہ سلطنت محمد بن قاسم کے وقت بھی موجود تھی، مگر وہ اس کو فتح نہ کرنے پایا تھا کہ واپس بلا لیا گیا، غالباً یہ ایک راجپوت ہندوؤن کی سلطنت تھی، جو عرصہ سے قائم تھی، دوسری صدی سے لے کر غزنوی عہد تک یہ سلطنت خودمختار رہی، اس عرصہ مین کبھی مسلمانون کے ماتحت ہوگئی؟ کسی اسلامی تاریخ سے اس کا پتہ نہیں لگتا، البتہ ۳۰۳ھ مین اس ریاست کا سرحدی شہر بھوج راے نامی اسلامی ممالک مین داخل ہو گیا، اور ملتان کی سلطنت کے ساتھ اس کا الحاق تھا، جیسا کہ مسعودی نے اپنی تاریخ مین لکھا ہے،

اس کے بعد مسعودی لکھتا ہے کہ "قنوج کے راجہ کے پاس چار لشکر ہے، ہر لشکر مین سات لاکھ یا نو لاکھ سپاہی ہین، ایک لشکر سے شمال کی طرف ملتان والون سے لڑتا ہے، اور دوسرے سے جنوب طرف وھب راے مانکھیڑ (دکن) کے ساتھ جنگ آزمائی کرتا ہے، اسی طرح اپنے ملک کے چارون طرف ایک ایک لشکر سے کام لیتا رہتا ہے، اس کی مملکت بڑی وسیع ہے، اس کے شہرون اور گانون کی تعداد ۱۸ لاکھ دس ہزار ہے، اس کا ملک بڑا

---

[1] عجائب الہند ص ۱۰۳، لیدن۔ [2] یہ صحیح نہیں جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا۔ [3] مسعودی جلد اول ص ۳۷۲ و ص ۳۷۳،

آباد ہے، البتہ اس کے پاس ہاتھی کم ہیں[1]،

درحقیقت مسعودی کو اس معاملہ میں غلط فہمی ہوگئی ہے، اس نے قنوج اور بھوج راے نامی شہر کو ایک کردیا ہے، اصل یہ ہے کہ ایک شہر قنوج کے ماتحت سرحد سندھ پر تھا، اور دوسرا ہندوستان میں، ہندوستان کا قنوج جو آج بھی گنگا کنارے موجود ہے، وہ اس وقت ہندوستان کا پایہ تخت تھا، اور راجپوت اس پر قابض تھے مسعودی کے آنے سے کچھ پہلے راجہ بھوج تخت نشین تھا، معلوم ہوتا ہے کہ عربوں نے اسی کے نام کو معرب کرکے "بؤرہ" کردیا ہے، جو دراصل "بھوج راے" ہے، یہ بڑا طاقتور اور شان وشوکت کا راجہ گذرا ہے، سیاسی اعتبار سے بھی بڑا ہوشیار تھا، جنوبی ہندوستان کے طاقتور خاندان راشٹ کوٹ سے اکثر ان کی جنگ رہتی، اس سندھ کے متصل بھوج راے نامی شہر کے راجہ کے پاس اگر مسعودی کے بیان کردہ فوج کا ایک حصہ بھی ہوتا تو پھر یہ ریاست ملتان کے مسلمان بادشاہوں کے ماتحت نہیں ہوسکتی تھی،

قندھار اس زمانہ میں ایک اور ریاست قندھار کی تھی، گو اس ملک کا شمار سندھ میں ہوتا تھا، مگر اس کا حاکم ایک غیر مسلم راجہ تھا، اس کے متصل پہاڑ کا نام "حجج" ہے اور اسی ملک سے ہوکر ایک دریا جاری ہے، جو سندھ میں جاکر مل گیا ہے، اور سندھ کے پانچ معاونوں میں سے ایک یہ بھی ہے، جس کا نام "رائد" ہے[2]، (جسے آجکل رود کہا جاتا ہے) اور قندھار کو راجپوتوں کا ملک کہتے ہیں، ایک اور دریا سندھ کے ملک میں ہوکر وہاں کے پہاڑوں سے نکلتا ہے، اس کو "بھاٹل" کہتے ہیں، وہ راجپوتوں کے ملک یعنی قندھار کو سیراب کرتا ہوا سندھ کے دریا میں گرجاتا ہے،

[1] مسعودی کا ئنڈ ۳ ایڈن [2] یہ ڈیرہ اسمٰعیل کے پاس سندھ دریا میں ملتا ہے، اور دوسرا ڈیرہ غازی کے پاس [illegible] جاگرتا ہے

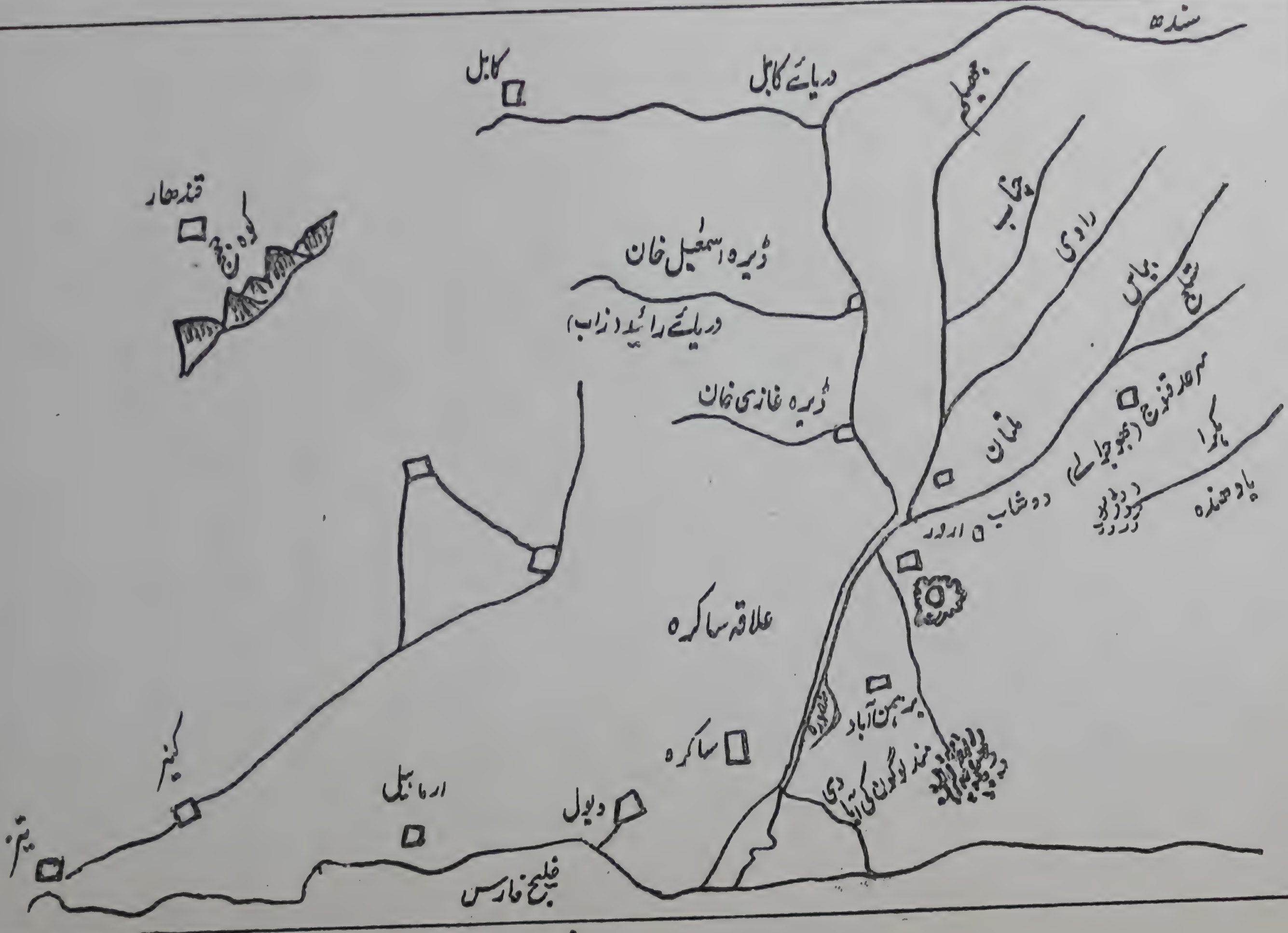
قندھار مسلمان عربوں نے سنہ ۵۹ھ میں فتح کر لیا تھا، اور عرصہ تک ان کے قبضہ میں رہا، معلوم ہوتا ہے کہ مسعودی کے زمانہ میں راجپوتوں نے عربوں سے واپس لے لیا، (بلاذری صفحہ ۴۴۴ لیدن)

ایک چوتھی ندی اور ہے جو کابل کے پہاڑوں سے نکل کر دریاے سندھ میں ملتی ہے، اور پانچویں ندی کشمیر سے نکل کر دریاے سندھ میں گرتی ہے، یہ کشمیر کا ملک سندھ میں داخل ہے،[1]

یہاں بھی مورخ مسعودی کو غلط فہمی ہوئی ہے، اس نے مندرجۂ بالا پانچ دریاؤں کو سندھ کا مشہور معاون سمجھا ہے، حالانکہ اس عہد میں سندھ کے مشہور مشرقی معاون یہ تھے؛ جہلم، ستلج، راوی، چناب، بیاس (دریاے گھگھر یا ہکرہ) ان میں سے آخر الذکر دریا اب خشک ہوگیا، اور مغربی معاون دریاے غازی خاں، ژوب اور دریاے کابل ہیں، کشمیر سے کوئی معاون نہیں بلکہ خود دریاے سندھ نکلتا ہے، جو کشمیر کی حد تک دریاے کشمیر اور سرحدی صوبہ میں دریاے اٹک کے نام سے مشہور ہے، اور آگے چل کر اسی کو دریاے سندھ کہتے ہیں، کشمیر اس وقت سندھ میں داخل تھا، اس کی تائید کسی دوسری تاریخ سے نہیں ہوتی میرا خیال ہے کہ یا تو زیریں کشمیر کا کچھ حصہ ملتان والوں کے قبضہ میں ہوگا، یا مقام کشمر (یا کشمور) جو دریاے سندھ کے کنارے واقع ہے اسی کو مورخ مذکور نے بڑا کشمیر سمجھا ہو جس طرح کہ اس سے قبل مورخ مذکور نے قنوج اور بھوج راے شہر کو ایک سمجھا،

ونسنٹ اے اسمتھ صاحب نے "دی ارلی ہسٹری آف انڈیا" میں لکھا ہے[2] کہ سنہ ۲۵۶ھ میں مسلمانوں نے کابل فتح کر لیا (غالباً یعقوب بن لیث صفاری کے عہد میں) تو وہاں کے راجہ نے قندھار کے ضلع میں آکر مقام وہند کو اپنا پایۂ تخت بنایا، جو آہستہ آہستہ بڑا شہر ہوگیا، چنانچہ بیرونی[3] کے عہد تک یہ قندھار کا پایۂ تخت رہا،

[1] مروج الذہب جلد اول صفحہ ۲۴۳ لیدن، [2] تقویم البلدان جلد اول صفحہ ۴۲۵، [3] تقویم البلدان الثانی صفحہ ۳۵۴ پیرس



نقشہ سندھ موافق سفرنامہ مسعودی ۳۰۳ھ

ملتان معلوم ہوتا ہے کہ ملتان کی حکومت ابتدا ہی سے الگ رہی محمد بن قاسم کے بعد ۱۱۱ھ سے اس کا تعلق زیرین سندھ سے منقطع ہوگیا، اسی سبب سے تاریخ اسلام میں اس کا ذکر بہت کم آتا ہے، غالباً ایک عرصہ سے یہ ایک خود مختار حکومت تھی، ۳۰۳ھ میں جب مسعودی آیا ہے تو بھی یہاں حکومت سامہ بن لوی کے ہی خاندان میں تھی، اس وقت جو شخص حاکم تھا اس کا نام ابو اللباب منبہ بن اسد قریشی سامی تھا، اس کا لشکر بڑا تھا اور مضبوط قلعے اس کے قبضے میں تھے، ملتان کا ملک اسلام کے سرحدی ممالک میں شمار کیا جاتا تھا، کیونکہ اس کے بعد غیر مسلموں کا ملک تھا، یہ بہت سرسبز اور شاداب ملک تھا، ہر جگہ گاؤں اور شہر آباد تھے، جن کی تعداد ایک لاکھ بیس تھی[1]

یہاں ایک مشہور مندر تھا، جس میں ایک مورتی تھی، اس کے جاترا کے لئے دور دور سے لوگ آتے تھے، اور بیش قیمت تحفے اس بت کے نذر کرتے تھے، جس میں جواہرات، عطریات اور عود مخصوص طور پر قابلِ ذکر ہے، اس سے حاکم ملتان کو بڑی آمدنی تھی، اسی کی بدولت اس کے پاس عود ہندی خالص عمدہ کافی مقدار میں موجود رہتی، اس کی قیمت دو سو دینار (سونے کا سکہ) فی من تھی، اور یہ عود خالص اس قدر نرم ہے کہ اگر اس پر مہر سے دبائیں تو نقش ایسے ہی اٹھتا ہے جیسے موم پر نقش ہو جاتا ہے،

ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ جب ملتان پر کوئی غیر مسلم راجہ حملہ آور ہوتا ہے، اور مسلمان اپنی کمزوری سے اس کو شکست نہیں دے سکتے، تو حاکم اس راجہ کو دھمکاتا ہے کہ اگر تم نے آگے قدم بڑھایا تو اس بتخانہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا، اور بت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا، چونکہ ایک ہندو راجہ کو یہ کسی طرح پسند نہیں اس لئے وہ اپنا لشکر لے کر واپس چلا جاتا ہے،[2]

---

[1] مروج الذہب جلد اول صفحہ ۲۰۷ لیڈن، اس گاؤں سے مقصود قریہ یعنی ہر زمیندار کا کنبہ جو اپنی زمین پر آباد تھا وہ گاؤں تھا،

[2] ایضاً،

اور در اصل یہی وجہ ہے کہ باوجودیکہ ابتدا سے یہ ریاست چاروں طرف سے دشمنوں سے گھری تھی پھر بھی عرصۂ دراز تک اپنی ہستی کو قائم رکھ سکی،

ملتان سے منصورہ تک جانے میں تین دن کے راستہ پر مقام "دوشاب" ملے گا، پھر اور، اسی جگہ سے دریائے سندھ کہلاتا ہے، جو دو حصوں میں تقسیم ہو کر شہر شاکرہ سے ہوتے ہوئے جو منصورہ کے پرگنہ میں داخل ہے،... سمندر میں گرتا ہے" اور یہ دیبل سے دو دن کے فاصلہ پر ہے، اور ملتان سے منصورہ ۷۵ سندھی فرسخ ہے، (ہر فرسخ ۸ میل کا) اس حساب سے کل ۶۰۰ میل ہوئے،

مسعودی کے اس بیان سے واضح ہو گیا کہ سندھ اور اس کے اطراف میں دو مسلم اور دو غیر مسلم کی ریاستیں تھیں، مکران سے لے کر اروڑ تک مسلمانوں کے قبضہ میں، اور قندھار یعنی دریائے سندھ کے شمال مغرب کا علاقہ راجپوتوں کے ہاتھ میں تھا، اور قنوج کے علاقہ پر بھی غیر مسلم قبضہ تھا،

مسعودی کے تقریباً تیس برس کے گذرنے پر ۳۳۱ھ کے بعد ابن مہلہل سندھ آیا ہے، ملتان کی نسبت وہ لکھتا ہے کہ "ملتان ایک بڑا شہر ہے جس میں فصیل بھی ہے، وہاں لوگ ہندو اسی طرح حج کرنے جاتے ہیں جیسا کہ ہم مکہ میں، وہاں اسلامی سلطنت ہے اور غیر مسلم ان کے ماتحت ہیں، وہاں ایک بڑا قبہ ہے، اور اسی کے نزدیک مسلمانوں کی جامع مسجد ہے، عام طور پر لوگ شریعت کے تابع ہیں، اور دینی امور پر عمل کرتے ہیں،

وہ قبہ ۳ سو ہاتھ بلند اور بیس ہاتھ لمبا ہے، قبہ کے ارد گرد خدام پجاریوں کے مکان ہیں، شہر ملتان میں غیر مسلم (ہندو) بجز اس قصر کے کسی دوسری جگہ نہیں رہتا، اور وہ انسانی شکل کا کرسی (یعنی بلندی) پر چارزانو بیٹھا ہے، اس کے دونوں ہاتھ زانو پر ہیں، اور سر پر سونے کا

تاج ہے، آنکھوں میں دو لعل ہیں، بعضوں کا خیال ہے کہ وہ لکڑی کا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ کسی اور چیز کا ہے، سوائے دونوں آنکھوں کے باقی تمام بدن کو سرخ چمڑے جیسا لباس پہنا رکھا ہے، اور انگلیاں اس طرح ہیں جیسا حساب کرنے والا ہتھیلی میں جمع کر لیتا ہے،

ملتان کا بادشاہ اس بت کو طمع سے نہیں توڑتا، کیونکہ جو نذرانہ آتا ہے اس میں سے خدام کو صرف تھوڑی رقم دی جاتی ہے، ہندو راجہ جب ملتان کا قصد کرتا ہے تو مسلمان اس بت کو باہر نکال کر توڑنے کا قصد کرتے ہیں، اور جلانے کی دھمکی دیتے ہیں، ہندو راجہ اس سے ڈر کر بغیر تعارض واپس چلا جاتا ہے، (اور پھر بھی کوئی نہیں مانتا تو لڑ کر اس کو شکست دینے کی کوشش کرتے ہیں، چنانچہ ایک دفعہ ایسا ہی ہوا جس کا پتہ ذیل کے پتہ سے ہوتا ہے)،

"اور ملتان ہی کے نام سے منسوب ہے ہارون بن عبداللہ ملتانی بنی ازد کا مولی تھا، جو بڑا بہادر اور شاعر تھا، جب ہندو ملتان کے مسلمانوں سے لڑنے کے لئے آئے تو ان کے ساتھ جنگی ہاتھی بھی تھے، جب لڑائی شروع ہوئی تو کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ ہاتھی کے سامنے جائے، کیونکہ اس کے سونڈ میں تلوار بندھی تھی، اور وہ ہر طرف گھما کر لوگوں پر وار کر رہا تھا، یہ دیکھ کر ہارون نے جلدی سے ایک جست کی اور قبل اس کے کہ اس کی تلوار اس پر پڑے، وہ اس کے سینے سے جا کر چمٹ گیا پھر اپنے دونوں پیر لٹکا دئے فیلبان نے ہاتھی کو اس طرح پھیرا کہ قریب تھا کہ سونڈ سے ہارون کو نقصان پہنچے، لیکن ہارون بڑے مضبوط دل کا آدمی تھا، موقع ملتے ہی اس نے اس کے دانت پکڑ لئے اور زور سے کھینچا تو اکھڑ آیا، دانت تو ہارون کے ہاتھ میں رہ گیا اور ہاتھی بھاگا، اس کے بھاگتے ہی سارا لشکر بھاگ پڑا، اور اس طرح مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی، فخریہ طور پر اس نے چند اشعار بھی کہے ہیں جس کا پہلا شعر یہ ہے:-

مشیت الیہ دادعاً متہماً و قد دصلوا خرطوم بحسابہ[1]

منصورہ کے متعلق لکھتا ہے کہ زیرین سندھ کا مشہور شہر بہت ہی خیر و برکت والا ہے، اس کو منصور ثانی (خلفاے عباسی) نے آباد کیا، (یہ کسی طرح صحیح نہیں، اس کی بنیاد محمد ابن قاسم فاتح سندھ کے لڑکے عمر بن محمد بن قاسم نے بنو امیہ کے زمانہ میں رکھی) یہ ملک کا پایہ تخت ہے، حاکم اسی جگہ قیام کرتے ہیں، وہاں ایک ندی ہے، جو دریاے سندھ سے الگ ہو کر شہر کے چاروں طرف گھومتی ہے، جس سے اس کی شکل جزیرہ کی ہو گئی ہے لیکن یہاں بڑی گرمی پڑتی ہے، مچھر بھی بکثرت ہیں،

یہاں دو پھل ہوتے ہیں، ایک کا نام لیمون ہے، جو سیب کے برابر ہوتا ہے، دوسرا آم شفتالو کے مثل ہے، یہاں کا دریاے سندھ دجلہ بلکہ اس سے زیادہ پاٹ رکھتا ہے، مشرق سے جنوب کی طرف جا کر مغرب کو گھوم کر بحر عرب سے جا ملتا ہے[2]،

۳۴۰ھ میں سندھ کے حالات ذرا زیادہ وضاحت سے معلوم ہوتے ہیں، اس وقت سندھ کے حدود یہ تھے۔ جنوب مغرب میں بحر فارس کا شہر "کلہہ" مغرب میں کرمان، اور صوبہ سجستان، شمال میں ہندوستان کا علاقہ، جنوب میں مکران کا ریگستان اور بلوچستان، اور اس کے پیچھے بحرِ فارس، مشرق میں راجپوتانہ جس کو اس عہد میں "ہند" کہتے تھے،

چونکہ مکران کا علاقہ اکثر سندھ کے والیوں (حاکموں) کے ماتحت رہا ہے، اس لیے اکثر مورخین اور سیاح سندھ کے ساتھ اس کا تذکرہ کر دیتے ہیں، چنانچہ اس عہد کے سیاح ابو اسحاق اصطخری نے اس طرح ذکر کیا ہے، کہ صوبہ مکران کے مشہور شہر تیز، کیز، پنجبور، دوک اور راسک ہیں، اور اس کے علاوہ اور دوسرے شہر بھی ہیں، مثلاً بہ، بند، قصر قند، صفقہ،

---

[1] سفرنامہ ابودلف مشعر بن مہلہل بحوالہ سیر البلاد (اقلیم دوم) قلمی کتبخانہ راجہ سلیم پور (لکھنؤ) [2] ایضاً

جھل پورہ، اشکی، قنبلی، ارمائیل، اس صوبہ کا پایہ تخت پنجگور تھا، جہاں حاکم رہتا، مگر آجکل کیز (کیچ) میں رہتا ہے، اور اس کی مشہور بندرگاہ شہر تیز ہے،

طوران — اس کے بعد سندھ سے متصل ایک اور صوبہ تھا، جس کو اس زمانہ میں طوران کہتے تھے، اس کے متعلق مشہور شہر محالی، کیز کانان (قیقان)[1] سورہ اور قصدار ہے، یہی قصدار یا (قزدار) اس کا پایہ تخت تھا، اسی کے ساتھ وہ علاقہ تھا، جس کو "بدھ" کہتے تھے، پایہ تخت قصدار کے آس پاس گاؤں اور شہر ہیں، اور آج کل یہاں کا حاکم مغیر بن احمد ہے جو کیز کانان میں رہتا ہے، یہ ایک شاداب اور وسیع قطعہ ہے، جہاں ارزانی خوب ہے، انگور، انار اور دوسرے میوے ہوتے ہیں، لیکن کھجور نہیں ہوتا۔

اس کے بعد سندھ کا صوبہ تھا، جس کا پایہ تخت منصورہ تھا، اور اس کے مشہور شہر دیبل، بیرون، قالری، انری، بلری، مسواہی، بہرج، بانیہ، منجابری (منہاپوری) سدوستان اور رہیں، اسی سے متصل ملتان اپنے صوبہ کا پایہ تخت ہے، جندراور بسمد اس کے شہر ہیں،

شہر منصورہ طول وعرض میں میل در میل ہے، اس کو دریائے سندھ کی ایک شاخ گھیرے ہوئے ہے، جس سے ایک جزیرہ نما کی شکل میں تبدیل ہو گیا ہے، یہاں آبادی مسلمانوں کی ہے اور یہاں کا حاکم ایک قریشی ہے، جو ہبار بن اسود کے خاندان سے ہے، جس کے بزرگوں نے سندھ پر قبضہ کر لیا ہے، لیکن خطبہ ابھی تک خلیفۂ بغداد ہی کے نام کا پڑھتا ہے

منصورۂ سندھ — منصورہ ایک گرم شہر ہے، جہاں کھجور کے درخت ہیں، لیکن انگور، سیب، امرود

---

[1] کیز کانان کو کیکانان بھی کہتے تھے، عربوں نے اس کو قیقان بنا دیا، آج کل اس کو قلات کہتے ہیں جو بلوچستان میں خان قلات کا پایہ تخت ہے، اسی طرح قزدار (قصدار یا قصدار) بلوچستان میں واقع ہے، آج کل ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ (خلافت مشرقی صفحہ ۵ حیدرآباد (مجلہ علمیہ کابل)

شفتالو نہیں ہوتے، البتہ نیشکر دگنا ہوتا ہے، یہاں سیب کے برابر ایک پھل ہوتا ہے جس کو لیموں کہتے ہیں، بڑا ترش ہوتا ہے، شفتالو کے برابر ایک اور پھل ہوتا ہے جس کو آم کہتے ہیں، جو قریب قریب اسی کے مزہ میں ہوتا ہے، یہ پھل بڑے ارزاں ہوتے ہیں، یہ شہر بڑا شاداب ہے،

سکہ و لباس ۔۔۔۔۔۔ سکوں میں "قاہریات" کا رواج زیادہ ہے، جو پانچ درہم کے برابر ہوتا ہے، خود ان کا اپنا سکہ بھی ہے جس کو "طاطری" کہتے ہیں، ایک طاطری کا وزن ۱⅔ درہم ہے، لین دین دینار (سونے کا سکہ) سے بھی کرتے ہیں، ان کا لباس عراقیوں کے مثل ہے لیکن بادشاہوں کا لباس ہندوستانی راجوں کی طرح کرتہ اور ازار ہوتا ہے،

ملتان ۔ ملتان کا شہر منصورہ سے چھوٹا نصف میل کا ہے، یہاں ایک مورتی ہے، جس کی ہندو بہت عزت کرتے ہیں، اور دور دور کے شہروں سے لوگ یہاں جاترا کی نیت سے آتے ہیں، اور ہر سال اس پر ثواب کے خیال سے چڑھاوا نذرانہ چڑھاتے ہیں، جس سے مندر اور پجاریوں کا خرچ چلتا ہے، اور اس شہر کا نام ملتان اسی بت کے سبب سے رکھا گیا ہے،

یہ مندر ملتان کے پر رونق بازار میں ہے جو ٹھٹھیروں اور ہاتھی دانت والے بازار کے درمیان واقع ہے، یہ مندر بڑے محل کے وسط میں ہے، اس پر ایک قبہ ہے، اور اسی قبہ میں بت (مورتی) ہے، اور اس کے اردگرد پجاریوں کے مکانات ہیں، اس مورتی کی صورت انسانی شکل کی ہے، جو پالتی مارے کرسی پر بیٹھی ہے، یہ کرسی اینٹ اور گچ کی ہے، اس کا لباس سرخ چمڑے کا ہے، جس سے اس کا تمام بدن بجز آنکھوں کے ڈھکا ہوا ہے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ مورتی لکڑی کی ہے، اور بعض لوگ کچھ اور کہتے ہیں، کیونکہ کبھی اس کا بدن ننگا نہیں کیا جاتا، اس کی آنکھوں میں دو ہیرے (یا قوت) ہیں، اور اس کے سر پر سونے کا تاج ہے، مجسمہ پالتی مارے کرسی پر بیٹھا ہوا ہے، اور اپنے دونوں ہاتھ گھٹنے کی طرف لمبا کئے ہوئے ہے،

اور انگلیاں اس طرح سے ہیں کہ گویا وہ حساب کر رہا ہے، لوگ جو کچھ نذر کے طور پر اس مورتی کے لئے بھیجتے ہیں اس کو ملتان کا حاکم لے لیتا ہے، اور ان کے پجاریوں پر اپنے زیر اہتمام خرچ کرتا ہے، ہندو راجوں میں سے جب کوئی ملتان پر چڑھائی کرتا ہے تو حاکم ملتان اس بت کو باہر نکالتا ہے، اور اس کو توڑ کر جلا ڈالنے کی دھمکی دیتا ہے، وہ اس ڈر سے واپس چلا جاتا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو کب کا ملتان مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا ہوتا،

ملتان کے گرد بلند فصیلیں ہیں یہ بڑا زرخیز ملک ہے، لیکن منصورہ اس سے زیادہ شاداب اور آباد شہر ہے، ملتان کا نام "فرج بیت الذہب" بھی ہے، کیونکہ ابتدا میں جب مسلمانوں نے اس کو فتح کیا تو اس وقت ان کی مالی حالت بہت خراب تھی، فتح کے بعد ان کو کافی مقدار میں سونا دستیاب ہوگیا جس سے ان کی حالت درست ہوگئی،

ملتان سے ½ میل پر ایک اور شہر آباد ہے، جس کو جندر کہتے ہیں، یہ درحقیقت امیر ملتان کی چھاؤنی ہے، وہ اسی جگہ رہتا ہے صرف جمعہ کی نماز پڑھنے ہاتھی پر سوار ہو کر ملتان جاتا ہے یہ امیر قریشی ہے، جو سامہ بن لوی کے خاندان سے ہے، اس نے ملتان پر قبضہ کرلیا ہے، امیر منصورہ کا مطیع نہیں ہے، بلکہ خود مختار ہے، البتہ خلیفۂ بغداد کے نام کا خطبہ پڑھتا ہے لوگ کنوئیں سے پانی پیتے ہیں،

بسمد ایک چھوٹا سا شاداب شہر ہے، اور یہ سب سندھ دریا کے مشرقی جانب تقریباً تین میل دور واقع ہیں، پانی کنوئیں کا پیتے ہیں،

الور (ارور) کا شہر حدود منصورہ میں دریائے سندھ کے کنارے واقع ہے، یہ ملتان کے برابر ہے، اور اس کے گرد دو فصیلین ہیں۔

دیبل (دیبول) سندھ کا بڑا بندر اور تجارتی مرکز ہے، سمندر کے پاس دریائے سندھ کے

مغربی جانب یہ شہر آباد ہے، آس پاس نہ کوئی زراعت ہے اور نہ کوئی درخت ہے، یہ ایک بنجر زمین ہے، جو صرف تجارتی تعلقات سے آباد ہے،

بیرون کا شہر دیبل اور منصورہ کے درمیان مگر منصورہ سے نزدیک واقع ہے، اور منجابوری ایک ایسا شہر ہے، جو منصورہ کے بالمقابل دریاے سندھ کے مغربی جانب ہے جو شخص دیبل سے منصورہ جائے تو اس کو دریا عبور کرنا ضروری ہے، مسواہی، بھرج اور سدوسان یہ سب دریاے سندھ کے مغربی رخ پر واقع ہین۔

انری اور قالری یہ دونوں شہر منصورہ سے ملتان کے راستہ پر سندھ دریا کے مشرقی طرف واقع ہین، اور یہ دونوں ساحل دریا سے دور پر واقع ہیں، لیکن بلری دریا کے مشرقی جانب کنارے پر اُس خلیج سے قریب ہے، جہاں سے ایک شاخ نکل کر منصورہ کی پشت پر سے گئی ہے، اور بانیہ ایک چھوٹا سا شہر ہے، اسی جگہ عمر بن عبد العزیز ہباری قریشی کا وطن تھا، جو ان حاکمون کا جد اعلیٰ ہے جو منصورہ پر اس وقت قابض ہین،

قامہل سندھ کا آخری اور ہندوستان کا پہلا شہر ہے جہان سے لوگ جیمور جاتے ہیں پس قامہل سے جیمور تک ہند کے شہر ہیں، (جنوب جانب) اور شمال جانب قامہل سے مکران تک عرض میں اور یہاں سے بدھ بلکہ ملتان تک طول میں کل سندھ کے شہر ہیں، اور سندھ کے شہروں میں غیر مسلم زیادہ تر بودھ ہین، اور ایک قوم جس کو تمیذ کہتے ہیں یہاں زیادہ مشہور ہے

بدھ

بدھ کا ملک (ضلع) ذرا ازیادہ وسیع ہے، وہ طوران، مکران، ملتان اور منصورہ کے شہروں کے درمیان دریاے سندھ کے مغربی جانب پھیلا ہوا ہے، اور یہ لوگ اونٹ والے ہیں، دوکوہان کے اونٹ جن میں بختی ہوتے ہین، وہ ساری دنیا مین جو خراسان، فارس وغیرہ جاتے ہیں، وہ اسی جگہ کے ہوتے ہیں،

اس ملک کا پایہ تخت جو تجارت کا مرکز ہے وہ قندابیل ہے، یہاں کے لوگ ہاتھیوں کی طرح ہیں، ان کے پاس جنگل اور جھاڑیاں ہیں۔

بیان متفرق

میدکی قوم سمندر سے لے کر ملتان تک دریاے سندھ کے کنارے کنارے آباد ہے، دریاے سندھ اور قاہل کے درمیان جو میدان ہے، اس میں ان کی چراگاہیں اور آبادیاں ہیں۔

قاہل، سندان، جیمور، کنبھائت (ہندوستان کے علاقہ) میں جامع مسجدیں مسلمانوں کی ہیں، اور ظاہر طور پر مسلمانوں کے لئے ان کے قاضی احکامات جاری کرتے ہیں، یہ بڑے شاداب شہر ہیں، ناریل، کیلا، آم بہت ہیں، زراعت زیادہ تر چاولوں کی ہوتی ہے، کھجور کے درخت یہاں نہیں ہیں، مگر شہد خوب ملتا ہے،

راہوق اور کاوان دو گاؤں ہیں، ارمابیل اور کیز کے درمیان جس میں سے کلوان مکران کے حد میں واقع ہے، مگر راہوق منصورہ میں شامل ہے، یہ بنجر شہر ہیں، پھل دار درخت بہت کم ہیں، البتہ مویشی بڑی تعداد میں ہیں،

شہر بانیہ اور کامہل کے درمیان میدان ہے، اور کاہل سے کنبھائت تک بھی میدان ہی میدان ہے، (یہ ریگستان کچھ کا ایک حصہ ہے) پھر یہاں سے جیمور تک پے در پے اور متصل گاؤں اور ہندوستان کی آبادیاں ہیں، یہاں کپڑے استعمال کرنے اور زلف رکھنے میں ہندو اور مسلمان ایک ہی طرح ہیں، ان کا لباس ازار اور کرتہ ہے، کیوں کہ ان کا ملک بہت گرم ہے، اسی طرح ملتان والوں کا بھی لباس یہی ہے، سندھیوں کی زبان عربی اور سندھی ہے، اور مکران والوں کی زبان فارسی اور مکرانی ہے، درقطقیوں (کرتہ پہننے والوں) کا لباس ظاہر ہے، لیکن تاجر قمیص اور چادر (لنگی) پہنتے ہیں جیسا کہ

تمام فارس اور عراق والوں کا ہے،

مکران | مکران ایک وسیع ملک ہے جس میں بڑا حصہ دشت وبیابان ہے جس کے باعث اکثر قحط اور تنگدستی سے یہاں کے لوگوں کو سابقہ پڑتا ہے، آجکل یہاں کا حاکم علیسی ابن معدان ہے، جس کو لوگ اپنی دیسی زبان میں "مہراج" کہتے ہیں، اس کا پایہ تخت شہر کیز ہے، جو ملتان کا نصف ہے، یہاں کھجور بکثرت ہے، مکران اور اس کے اطراف کا بندر شہر تیز ہے، جس کو لوگ "تیز مکران" کہتے ہیں، اس ملک کا سب سے بڑا شہر بنجپور ہے، باقی بہ بند، کسر کند، درک، بہل پورہ وغیرہ سب چھوٹے چھوٹے اور گرم شہر ہیں، اس کے ساتھ گاؤں بھی ہیں، اور اس کا بڑا شہر "راسک" ہے، ایک اور گاؤں ہے جس کو جدران کہتے ہیں، یہاں کی مشہور مٹھائی پانیذ ہے، اسی جگہ سے دوسرے تمام مقامات میں بھیجی جاتی ہے، لیکن کچھ ماسکان اور قصدار سے بھی جاتی ہے، یہاں نیشکر اور کھجور بھی ہوتی ہے، اور ماسکان وہی جگہ ہے جہاں بدمعاش زیادہ رہتے ہیں،

مشکی | کرمان سے متصل ایک وسیع خطہ ہے جس کو مشکی کہتے ہیں، یہ ایک شہر ہے جس پر مظہر بن رجا نے قبضہ کرلیا ہے، وہ خود مختار ہے، لیکن خلیفۂ بغداد کا خطبہ پڑھتا ہے، اس کی سلطنت کا رقبہ ۳ مرحلہ (۵۴ میل) ہے، یہاں کھجور کم ہوتی ہے، اور باوجود گرم ہونے کے بعض سرد میوے بھی ہوتے ہیں۔

ارمائیل اور قنبلی دو بڑے شہر ہیں، اور ان دونوں کے درمیان دو منزل (۴۸ یا ۳۶ میل) کا فاصلہ ہے، ارمائیل اور سمندر کے درمیان ۱½ میل دوری ہے، اور یہ دونوں شہر دیبل اور مکران کے بیچ میں ہیں

قندابیل (گنداوہ) ایک بڑا شہر ہے[1]، لیکن یہاں کھجوریں نہیں ہوتیں، وہ ایک میدان

---

[1] میرا خیال ہے کہ اس شہر کا اصلی نام "گندا بھیل" تھا، کسی زمانہ میں یہاں بھیلوں کی حکومت تھی (بقیہ صفحہ ۲۲۱ پر)

ہیں بودھوں کی بڑی جگہ ہے، کیز کانان اور قندابیل کے درمیان بہت سے گاؤں ہیں جن کو "ایل" کہتے ہیں، یہاں مسلمان اور بدھ دونوں آباد ہیں، ان کی اکثر زمینیں بنجر ہیں، لیکن انگور اور مویشی ہوتے ہیں، خاص قندابیل شاداب جگہ ہے، اور لفظ ایل ایسا ہے کہ جو شخص کسی جگہ قبضہ کرلے تو اسی کے نام سے اس کو منسوب کردیا جاتا ہے، (جیسے لفظ آباد کا، مثلاً حیدر آباد سکندر آباد)

تجارتی راستہ مع مسافت

تیز سے کیز (کیچ) تک ۵ مرحلے ہیں (۶۰ میل)، اور کیز سے بنجپور دو مرحلہ (۲۴ میل)، اور یہاں سے درک ۳ مرحلہ (۳۶ میل)، اور راسک ۳ (۳۶ میل)، اور وہاں سے پھل پورہ ۳ (۳۶ میل)، اور اصفقہ ۲ (۲۴ میل)، یہاں سے بند تک (۱۲ میل)، اور بند سے بہ ایک (۱۲ میل)، قصر کند ایک (۱۲ میل)، قصر قند سے لوگ یا تو کیز واپس جاتے جو وہاں کا پایہ تخت تھا، یا بندرگاہ تیز جاکر جہاز پر سوار ہوجاتے،

سمت کے لحاظ سے یوں ہوا کہ مغرب سے مشرق (کیز تک) کی طرف گئے، پھر یہاں سے شمال کی جانب (اصفقہ تک) اور وہاں سے جنوب کی طرف (قصر کند یا کیز تک) جائیں گے.

یہ مسافت مکران کے صوبہ کی ہوئی، اب جو شخص سندھ جانا چاہے تو وہ کیز سے ارمائیل جائے گا، جو ۶ مرحلہ (۷۲ میل) پر ہے، اور یہاں سے قنبلی ۲ (۲۰ میل)، اور دیبل ۴ (۴۸ میل) اور منصورہ ۶ مرحلہ (۷۲ میل) ہے، اور منصورہ سے ملتان ۱۲ مرحلہ (۱۴۴ میل)، یہ سندھ کی مسافت ہوئی،

منصورہ سے طوران ۱۵ مرحلہ (۱۸۰ میل) قزدار (پایہ تخت طوران) سے ملتان ۲۰ مرحلہ (۲۴۰ میل) اور پھر منصورہ سے بدھ کی سرحد تک ۵ (۶۰ میل) اور کیز (پایہ تخت مکران) سے بدھ تک ۱۰ (۱۲۰ میل) اور بدھ سے تیز (بندر مکران) تک ۱۵ (۱۸۰ میل) اور کل مسافت مکران کی سرحد تک ۱۲ مرحلہ (۱۴۴ میل ہے) اور ملتان سے بلوچستان

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۰) بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس صوبہ کا بھی پایہ تخت ہو اس کی مثال گجرات میں موجود ہے کہ اسابھیل کے نام سے احمد آباد کے پاس ایک شہر آباد تھا جس کو لوگ اب اساول کہتے تھے، جب احمد آباد بسایا گیا تو اسی میں وہ شامل ہوگیا، دوسرا شہر بھیلمان کاٹھیاواڑ اور سندھ کی سرحد پر واقع تھا، کسی زمانہ میں بھیلوں کا پایہ تخت تھا،

(بالس) کی سرحد تک دس (۱۲۰ میل) اور منصورہ سے جب بدھ کی سرحد میں جانا چاہو تو دریائے سندھ کو سدوسان کے مقام پر عبور کرنا ہوگا، اور قندابیل (پایہ تخت بدھ) سے مستنج (مستنگ پایہ تخت بالس) ۴ مرحلہ (۴۸ میل) قصدار (یا قزدار) سے قندابیل ۵ فرسخ یعنی ۱۵ میل، قندابیل سے منصورہ ۸ مرحلہ (۹۶ میل) اور قندابیل سے ملتان دس (۱۲۰ میل)، اور جنوب جانب منصورہ سے قامہل (سندھ کی آخری حد) آٹھ (۹۶ میل) اور قامہل سے کھنبائت ۴ (۴۸ میل)، اور کھنبائت سمندر سے ۳ میل پر ہے، اور کھنبائت سے سوبارہ ۴ (۴۸ میل) اور سوبارہ سمندر سے ۱½ میل پر ہے، اور سندان ۵ (۶۰ میل)، یہ بھی ۱½ میل سمندر سے دور ہے، اور یہاں سے چیمور ۵ (۶۰ میل) اور یہاں سے لنکا ۱۵ (۱۸۰ میل)

اب مغرب سے جنوب دریا کے مشرقی جانب ملتان سے لبسمد دو مرحلہ (۲۴ میل) لبسمد سے اروڑ ۳ مرحلہ (۳۶ میل)، اور یہاں سے اتری ۴ (۴۸ میل)، کالری ۲ (۲۴ میل) اور منصورہ ایک (۱۲ میل) دیبل سے بیرون ۴ (۴۸ میل) منجابوری ۲ (۲۴ میل) اور کالری سے بلری ۴ (۴۸ میل) اور بانیہ جو منصورہ اور کامہل کے درمیان ہے وہ منصورہ سے ایک مرحلہ (۱۲ میل) پر ہے،

دریا

یہاں ایک دریا (سندھ) ہے جس کو لوگ مہران کہتے ہیں، اور مجھے خبر ملی ہے کہ اس کا منبع اس پہاڑ کے پیچھے ہے جس سے جیحون کے بعض دریا نکلے ہیں، دریائے سندھ ایک بڑا دریا ہے، یہ ملتان سے ہو کر لبسمد اور روڑ ہوتے ہوئے منصورہ پہنچ کر دیبل کے مشرقی جانب سمندر سے مل جاتا ہے، اس کا پانی میٹھا ہوتا ہے، نیل کی طرح مہران میں بھی مگرمچھ بہت ہیں اور نیل ہی کی طرح بڑا، اور مد و جزر میں ہے، جب اس کا چڑھاؤ ہوتا ہے، تو سب جگہ پانی پہنچتا ہے، پھر اتار پر زراعت ہوتی ہے، جیسا کہ مصر میں ہوتا ہے، اور سندرود (اٹک[1]) ملتان سے

---

[1] غالباً اس سے مراد اٹک ہی ہے،


شمال
نقشۂ سندھ و مکران مطابق سفرنامہ ابو اسحاق اصطخری سنہ ۳۴۰ھ
قندھار
کیزکان یا کیکان
(قلات)
طوران
پایہ تخت طوران
قزدار
قنزپور یا دریک
مشکی
راسک
قمر قند
کیز (پایہ تخت)
تیز (بندرگاہ)
کلوان
راہوق
ارمائیل
قنبلی
دیبل (بندرگاہ)
نیرون
دہانہ سندھ ندی
بندوستان
سیوستان (سیوان)
ملتان
اروڑ
بیاس
راوی
دریائے ہکرا
بحر عرب یا خلیج فارس
جنوب
مشرق
مغرب
متعلق صفحہ ۲۳۲

۹ میل پر ہے یہ ایک بڑا اور میٹھا دریا ہے جو سندھ میں مل جاتا ہے، مکران عموماً بنجر ملک ہے، ریگستانی میدان زیادہ ہے، البتہ منصورہ اور مکران کے درمیان دریائے سندھ کی شاخیں یا تالاب ہیں، جہاں جاٹ لوگوں کا قبضہ ہے، اور جو جس پانی پر قابض ہو جاتا ہے وہ اس کا مخصوص ہو جاتا ہے، یہ لوگ زیادہ تر مچھلی اور آبی پرندوں پر گذارہ کرتے ہیں، اور دور میدانوں میں رہتے ہیں، ان کا حال کردوں جیسا ہے[۱]۔"

اس بیان سے معلوم ہوا کہ اس وقت سندھ اور اس کے اطراف میں کل ملا کر ۶ ریاستیں تھیں،

شمار	ریاست	پایہ تخت	حاکم
۱	ملتان	جندرور	خاندان سامہ بن لوی قریشی
۲	سندھ	منصورہ	ہبار بن اسود قریشی کا خاندان
۳	مکران	کیز (کیچ)	علیسیٰ بن معدان
۴	مشکی	مشکہ	مطہر بن رجا
۵	بدھ	قندابیل	(راجہ)
۶	طوران	کیزکانان	مغیر بن احمد

۳۶۷ھ کے قریب ابن حوقل بغدادی نے اپنا سفرنامہ تیار کیا، سندھ اور اس سے متصل علاقوں کی نسبت اس سفرنامہ میں اس نے خاص طور سے ایک باب کا اضافہ کیا ہے[۲] اس کا بیان ہے کہ جہاں تک مجھ سے ہو سکا، تحقیقات کرکے صحت کے ساتھ ان صوبوں کا حال لکھا ہے، گو اس کا بیان متفرق ہے، مگر راقم الحروف ان سب کو مجتمع کرکے الگ الگ تحریر کرتا ہے۔

---

[۱] سفرنامہ اصطخری حالات سندھ ص۱۸۰ لیڈن،

حدودِ اربعہ | ان ممالک (سندھ، مکران، طوران، بدھ وغیرہ) کے مشرقی جانب ہر طرف ہندستان بحرِ فارس (عرب) ہے، مغربی طرف کرمان اور سجستان کے میدان ہیں، شمال کی طرف اور جنوب کی جانب کرمان اور قفص (پٹھان) کے میدان ہیں جس کے پیچھے سمندر ہے، پس بحرِ فارس ان ممالک کے مشرقی اور جنوبی حد کو گھیرے ہوئے ہے، کیونکہ سمندر جمہور سے تیز مکران کے مشرقی جانب تک محیط ہے، پھر بطور کمان کے کرمان ہوتے ہوئے فارس تک چلا گیا ہے،

مکران | یہ صوبہ بڑا ہے، اس کے مشہور شہر مندرجہ ذیل ہیں،

تیز، بھنجبور جس کو آجکل پنج گور اس لئے کہتے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں پانچ شہیدوں کی قبر وہاں تھی،[1] درک، راسک، (مدینۃ الخزج) بہ، بند، قصر قند (کسر کند) اصفقہ بھلپورہ مشکی، قنبلی، ارمائیل،

مکران ایک وسیع اور عریض خطہ ہے لیکن اس کا بڑا حصہ جنگل اور میدان ہے، اسی لئے یہاں کے باشندے تنگی اور قحط میں مبتلا رہتے ہیں، یہاں کا امیر عیسیٰ بن معدان نامی ہے، جو آجکل اس خطہ پر قابض ہو گیا ہے۔ اس کا پایہ تخت کیز ہے جو ملتان کا نصف ہے یہاں کھجوریں بکثرت ہوتی ہیں، انہی اطراف میں ایک دوسرا شہر تیز نامی ہے، جس کو لوگ تیز مکران کہتے ہیں، یہ شہر مکران کا بندرگاہ ہے،

مکران کے بڑے شہروں میں بھنجپور بہ، بند، کسر کند، درک، بھلپورہ ایسے شہر ہیں جو اقتصادی حالت میں ایک دوسرے سے مشابہ ہیں، مکران کے شہر عموماً گرم ملک میں شامل ہیں، ان شہروں کے ساتھ گاؤں بھی ہیں، راسک کے شہر اور گاؤں کو جبروان کہتے ہیں۔ یہاں فانیذ (شکر)[2] گنا اور کھجور بکثرت پائے جاتے ہیں، عام طور پر حلوا (یا شکر) جو

[1] سائکس کی کتاب پرشیا ص۲۳۳ [2] جغرافیہ خلافت مشرقی حیدرآباد ص۴۹۶،

تمام دنیا میں جاتا ہے، وہ اسی جگہ کا ہوتا ہے لیکن تھوڑا سا ماسکان کے علاقہ سے بھی باہر جاتا ہے، اسی طرح قزدار میں بھی یہ شکر بہت ہوتی ہے، مکران کے گاؤں میں زیادہ تر شاطر لوگ (یا جنگلی) رہتے ہیں،

مکران کی زمین زیادہ ریگستان ہے، زراعت کم ہوتی ہے، کیونکہ اس زمین پر بہت کم نہریں جاری ہیں،

منصورہ اور مکران کے درمیان دریائے سندھ کا پانی بطور تالابوں (یا پہاڑی نالوں) کے ہے جس پر سندھ کے جاٹ قابض ہیں، ان میں سے جو قبیلہ بھی اس پر پہلے قابض ہو جائے تو وہ تالاب یا نالہ اس کا مخصوص ہو جاتا ہے، جیسے کہ بربر (افریقہ) کے لوگوں کا حال ہے،

ان کی غذا مچھلی اور آبی جانور ہیں، اور بڑی بڑی مچھلیاں بھی استعمال کرتے ہیں، شہر والوں کی طرح چھوٹی چھوٹی مچھلیوں پر گذارہ نہیں، جو انگلیوں کے برابر یا اس سے چھوٹی ہوتی ہیں، اور وہ جاٹ جو بیابانوں میں دریا سے دور رہتے ہیں وہ مثل کردوں کے ہیں جو دودھ، دہی اور جوار کی روٹیوں پر گذارہ کرتے ہیں۔

طوران یہ ریاست ایک وادی میں ہے جس کا پایہ تخت طوران نامی شہر ہے، ان کے وسط میں ایک قلعہ ہے، یہاں کا حاکم ابو القاسم بصری ہے، وہ اپنے وقت کا امین بھی ہے، اور وکیل بھی، قاضی بھی ہے اور امیر بھی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کو چار اور پانچ کی بھی تمیز نہیں،

طوران کے شہروں میں سے محالی، کیز کانان، شورہ، قزدار زیادہ شہرت رکھتے ہیں،

قزدار یہ شہر درحقیقت طوران میں داخل ہے، لیکن ابن حوقل کے عہد میں چھوٹی سی ایک ریاست ہو گئی تھی، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ

یہ ایک ایسا خطہ ہے جس کے متعلق گاؤں اور شہر ہیں، اس پر آج کل معین بن احمد

نامی ایک شخص کا قبضہ ہے، خطبہ میں نام بنی عباس کا لیا جاتا ہے، اس کا پایہ تخت کیز کانام ہے، اس خطہ میں بڑی ارزانی اور شادابی ہے، انگور، انار اور دوسرے سرد میوے بکثرت ملتے ہیں، لیکن کھجوریں نہیں ملتیں،

مشکی | کرمان کے ملک سے متصل ایک اور خطہ ہے جس کو مشکی کہتے ہیں، اس پر ایک آدمی جس کا نام مطہر بن رجا ہے آج کل قابض ہے، وہ خلیفہ کے نام کا خطبہ بھی پڑھتا ہے، اور آس پاس کے بادشاہوں میں سے کسی کا فرماں بردار نہیں ہے، اس ریاست کا رقبہ تقریباً تین پڑاؤ ہے، یہاں کھجوریں بہت کم ہیں، اور باوجود اس کے کہ یہ ملک گرم ممالک میں سے ہے، مگر بعض سرد ملکوں کے پھل پائے جاتے ہیں،

سندھ | سندھ کا پایہ تخت منصورہ ہے، اس کو سندھی زبان میں برہمن آباد[۱] بھی کہتے ہیں، اس کے متعلق مشہور شہر یہ ہیں۔

دیبل دیول[۲]، بیرون، کالری، انری، بلری، مسوہی، بھرج، بانیہ، منخاتری، سدوسان (سیوستان) ارور، چندرور۔

منصورہ طول وعرض میں ایک مربع میل ہے جس کو دریائے سندھ کی شاخ گھیرے ہوئے ہے، اس کی شکل جزیرہ نما ہے، باشندے مسلمان ہیں، اور بادشاہ قریشی ہبار بن الاسود کے خاندان کا ہے جس کے بزرگوں نے اس ملک پر قبضہ کرکے ایسی حکومت کی کہ مسلمانوں میں محبوب بنے، اور غیر مسلموں کے ساتھ بھی بہتر سلوک سے پیش آئے، وہ

---

[۱] یہ اسی طرح ہے جیسے دولت آباد، اورنگ آباد یا حیدرآباد اور سکندر آباد [۲] ساحل سے دور ملک کے اندر ٹھٹھ سے بیس میل جنوب مغرب اور کراچی سے ۴۵ میل جنوب مشرق میں بھنبھور سے متصل واقع تھا جس کے آثار اب تک موجود ہیں، (جغرافیہ خلافت مشرقی ص۱۹۹)

متعلق صفحہ ۲۲۶

نقشہ سندھ وکابل مطابق سفرنامۂ ابن حوقل بغدادی ۳۶۷ھ

نوٹ :- طوران کے دو حصے اس عہد میں ہوگئے تھے، ایک کا پایہ تخت کیزکانان (ب) اور دوسرے کا طوران شہر، اور دونوں پر دو خود مختار حاکم تھے۔

خودمختار ہے، لیکن خطبہ بنی عباس (بغداد) کے نام کا پڑھتا ہے،

منصورہ ایک گرم شہر ہے جس میں کھجوریں تو بہت ہیں، مگر انگور، سیب، اخروٹ امرود نہیں ہوتے، ہاں گنے البتہ ہوتے ہیں، اس ملک میں سیب کے برابر ایک پھل ہوتا ہے جس کو لیموں کہتے ہیں، وہ بہت ہی ترش پھل ہے، اس جگہ ایک اور پھل بھی شفتالو کے برابر ہوتا ہے، اس کو آم کہتے ہیں، جو مزہ میں بھی شفتالو ہی کے ایسا ہوتا ہے، یہاں ارزانی اور شادابی بہت ہے، ان کے سکے قندھاری ہیں جس کا ایک درہم ہمارے پانچ درہم کے برابر ہے، ایک اور سکہ بھی رائج ہے، جس کا ایک درہم ہمارے ۱½ درہم کے مساوی ہے، اور اس کا نام طاطری ہے، دینار (سونے کا سکہ) کے ساتھ بھی لین دین ہے، ان کا لباس عراق والوں جیسا ہوتا ہے، لیکن شاہی لباس یہاں کے راجوں کی طرح ہے، جو بال رکھتے ہیں، اور کانوں میں بالا استعمال کرتے ہیں،

سندھ کے بڑے شہروں میں سے ایک ملتان ہے، طول و عرض میں ملتان کے برابر ہے اس کے دو شہر پناہ ہیں یہ بھی دریائے سندھ کے مشرقی جانب آباد ہے لیکن اس کا شمار منصورہ کے حدود میں ہے بہت ہی دولتمند اور خوشحال شہر ہے، تجارت کی بھی گرم بازاری رہتی ہے اور ہر قسم کی ارزانی بھی ہے

سندھ کا دوسرا بڑا شہر دیبل ہے، دریائے سندھ اس کے مشرقی جانب ہے، یہ سمندر پر آباد ہے، بوجوہ چند تجارت کا مرکز اور صوبہ کی بندرگاہ ہے، یہاں زراعت بہت کم ہوتی ہے، عام طور پر درخت اور خصوصاً کھجور یہاں نہیں ہیں، وہ ایک خشک شہر ہے صرف تجارتی اہمیت اس کو حاصل ہے،

ایک اور شہر نیرون ہے، جو دیبل اور منصورہ کے درمیان نصف راستہ پر ہے لیکن منصورہ سے زیادہ نزدیک ہے، اور منجابہ سی سے متصل ہے، جو مغربی سندھ کے کنارے ہے

آباد ہے، اور وہ منصورہ کے مقابل واقع ہے، جو شخص منصورہ سے آئے گا اس کو دریا عبور کرنا پڑیگا

ارمائیل اور قنبلی دونوں بڑے شہر ہین اور دونون کے درمیان فاصلہ دو منزل کا ہے،

قنبلی سے سمندر ۱/۲ میل پر ہے، اور یہ دونوں شہر دیبل اور مکران کے درمیان ہیں، یہ دونوں شہر بڑے وسیع ہین، یہاں کے باشندون میں وقار اور فارغ البالی نظر آتی ہے،

مسوری، بھرج، سدوستان (سیوستان) یہ سب مغربی سندھ پر ہین، حالت اور کیفیت میں یہ ایک دوسرے سے مشابہ ہیں، انری اور کالری منصورہ سے ملتان جانے کے راستہ پر دریائے سندھ کے مشرقی جانب ہیں، لیکن دریا سے ذرا فاصلہ پر آباد ہیں، یہ دونوں ایک دوسرے سے ملتے جلتے بہت اچھے شہر ہین،

بلری بھی دریا کے مشرقی کنارے اس خلیج کے قریب ہے، جو منصورہ کے پیچھے سے نکلتی ہے، وہ درمیانی درجہ کا ایک اچھا شہر ہے،

بانیہ ایک چھوٹا شہر ہے، عمر بن عبد العزیز الہباری قریشی جس کی بزرگی کا حال عراق وغیرہ مین عام طور سے مشہور ہے، وہ اسی شہر کا رہنے والا تھا، اور موجودہ حکمرانون کے بزرگوں میں سے یہی پہلا شخص ہے جس نے منصورہ کی حکومت پر قبضہ کرلیا،

راہوق اور کلوان دونوں گاؤں آپس میں ایک دوسرے سے متصل کیز اور ارمائیل (موجودہ ارمن بیلہ) کے درمیان واقع ہین، ان میں سے کلوان تو مکران کی سرحد اور راہوق منصورہ کے حدود میں شمار کیا جاتا ہے، یہان کی زمین خشک ہے، کھیت بہت ہیں گاؤں بڑے بڑے ہین، پھل کم ہوتے ہیں، ہر قسم کے چوپائے بڑی کثیر تعداد میں پائے جاتے ہین،

ملتان یہ شہر بھی طول و عرض میں منصورہ ہی کے برابر ہے، اس کا نام فرج بیت الذہب (سنہری سرحد) ہے، یہان ایک مورتی ہے، جس کی ہندو بڑی عزت کرتے ہین، اور دور دراز

سے اس کی جاترا کے لئے آتے ہین، ہر سال بڑی رقم جو بطور نذر کے لوگ لاتے ہین، وہ مندر اور پجاریوں پر خرچ ہوتی ہے، ملتان شہر کا نام بہت ہی کے نام پر رکھا گیا ہے[۱]، اور وہ مکان جس میں وہ مورتی ہے، (یعنی مندر) ایک بڑا محل ہے، جو بڑی رونق کی جگہ پر ہاتھی کے دانت بیچنے والوں اور ٹھٹھیروں کے بازار کے درمیان واقع ہے، اس محل کے درمیان ایک قبہ ہے، جس میں مورتی رہتی ہے، اس قبہ کے گرد پجاریوں اور جاتریوں کے مکان ہیں، شہر ملتان میں ہندوستانی اور سندھی ہندو نہیں رہتے، بجز ان پجاریوں کے جو اس محل میں مقیم ہیں، یہ مورتی انسانی صورت میں ہے، جو اینٹ پر گچ کی ہوئی کرسی پر پالتی مارے بیٹھی ہے، اس کے بدن پر سرخ چمڑے کے جیسا لباس ہے، سوائے دونوں آنکھوں کے اس کا تمام بدن اسی سے ڈھکا ہوا ہے، اسی لئے کوئی کہتا ہے کہ اس کا بدن لکڑی کا ہے، اور کوئی اس کی تردید کرتا ہے، کبھی اس کا بدن کھلا نہیں رہتا، اس کی آنکھوں میں دو جوہر (لعل) ہیں، اور اس کے سر پر سونے کا تاج ہے،

وہ بت کرسی پر بیٹھا ہے، اور دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھے ہے اور ہاتھوں کی انگلیاں اس طرح الگ الگ ہیں گویا کہ وہ چار کا عدد گن رہا ہے، عام لوگ جو کچھ اس پر بھینٹ چڑھاتے ہین اس کو امیر ملتان لے کر پجاریوں پر صرف کرتا ہے،

جب کوئی دشمن (ہندو) ملتان پر چڑھ آتا، تو امیر اس بت کو نکال کر اس کے سامنے رکھ دیتا اور دھمکی دیتا کہ اگر تم نے ملتان پر حملہ کیا تو میں اس بت کو توڑ کر جلا دوں گا، وہ اس سے خوفزدہ ہو کر واپس چلا جاتا، اور اگر یہ ذریعہ نہ ہوتا تو ملتان کب کا ویران ہو گیا ہوتا، ملتان کا قلعہ بلند اور مضبوط ہے، وہاں سرسبزی اور ارزانی کافی ہے، اگر منصورہ سے

[۱] یہ صحیح نہیں ہے، ملتان اصل میں مول، استھان تھا جیسا کہ بیرونی نے لکھا ہے،

کم، اور ملتان کا نام "فرج بیت الذہب" اس لئے رکھا گیا کہ ابتدائے اسلام میں جب وہ فتح ہوا تو مسلمانوں پر بڑی تنگی تھی، اس وقت اس مقام سے بڑی مقدار میں سونا دستیاب ہوا جس کے باعث مسلمان اس مصیبت سے نجات پا گئے۔

ملتان سے ۱/۲ میل پر ایک آبادی ہے جس کا نام جندرور ہے، یہی امیر کی چھاونی ہے جہاں لشکر رہتا ہے، شہر ملتان میں صرف جمعہ کے دن نماز پڑھنے کے لئے آتا ہے، بعد نماز جمعہ وہ واپس چلا جاتا ہے،

یہاں کا امیر قریشی سامہ بن لوی کے خاندان سے ہے جس کے بزرگوں نے اس پر قبضہ کر لیا تھا، وہ کسی کا محکوم نہیں ہے لیکن خطبہ بنی عباس (بغداد) کے نام کا پڑھتا ہے،

بسمد یہ ایک چھوٹا شہر ہے مگر وہ اور ملتان دونوں برخلاف جندرور کے دریا کے مشرقی جانب آباد ہیں، (جو درحقیقت معاون ہے دریائے سندھ کا) ہر شہر دریا سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر ہے، لوگ زیادہ تر پانی کنوؤں سے پیتے ہیں بسمد سرسبز جگہ ہے، اس کو (ب) اور (ف) دونوں حرفوں سے لکھتے ہیں[1]

مید لوگ ملتان کی سرحد سے سمندر تک دریا کنارے آباد ہیں، خشکی میں دریا اور کاہل کے درمیان بہت سی چراگاہیں ہیں، اور اسی جگہ گاؤں آباد ہیں جن میں سردی اور گرمی کا موسم گذارتے ہیں، اور ان کی تعداد بہت بڑی ہے،

ملک بدھ | بدھ کا علاقہ ملتان کی سرحد تک ہے، اور یہ سب سندھ میں داخل ہیں، سندھ کے شہر کفار (بدھ مذہب) کے ہیں، اور ایک قوم ہے جس کو مید کہتے ہیں، بدھ قوم طوران، مکران، اور ملتان کے درمیان پھیلی ہوئی ہے اور منصورہ سے مغربی سندھ کی طرف زیادہ آباد ہیں،

[1] اس سے معلوم ہوا کہ اس کا اصلی نام "بھسمد" ہے جو معرب ہو کر بسمد اور فسمد ہو گیا ہے،

یہ لوگ اونٹ والے ہیں، دو کوہان والے فربہ اونٹ جس کو خراسان اور فارس کے لوگ
زیادہ پسند کرتے ہیں، اسی جگہ ہوتے ہیں، ایسا ہی بلخ کا بجاتی اور سمرقند کا نوق پیدا کرنے
کے لئے اونٹ اسی جگہ سے لے جاتے ہیں،

وہ شہر جہاں بدھ لوگ تجارت کرتے ہیں، اور اپنی ضروریات کی چیزیں خرید و فروخت
کرتے ہیں وہ قندابیل (گنداوی) ہے، یہ میدان میں گاؤں کی طرح ہے، اور اس میدان میں
جنگل جھاڑیاں ہیں جہاں یہ لوگ پناہ لیتے ہیں، اور پہاڑی تالابوں سے زندگی بسر کرتے ہیں
قندابیل (گندھابیل یا گنداوی) ایک بڑا شہر ہے جہاں کھجوریں نہیں ہیں، اور میدان میں تنہا یہ شہر
آباد ہے، اور اسی لئے ہندوستان کے ممتاز شہروں میں ہے، کیزکانان اور قندابیل کے درمیان
ایک گاؤں ہے جس کو اتل کہتے ہیں، جہاں مسلمان اور بدھ دونوں رہتے ہیں، یہاں غلہ
پھل، ترکاری اور سب جانور ملتے ہیں، ملک وسیع و سرسبز ہے، اونٹ، بکری، گائے
ہوتی ہے، لیکن زراعت بہت کم ہوتی ہے... اتل ایک شخص کا نام ہے، جس نے قدیم
زمانہ میں اس پر قبضہ کیا تھا، اسی لئے اس کے نام سے منسوب ہے،

ہندوستان | کابل، کھنبائت، سوپارہ (جس کے آس پاس بڑے بڑے مقامات ہیں) اسا
جناول، سندان، جیمور، بی بٹن، چندرور اور سندر در ہندوستان کے مشہور شہر ہیں، یہ وہ
شہر ہیں، جن سے میں واقف ہوں، ورنہ ان کے علاوہ اور بھی شہر ہیں، جیسے فرزان، کنوج
جو بیابان میں ہیں وہ مثل لطنہ اور ادھشتہ کے دور کے مقاموں میں ہیں، ان میں ملکی تاجر کے
سوا کوئی دوسرا بڑی بڑی آفتوں اور تکلیفوں کے سبب نہیں پہنچ سکتا،

کھنبائت سے جیمور تک بلہب راسے کا ملک ہے جس کے لئے کتاب الامثال لکھی گئی،
ان ممالک میں ہر بادشاہ اپنے ملک کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، جیسے کانہ (افریقہ) کے بادشاہ

اسی طرح کوغہ کا بادشاہ (جیسے پنجاب کا راجہ، قنوج کا راجہ) ان ملکوں میں گو زیادہ آبادی ہندوؤں کی ہے، مگر مسلمان بھی انہی کے ساتھ بستے ہیں، ان پر راجہ کی طرف سے مسلمان ہی حاکم ہوتا ہے، جو راجہ کا نائب سمجھا جاتا ہے، اسی طرح میں نے ہر مقام پر دیکھا کہ جہاں غیر مسلموں کا غلبہ ہے جیسے خزر، سریر، غانہ دگانہ (شمالی افریقہ)، کوغہ وغیرہ، ان تمام شہروں میں مسلمان کسی غیر مسلم کو حاکم تسلیم نہیں کرتے، اور نہ کسی کی شہادت قبول کرتے ہیں، اگرچہ ان مسلمانوں کی تعداد کتنی ہی کم ہو، اور میں نے دیکھا کہ ان کی عفت وقعت کی نظر سے دیکھی جاتی ہے، اور اس لئے جب غیر مسلموں کی طرف سے گواہی دیتے ہیں تو ان کی گواہی کو خصم قبول کر لیتا ہے اور بسا اوقات خصم کی جرح پر جب مسلمان اس کی جگہ کھڑا ہو جاتا ہے، تو اسی کے قول پر حاکم فیصلہ کر دیتا ہے،

ولہب رائے کے ملک میں جو بہت وسیع ہے مسلمانوں کے لئے مسجدیں ہیں جن میں کھلے بندوں اذان ہوتی ہے، جمعہ کی نماز ادا کرتے ہیں، اور منبروں پر خطبہ دیا جاتا ہے، سندھ سے جیمور جانے میں ہندوستان کا سب سے پہلا شہر کاہل ملتا ہے، کیونکہ جیمور سے کاہل تک سب ہندوستان کے ملک ہیں،

کاہل، سندان، جیمور، کھنبائت میں جامع مسجدیں ہیں، اور بلہارا کے ملک مسلمانوں کے احکام یہاں جاری کئے جاتے ہیں،

یہ سب بڑے سرسبز اور وسیع ملک ہیں، یہاں ناریل ہوتا ہے جس سے سرکہ اور شراب بنا کر استعمال کرتے ہیں، اس سے ان کو مدہوشی بھی ہوتی ہے، اسی طرح چاول کی نبیذ مصر والوں کی طرح استعمال کرتے ہیں، اور بخدا نہ تو میں نے اس کو دیکھا ہے، نہ اس کے مزہ اور کیفیت سے واقف ہوں،

ان لوگوں کی سب سے بڑی زراعت چاولوں کی ہے، شہد بھی بہت ہوتا ہے، لیکن کھجوریں نہیں، کاہل اور بانیہ کے درمیان میدان اور جنگل ہے، اسی طرح کاہل سے کھنبایت تک میدان اور جنگل ہے، اس کے بعد کھنبایت سے جیمور تک برابر آباد گاؤں ملتے ہیں جو ایک وسیع خطہ زمین کا ہے،

لباس | یہاں ہندو اور مسلمانوں کا لباس ایک ہے، بال بھی ایک ہی طرح رکھتے ہیں، ان کا لباس ازار اور کرتہ ہے، کیونکہ ان ملکوں میں گرمی سخت پڑتی ہے، اسی طرح گرمی کے سبب ملتان والے بھی ازار اور کرتہ کا استعمال کرتے ہیں، مکرانی کرتہ پہنتے ہیں، مگر تاجروں کا لباس قمیص اور چادر ہے، جس طرح عراق اور فارس والوں کا ہے،

زبان | منصورہ اور ملتان والوں کی زبان عربی اور سندھی ہے، اور مکران والوں کی مکرانی اور فارسی ہے۔

سندھ کے دریا | سندھ میں سب سے بڑا دریا تو مہران (دریاے سندھ) ہے، اس کا منبع پہاڑ کے اوپر ہے، جہاں سے جیحون کی بعض ندیاں نکلتی ہیں، اس دریا کے بہت سے معاون ندی اور چشمے ہیں، اس کا پانی ملتان کے پاس بہت زیادہ ہو جاتا ہے، السمد کی سرحد تک جاتا ہے پھر ارور ہو کر منصورہ اور وہاں سے دیبل کے مشرق جانب سمندر میں جا کر مل جاتا ہے،

یہ دریا بہت ہی میٹھا اور بڑا ہے، کہا جاتا ہے کہ اس میں گھڑیال اسی طرح ہیں جیسے مصر کے دریاے نیل میں، اپنی بڑائی اور روانی میں بھی بالکل نیل کے مشابہ ہے، یعنی برسات کے پانی سے یہ دریا زمین پر چڑھتا چلا جاتا ہے، پھر گھٹ کر اپنی جگہ آجاتا ہے، اور کاشتکار گیلی زمین پر مصر کی طرح کاشتکاری کرتے ہیں۔

ایک دوسرا دریا ملتان سے تین دن کے راستہ پر ہے جس کا نام سندرود ہے، یہ بھی

بڑا اور میٹھا دریا ہے، مجھے معلوم ہوا ہے کہ لسمد سے پہلے اور ملتان کے بعد دریائے سندھ میں ملتا ہے[1]

تیسرا دریا جندرود بھی بڑا اور میٹھا ہے، اور اسی پر شہر جندرور آباد ہے، یہ دریا سندھ میں مل کر منصورہ تک چلا گیا ہے، بخلاف سندرود کے،

آمدنی | ان ملکوں کی آمدنی جو ان کے امیروں اور عاملوں کو ادا کی جاتی ہے، وہ بہت ہی کم اور معمولی ہے، بظاہر ان کے خرچ سے زیادہ نہیں ہوتا، اور شاید ان میں سے بعض اپنے خرچ میں کمی کرتے ہیں، کیونکہ زیادہ وصول نہیں ہوتا،

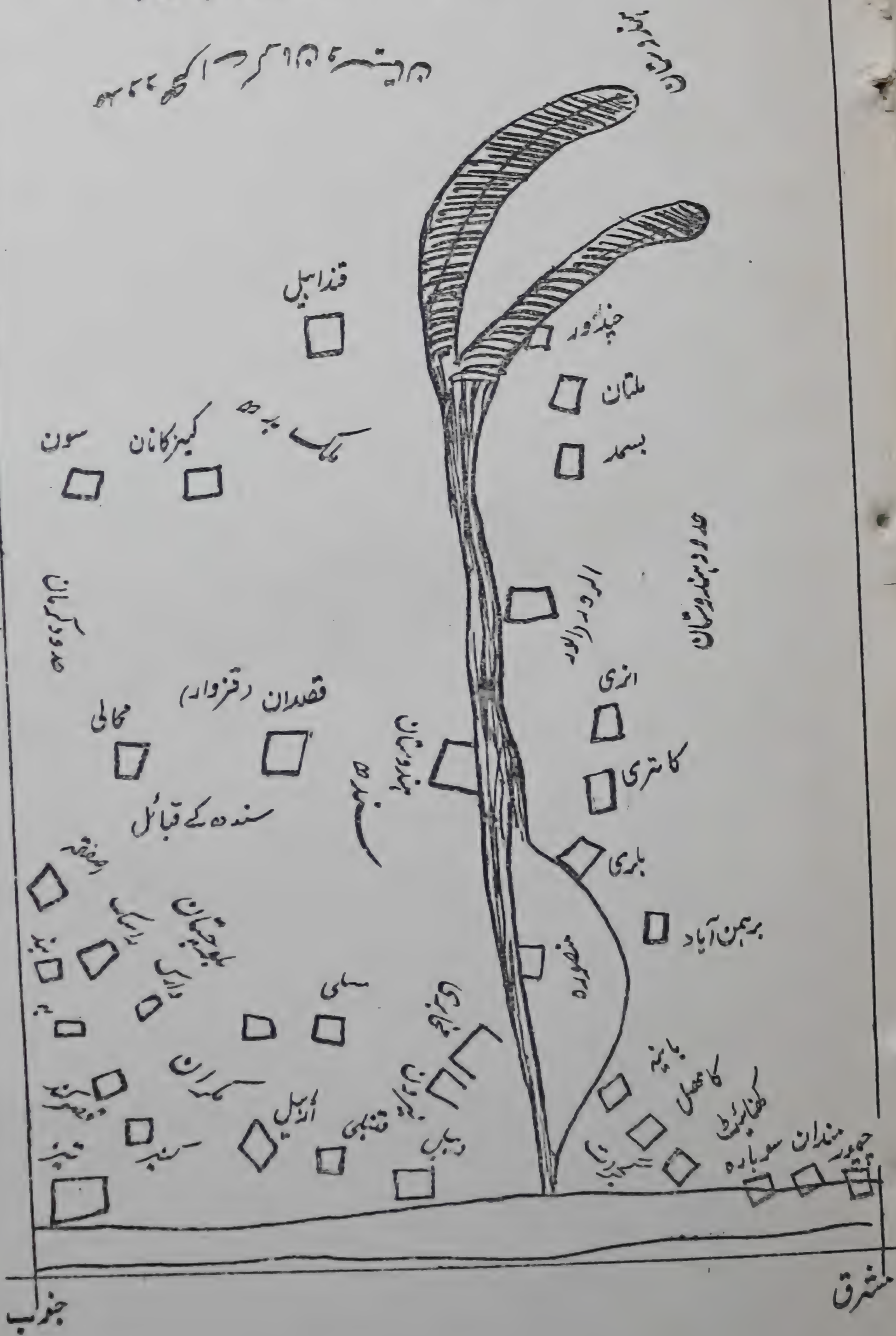
مسافت | مکران، طوران، بدھ، ملتان سندھ ہند کے بڑے شہروں ہیں اور قافلوں کے آمد و رفت کے راستوں کا جو فاصلہ ہے وہ مرحلہ (پڑاؤ) کے حساب سے ابن حوقل نے دیا ہے[2] جو مندرجۂ ذیل ہیں:-

"تیز سے کیز (کیچ) پانچ مرحلہ (۶۰ میل) اور کیز (کیچ) سے پنجپور تک دو مرحلہ (۲۴ میل) اور جو شخص پنجپور سے تیز مکران جانا چاہے، تو اس کا راستہ کیز ہی ہو کر ہے، پھر پنجپور سے درک تک ۳ مرحلہ (۳۶ میل) اور درک سے راسک تک ۳ مرحلہ (۳۶ میل) اور راسک سے پھل پور تک ۳ (۳۶ میل) اور یہاں سے اصفقہ (اسپکا) تک ۲ (۲۴ میل) پھر اصفقہ سے بند تک ایک (۱۲ میل) اور بند سے بہ تک ایک (۱۲ میل)، اور بہ سے قصر قند (کسر کند) تک ایک (۱۲ میل)

اب اگر کیز سے سندھ کی طرف جانا چاہو تو ارمائیل (ارمن بیلہ) تک ۶ (۷۲ میل)، اور ارمائیل سے قنبلی تک ۲ (۲۴ میل) اور قنبلی سے دیول تک ۴ (۴۸ میل)، اور دیول سے منصورہ ۶ (۷۲ میل)، اور منصورہ سے ملتان ۱۲ (۱۴۴ میل)، پھر منصورہ سے اگر طوران جاؤ تو اس کا فاصلہ ۱۵ پڑاؤ (۱۸۰ میل) ہے، اور قزدار (طوران) سے ملتان تک ۲۰ (۲۴۰ میل)، پھر منصورہ سے

[1] غالباً اٹک سے مراد ہے [2] مرحلہ کے معنی پڑاؤ کے ہیں اور اصطلاح میں ایک دن کی مسافت کو کہتے تھے جو ۱۲ میل کے برابر ہے

مغرب — شمال



ابن حوقل بغدادی کا نقشہ سندھ ۳۴۳ھ
(کتب خانہ شاہ اودھ سے الیٹ صاحب نے نقل کیا)
قنداپیل
سون
ملک بدھ
ملتان
بسمد
چندور
الرور
انزی
کاتری
بلری
برہمن آباد
منصورہ
سندھ
ہندوستان
حدود ہندوستان
حدود کرمان
قصدان (قزدار)
محالی
سندھ کے قبائل
بلوچستان
مکران
ارمائیل
قنبلی
نیرون
دیبل
کامہل
کنبایت
سندان
سوبارہ
صیمور
جنوب
مشرق

بدھ کی ابتدائی سرحد تک ۵ (۶۰ میل) اور کیز سے بدھ تک ۱۰ (۱۲۰ میل) اور بدھ سے تیز تک ۱۵، (۱۸۰ میل)، مکران کے تمام علاقوں کا طول تیز سے قزدار تک ۱۲ مرحلہ (۱۴۴ میل) ہے، اور ملتان سے طوران کی ابتدائی حد تک دس (۱۲۰ میل) اور جو شخص منصورہ سے بدھ کے ملک میں سدوستان کی طرف جانا چاہے، جو دریائے سندھ کے پاس ہے، تو اس کو دریائے سندھ عبور کرنا پڑے گا،

پھر قندابیل (بدھ) سے منصورہ ۸ مرحلہ (۹۶ میل) اور قندابیل سے ملتان (میدانی علاقہ) دس (۱۲۰ میل)، پھر کاھل سے کھنبائت تک ۴ (۴۸ میل) اور کھنبائت سے سمندر ۱½ میل ہے، اور کھنبائت سے سوپارہ ۴ (۴۸ میل) اور سوپارہ بھی سمندر سے ۱½ میل کے فاصلہ پر ہے، پھر سوپارہ اور سندان کے درمیان ۵ مرحلہ (۶۰ میل) ہے، اور وہ بھی ۱½ میل سمندر سے دور ہے، اور سندان سے جیمور تقریباً ۵ مرحلہ (۶۰ میل) اور جیمور سے لنکا پندرہ مرحلہ (۱۸۰ میل) ہے، پھر ملتان سے بسمد ۲ (۲۴ میل) اور بسمد سے ارور ۳ (۳۶ میل) اور ارور سے اتری ۴ (۴۸ میل) اور اتری سے کالری ۲ (۲۴ میل)، اور کالری سے منصورہ ایک[1] (۱۲ میل) پھر دیبل سے پھنجپور ۱۴ (۱۶۸ میل) اور دیبل سے پھنجپور کا راستہ مخاتری ہو کر جاتا ہے، پھر کالری سے بلری ۴ (۴۸ میل) اور بانیہ شہر پایہ تخت منصورہ سے ایک مرحلہ (۱۲ میل) پر ہے، اور کاھل منصورہ سے ۲ مرحلہ (۲۴ میل) ہے[2]،

ابن حوقل بغدادی کے عہد میں مندرجہ ذیل ریاستیں سندھ میں موجود تھیں:-

نمبر	ملک	پایہ تخت	حاکم
۱	ملتان	جندرور	خاندان سامہ بن لوی

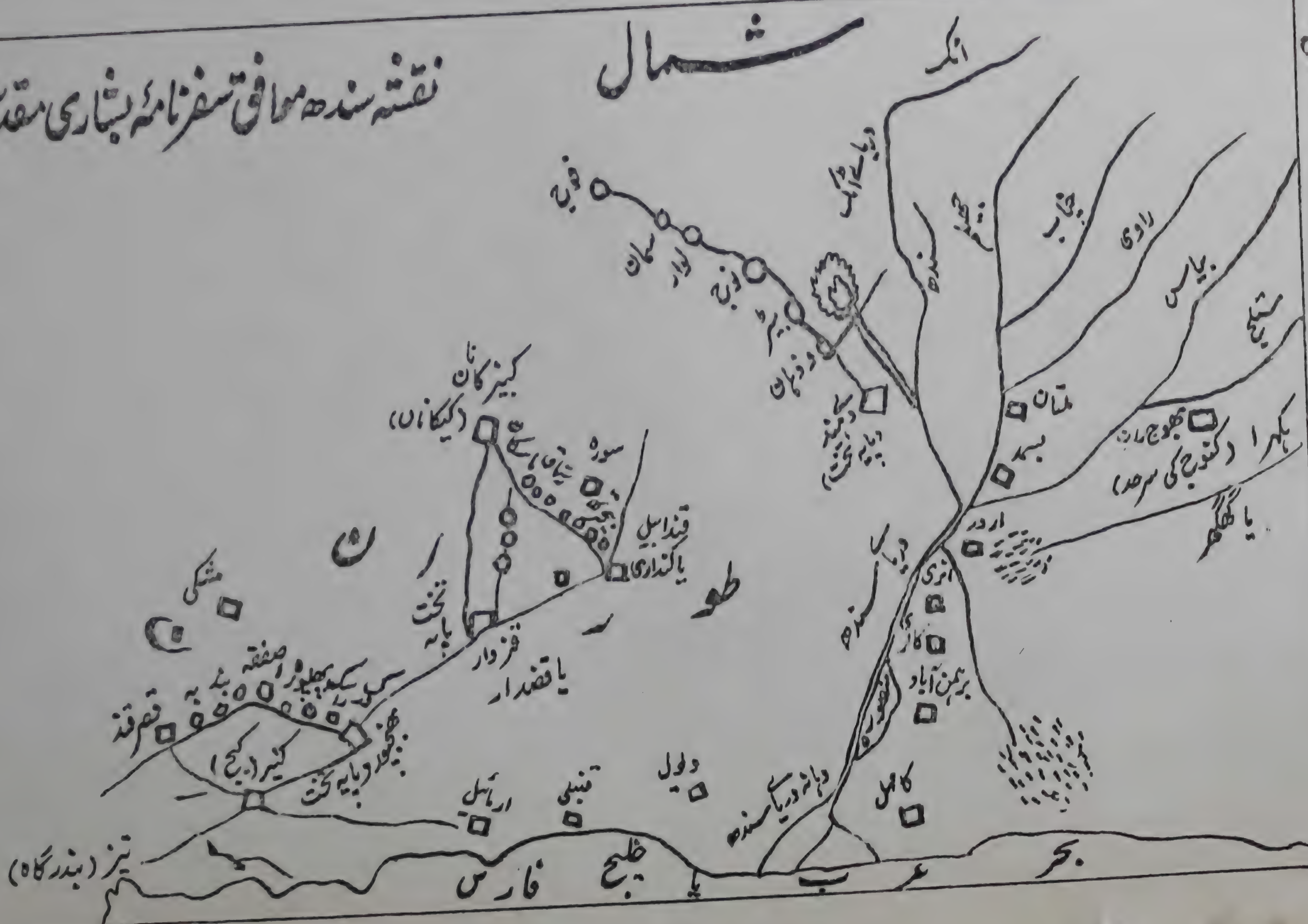
[1] یہ صحیح نہیں ہے، غالباً سہو کاتب ہے کیونکہ کالری سے بلری ۴ مرحلہ ہے اور بلری سے منصورہ ایک مرحلہ ہے اس لئے کالری سے منصورہ ۵ مرحلہ ہونا چاہئے اصل میں کالری کی جگہ بلری ہونا چاہئے [2] سفرنامہ ابن حوقل مطبوعہ لیڈن ص ۲۲۶

۲	سندھ	منصورہ	خاندان ہبار
۳	مکران	کیج	عیسیٰ بن معدان
۴	مشکی	مشکہ	مطہر بن رجا
۵	بدھ	گنداوی	راجہ غیر مسلم
۶	طوران	طوران شہر	ابوالقاسم بصری
۷	قزدار	کیزکانان	معین بن احمد

سنہ ۳۷۵ھ کے جغرافیہ لکھنے والون نے سندھ اور اس کے ملحقہ ممالک کو ایک اقلیم قرار دیا ہے اور اس کا نام اقلیم سندھ رکھا ہے، اس کے ماتحت چھ کور (صوبہ) ہیں، اور ہر صوبہ کا ایک قصبہ (پایہ تخت) ہے، اور ہر پایہ تخت کے ماتحت متعدد شہر ہین اور ہر شہر کے ساتھ گاؤں،
ملک سندھ کے متعلق مندرجۂ ذیل صوبے ہیں، جس میں مکران، ملتان اور دوسرے شہر بھی داخل ہیں، یہ صوبے کسی کے ماتحت نہیں ہیں، بلکہ ہر صوبہ خود مختار ہے،

نمبر	ملک	پایہ تخت	حاکم
۱	مکران	پھنجپور	مطیع ائمۂ فاطمیۂ مصر
۲	طوران	قزدار	مسلم حاکم
۳	سندھ	منصورہ	خاندانِ قریش (ہبار بن الاسود)
۴	دے ہند (قندھار)	دے ہند	راجہ
۵	کنوج	کنوج	راجہ
۶	ملتان	ملتان	مطیع ائمۂ فاطمیۂ مصر

صوبہ مکران — اس کے ماتحت بہت سے شہر ہین، اس کا پایہ تخت پھنجپور ہے مشہور



نقشهٔ سنده موافق سفرنامهٔ بشاری مقدسی ۳۷۵هـ
شمال
جنوب
شرق
غرب
انک
ملتان
بسمد
اردر
الوری
برهمن آباد
کاهل
منصوره
دریای سنده
دهانهٔ دریای سنده
دیبل
تیز (بندرگاه)
قنزبور
ارمایل
بحر عرب
خلیج فارس
قندابیل
یاکنداری
قزدار
یاقصدار
مشکی
طوران
کیز کانان
(کیکانان)
قصرقند
سوره
جهلم
بیاس
راوی
ستلج
سندرود

شہروں کے نام مندرجہ ذیل ہیں :-
مشکہ (یا ہشکی)، کیج، اسرائے، شہر برپور، خواش، دمندان، جالگ، درک، دشت علی، تیز، کبرتوں، راسک، بہ، بند، قصر کند، اصفقہ، پھل پورہ، قنبلی، ارمائیل، کیس (کیز)
پھنجپور بڑا شہر ہے، اس کے گرد مٹی کی ایک فصیل ہے، اور فصیل کے باہر خندق ہے آس پاس کھجور کے درخت ہیں، اس کے دو دروازے ہیں، ایک کا نام باب طوران اور دوسرے کا باب تیز،

یہاں کے لوگ پانی دریا کا پیتے ہیں، جامع مسجد بازار کے بیچ میں ہے، عوام جاہل ہیں، سوائے نام کے اسلام کی کوئی بات ان میں نہیں ہے، ان کی زبان بلوچی ہے،
شہر تیز سمندر کے کنارے ایک مشہور بندرگاہ ہے، یہاں بکثرت کھجوریں ہیں، رباط (مسافر خانے) بھی زیادہ ہیں، جامع مسجد بھی اچھی ہے، لوگ متوسط درجہ کے ہیں، اخلاقی اعتبار سے کم ظرف اور بے علم ہیں، مکرانی کم فہم ہوتے ہیں، اور رنگ گندمی، کرتہ پہنتے ہیں، ہندوؤں کی طرح کان میں سوراخ کرتے ہیں،
معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں مکران نے زیادہ ترقی کی، ہشکی کی ریاست جو اس سے قبل ۳۲۰ھ میں خود مختار تھی، اب مکران میں ملحق ہوگئی، اسی طرح قنبلی اور ارمائیل دونوں منصورہ کے ماتحت تھے، یہ بھی مکران میں شامل کرلئے گئے،
مکران کا علاقہ زیادہ تر بنجر ہے اور صحرا، اس لئے وہاں کے باشندے عموماً تنگدستی اور قحط میں مبتلا رہتے ہیں، یہ علاقہ زیادہ تر گرم ہے، البتہ راسک اور خرزان کے پاس کچھ سبزی ہے، جہاں لوگ کھیتی کرتے ہیں، اور کچھ گاؤں بھی آباد ہیں،[1]

---

[1] بشاری مقدسی ص۴۷۵ و ص۴۷۶ لیڈن و ص۴۸۲ و ۴۸۴،

یہاں ایک گاؤں ہے جس کا نام خردج ہے، جو راسک شہر کے ماتحت ہے، ایک اور گاؤں کا نام خرزان (جدران) ہے، اور اسی سے متصل کرمان کی طرف ایک مقام مشکہ (مشکی) ہے، جس کی وسعت ۳ مرحلہ (۵۴ میل) ہے، کھجوریں کم ہیں، مکران میں صحرا زیادہ ہیں اور ان کے کھیت میدانی بارانی ہیں، عراق کی طرح ان کی زمین پتھریلی ہے، اور کردوں کی طرح ان کے صحرا، اس ملک میں جاٹ زیادہ ہیں، جن کی خوراک مچھلی اور آبی پرندے ہیں، اسی سے متصل راہوق اور کلوان دو سرحدی گاؤں ہیں، جن کو مکران میں شمار کیا جاتا ہے، مگر بعض راہوق کو منصورہ کہلاتے ہیں یہاں پھل بہت کم ہیں، یہاں کا بادشاہ خود مختار اور بے نظیر عادل ہے لیکن خطبہ خلفائے فاطمیہ مصر کا پڑھتے ہیں۔

طوران — یہ بھی ایک صوبہ ہے، اس کے ماتحت بہت سے شہر ہیں، منجملہ ان کے مشہور شہر مندرجہ ذیل ہیں:-

قندابیل، بج ثرد (بجے ریختہ) جبث رو (جسر بند) بکانان، خوزی، رستاکھن، رستاق قو، موردان، استاق ماسکان، کھر کور، محالی، کیز کانان، سورہ، قصدار (قزدار)[1]

قزدار اس کا پایہ تخت ہے، یہ ایسا شہر ہے کہ جس کے دونوں جانب صحرا ہے، اس کے دو حصے ہیں، دونوں کے درمیان ایک خشک ندی ہے جس پر پل نہیں ہے، اس کے ایک حصہ میں بادشاہ کا محل ہے، جہاں وہ رہتا ہے، وہ بڑا عادل اور خلیق ہے، اسی کے ساتھ قلعہ بھی ہے، اور دوسرے حصہ میں تاجروں کے مکانات اور گودام ہیں، اور اس حصہ کو لوگ "بوذین" کہتے ہیں، اور پہلا حصہ زیادہ وسیع اور صاف ہے،

یہ شہر اگرچہ چھوٹا ہے، مگر بڑا کار آمد ہے، خراسان، فارس، کرمان اور ہندوستان کے شہروں سے لوگ بکثرت یہاں آتے رہتے ہیں، البتہ یہاں کا پانی بڑا خراب ہے، جب انسان

[1] احسن التقاسیم للمقدسی ص ۴۷۶ و ص ۴۷۸ لیڈن۔

اس کو پیتا ہے تو اس کا پیٹ بھاری ہو جاتا ہے، لوگوں کے مکانات مٹی کے ہیں، وہ تالابوں کا پانی پیتے ہیں، جو زیادہ تر میدانوں میں ہیں، مسود سے کسر تھ اور کیز کانان کے، جو دریا کے کنارے ہین، اس کے علاوہ کسرتھ میں کنوئین بھی بہت ہین اور دونوں شہر کی کھیتیاں میدانی علاقون میں ہین، یہ سب گرم مقامات ہین، البتہ کسرتھ ایک سرد جگہ ہے، جہاں کبھی اولے بھی پڑتے ہین، اور پانی بھی جم جاتا ہے[۱]،

قصدار (قزدار) بڑا شاداب اور سرسبز شہر ہے، یہاں انگور تو ہوتے ہین، مگر کھجوریں نہیں، عجیب جامع اضداد شہر ہے، چیزیں ارزاں ہیں،

غالباً طوران کی سیاسی طاقت پہلے سے زیادہ ہوگئی، کیونکہ ۳۵ سال قبل بدھ ایک مستقل ریاست تھی، جس کا پایہ تخت قندابیل تھا، مگر بشاری مقدسی (۳۷۵ھ) نے اس ریاست کا چونکہ ذکر ہی نہیں کیا ہے، اس لئے خیال گذرتا ہے کہ غالباً اس زمانہ مین یہ ریاست نہ رہی ہو، اور طوران کے حاکمون نے اس کو فتح کرکے اپنے ملک مین شامل کرلیا ہو، جیساکہ پایہ تخت بدھ (قندابیل) طوران میں شامل ہونے سے صاف نظر آتا ہے،

منصورہ (سندھ) یہ ایک مستقل ریاست ہے، پہلے تمام سندھ اسی کے ماتحت تھا، اس وقت عرب (بغداد) سے جو حاکم اعلیٰ (والی) آتا تھا، اسی جگہ رہتا تھا، اب بھی اس ریاست کا حاکم اسی جگہ رہتا ہے، اس کے متعلق مندرجۂ ذیل مشہور شہر ہیں،

دیبل، نیرون، بیج، کدار، مائل (رمائیل)، قنبلی (قنبلی)، نیرون قالری (کالری)، اتری، بلری، مسواہی، بھرج، بانیہ، منجابوری، سدوستان، رور،

اس ریاست کا پایہ تخت منصورہ ہے، جیسا شام کا دمشق، یہان کی عمارتیں لکڑی

---

[۱] احسن التقاسیم للمقدسی ص۴۷۶ و ص۴۸۵ لیڈن،

اور مٹی کی ہیں، یہاں کی جمعہ مسجد عمان کی طرح بہت بڑی ہے، یہ پتھر اور پختہ اینٹ سے بنی ہے جس میں ساج (ساگوان) کے بڑے بڑے ستون ہیں،

شہر منصورہ میں چار دروازے ہیں (۱) باب البحر (۲) باب طوران (۳) باب سندان (۴) باب ملتان۔ دریا کی ایک شاخ شہر کو گھیرے ہوئے ہے، اس شہر کے لوگ ہوشیار اور ذہین ہوتے ہیں، ان میں مروت اور اسلام کا بڑا حصہ ہے، علم اور تجارت کا یہ مرکز ہے، یہاں کی ہوا نرم ہے اور سردی کم پڑتی ہے، بارش زیادہ ہوتی ہے، بھینس بڑی بڑی ہوتی ہے، لوگ پانی دریائے سندھ سے پیتے ہیں،

جمعہ مسجد بازار کے درمیان میں ہے، ان کے اخلاق عراقیوں (بغداد) سے ملتے ہوئے ہیں... یہاں گرمی خوب پڑتی ہے، مچھروں کی بڑی کثرت ہے، لوگوں کا مزاج بلغمی ہے، کافروں کا غلبہ ہے، آس پاس ویران ہے، شرفا کم ہیں، ابو محمد منصوری یہاں کے قاضی ہیں اور اپنے ظاہری (داؤد ظاہری محدث) مذہب کے امام ہیں۔

دیبل ساحلی شہر ہے جس کے ساتھ تقریباً ایک سو گاؤں ہیں، اس کے باشندے زیادہ تر غیر مسلم ہیں، شہر سمندر کے کنارے اس طرح سے ہے کہ مد کے وقت سمندر کا پانی شہر کی دیوار سے ٹکراتا رہتا ہے، تاجروں کی زبان سندھی اور عربی ہے، یہ شہر تمام صوبہ منصورہ (سندھ) کا بندر ہے، اس کی آمدنی بہت زیادہ ہے، اسی جگہ سے دریائے سندھ سمندر میں گرتا ہے، یہاں بھی اس سے تھوڑے ہی فاصلہ پر ہے، سمندر کا پانی بازار میں داخل ہو جاتا ہے، اور یہ لوگ خوش پوش اور خوش خلق ہیں،

قنبلی (قنبلی) بھی ساحلی شہر ہے جس کی فصیل بھی ہے، مسلمان اور تاجر کم تر ہیں[1] منصورہ

---

[1] احسن التقاسیم ص ۴۷۹ لیڈن،

خاندانِ قریش کا ایک سلطان ہے، جو بغداد کے عباسی خلیفہ کا خطبہ پڑھتا ہے، اور کبھی عضد الدولہ بویہ کا نام بھی خطبہ میں لیا جاتا ہے، منصورہ کا سلطان ان لوگوں سے ربط ضبط بڑھانا چاہتا تھا، چنانچہ بشاری مقدسی کا بیان ہے کہ جن دنوں میں شیراز میں تھا، والی منصورہ کا ایلچی عضد الدولہ کے لڑکے کے پاس آیا ہوا تھا، اور ایک باغی کے مقابلہ میں اس کی مدد کا خواہاں تھا[1]،

ویہند یہ ریاست علٰحدہ سے قائم تھی، اس کو قندھار کا ملک کہتے ہیں[2]، اسی کا پایہ تخت ویہند ہے، عام طور پر اس کو سندھ سے الگ اور ہندوستان میں شمار کرتے ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ قدیم سندھ میں یہ شامل تھا،

اس کے متعلق متعدد شہر تھے، ان میں سے مشہور یہ ہیں:- وذہان، ہیتر، نوج، لوار، سمان، قوج۔ اس کا پایہ تخت "ویہند" ہے، اور اسی نام سے ریاست مشہور ہو گئی ہے جیسے آج کل بڑودہ، حیدر آباد، میسور، رام پور وغیرہ،

ویہند منصورہ سے بڑا شہر ہے، یہاں تر و تازہ اور پاکیزہ بکثرت باغ ہیں، جو سطح زمین پر پھیلے ہوئے ہیں، دریا بکثرت ہیں، بارش بھی خوب ہوتی ہے، یہ شہر مجموعۂ اضداد ہے، یہاں کے درخت لمبے لمبے ہوتے ہیں، اور پھل اچھے، لوگوں کے چہرے سے امارت ٹپکتی ہے، نرخ بھی ارزاں ہے، چنانچہ شہد ایک درہم کا تین من[3] (ایک من عربی مساوی ۶۴ تولے کے) ملتا ہے، اس کے علاوہ دودھ اور روٹی کے متعلق تو سوال ہی بیکار ہے، یہاں موذی جانور نہیں، اور بری باتوں سے یہ لوگ محفوظ ہیں، تمام شہر بادام اور اخروٹ کے درختوں سے ڈھکا ہوا ہے، کیلے اور دوسرے ترمیووں کی بڑی کثرت ہے، لیکن یہاں کی ہوا مرطوب ہے؛

---

[1] احسن التقاسیم ص۴۸۵، یہ نہ معلوم ہو سکا کہ وہ باغی کون تھا؟ [2] کتاب الہند بیرونی ص۱۰۱ لیڈن، [3] موجودہ وزن سے تقریباً دو سیر انگریزی،

گرمی بھی خوب پڑتی ہے، مکانات لکڑی کے ہیں، کبھی نرکل کی جڑ میں ایسی ہی آگ لگ جاتی ہے جیسے مقام سابور (ایران) میں[1]

غیر مسلموں کی آبادی بہت زیادہ ہے، اور مسلمان بہت کم ہیں، پھر بھی ان کے لئے ایک الگ حاکم ہے، جو ان پر اسلامی طریقہ سے حکومت کرتا ہے[2]،

کنوج | جس کو عرب جغرافیہ نویسوں نے "قنوج" لکھا ہے، یہ قدیم ریاست گنگا کے کنارے عرصہ دراز سے قائم تھی، اصطخری (۳۴۰ھ) نے اس کا کوئی ذکر ہی نہیں کیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں اس کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہی تھی،

معلوم ہوتا ہے کہ بشاری مقدسی (۳۷۵ھ) کے وقت اس نے پھر طاقت پیدا کرلی، غالباً یہاں کا حاکم دھند کی طرح کوئی غیر مسلم تھا، اسی لئے اس کا کوئی خاص تذکرہ سیاحوں نے نہیں کیا، بشاری لکھتا ہے کہ "اس ریاست کا پایہ تخت کنوج ہی ہے، یہ خود بڑا شہر ہے، اور اس کے ساتھ بیرون فصیل بھی آبادی ہے، اس شہر میں گوشت بکثرت اور ارزان ملتا ہے، پانی بھی میٹھا ہے، باغوں سے یہ شہر گھرا ہوا ہے، (اس کے چاروں طرف باغ لگے ہوئے ہیں) کیلے سستے، صورتیں اچھی، پانی لذیذ، شہر وسیع اور فائدہ مند منڈی ہے، یہاں آگ زیادہ لگتی ہے، آٹا کم ملتا ہے، باشندوں کی عام خوراک چاول ہے، مگر مسلمان روٹی کھاتے ہیں، ان کا لباس ازار، اور مکانات زیادہ تر خس پوش ہیں، گرمی سخت پڑتی ہے، یہاں سے پہاڑ ۴ فرسخ (۱۲ میل) پر ہے، جامع مسجد فصیل کے باہر ہے، دریا کا پانی شہر کے اندر چلا آتا ہے، بڑے بڑے علماء یہاں موجود ہیں،

یہاں کی ہوا خوش گوار ہے اور باغ بڑے پاکیزہ پایہ تخت کے اکثر امراء گرمیوں میں

---

[1] بشاری مقدسی ص۴۸۱ لیڈن [2] ایضاً ص۴۸۵،

اسی جگہ رہتے ہیں، اس کے علاوہ دوسرے شہر گرم ہیں، یہ لوگ دریا اور زمین دوز نہروں کا پانی پیتے ہیں[1]
یہاں غیر مسلموں کی آبادی بہت ہے، اور مسلمانوں کی کم، لیکن مسلمانوں کے لئے ایک
الگ حاکم ہے[2]، یہ حاکم راجہ کے ماتحت ہوتا تھا، اس کا خطاب "ہنرمند" ہوتا، یہ مسلمانوں کے حقوق
نگہداشت کرتا، اور آپس کے تنازعہ کا فیصلہ اسی کے ذمہ ہوتا، غیر مسلم حاکموں کے پاس مسلمانوں
کے مقدمات نہیں جاتے[3]،

درحقیقت اس زمانہ میں مسلمانوں کو ویسے ہی امتیازی حقوق حاصل تھے، جیساکہ آجکل
سلاطینِ یورپ کو ایشیا کی ہر سلطنت میں حاصل ہیں (اگرچہ ترکوں، ایرانیوں اور کابلیوں نے
اس امتیاز کو حال میں منسوخ کردیا ہے)

ملتان | یہ شہر منصورہ کی طرح ہے، لیکن منصورہ اس سے زیادہ آباد ہے، ملتان میں پھل بہت
کم ہیں، مگر دیگر اشیا بہت ارزاں ہیں، روٹی ایک درہم میں تیس من ملتی ہے، اور فانیذ (حلوا
سفید شکر) ایک درہم کی تین من، یہاں کے مکانات سیراف (بصرہ) کے مثل لکڑی (ساگون)
کے بنائے جاتے ہیں، یہ دو دو چار چار منزلے ہوتے ہیں،

ان لوگوں کی اخلاقی حالت بہت اچھی ہے، ان میں زنا اور شراب کا مطلق رواج
نہیں، جو شخص کبھی اس معاملہ میں پکڑا گیا، تو اس کو یا تو قتل کر ڈالتے یا سخت سزا دیتے ہیں،
تجارتی کاروبار میں یہ لوگ بڑے خوش معاملہ ہیں، نہ تو یہ جھوٹ بولتے ہیں، اور نہ ناپ تول
میں کمی کرتے ہیں، مسافروں سے محبت کرتے ہیں، اکثر باشندے (مسافر) عرب ہیں، شیریں
دریا سے پانی پیتے ہیں،

یہ بڑا آسودہ شہر ہے، اور تجار خوش حال، فارغ البالی ہر جگہ نمایاں نظر آتی ہے یہاں کے

---

[1] بشاری مقدسی کا سفرنامہ ص۴۸۳ [2] ایضاً ص۴۸۵ [3] مروج الذہب جلد ۲ ص۸۵ و ۸۶ لیڈن،

بادشاہ عادل ہوتے ہیں، تمام بازار میں کسی عورت کو بناؤ سنگار کئے ہوئے نہ دیکھ سکو گے، اور نہ کوئی کھلے طور پر ان سے باتیں کرتا ہوا نظر آئے گا، یہاں کے لوگ عالی ظرف اور مروت والے ہیں، فارسی زبان عام طور سے سمجھی جاتی ہے، تجارت کی گرم بازاری بھی خوب ہے، لوگ تندرست نظر آتے ہیں، لیکن یہاں کی زمین شور، مکانات تنگ، اور ہوا گرم وخشک ہے، خود ملتانی گندم گوں اور سیاہ رنگ کے ہوتے ہیں[۱]، شوریدہ سر اور کند ذہن ہیں۔

ملتان کا بادشاہ مصر کے فاطمی خلفاء کا خطبہ پڑھتا ہے، اور کوئی کام ان مصری فاطمی خلفاء کی اجازت کے بغیر نہیں کیا جاتا، اور ہمیشہ ان کو ملتان کا بادشاہ ہدیہ اور تحفہ بھیجا کرتا ہے۔ وہ طاقتور اور عادل بادشاہ ہے، ملتان میں فاطمی خلفاء کے حکم ہی سے والی مقرر کئے جاتے ہیں، ان کی اجازت کے بغیر کوئی والی نہیں ہو سکتا[۲]،

سندھ کے عام حالات | عام طور پر سندھ کا ملک گرم ہے، لیکن بعض مقامات معتدل بھی واقع ہیں، جیسے وہند اور منصورہ کے اطراف، سمندر کے جوار کا اثر ان میں سے اکثر پر ہوتا ہے، یہاں کوئی بحیرہ نہیں ہے، البتہ متعدد شیریں دریا جاری ہیں، اس ملک میں ناریل، کھجور اور کیلے بکثرت ہوتے ہیں، ذمی زیادہ تر بت پرست ہیں، کوئی مشہور واعظ بھی اس ملک میں نہیں ہے، اور نہ قابل تذکرہ رسم ورواج،

مذہب | ملتان والے شیعہ ہیں، اذان میں حی علی خیر العمل اور اقامت میں کلمات کو دو مرتبہ کہتے ہیں، منصورہ والوں میں زیادہ تر لوگ ظاہری (ابو داؤد ظاہری محدث کا) مذہب کے پابند ہیں اور حدیث پر عمل کرتے ہیں، قاضی ابو محمد منصوری کا ایک مدرسہ بھی ہے جس میں درس دیتے ہیں، وہ خود بھی صاحب تصانیف ہیں، متعدد اچھی اچھی کتابیں ان کی لکھی ہوئی ہیں،

---

[۱] احسن التقاسیم ص ۴۸۰ لیڈن [۲] ایضاً ص ۴۸۵،

اس ملک کا کوئی قصبہ ایسا نہیں ہے جہاں امام ابوحنیفہ کے مقلد نہ ہوں، یہاں نہ تو مالکی اور حنبلی ہیں اور نہ معتزلہ، یہ لوگ سیدھے راستے پر ہیں، پسندیدہ، نیکی اور عفت کا مذہب رکھتے ہیں، تعصب، غلو اور فتنہ سے اللہ نے ان کو نجات دی ہے[۱]۔

برآمد طوران سے فانیذ (سفید شکر) باہر جاتا ہے، جو ماسکان سے زیادہ عمدہ ہوتا ہے اور سندان سے چاول بکثرت تاجر لے جاتے ہیں، اور کپڑا بھی یہاں کا اچھا ہوتا ہے، سندھ میں فرش فروش اچھے تیار ہوتے ہیں، بہت بڑی تعداد یہاں سے ناریل کی برآمد ہوتی ہے، خاص منصورہ سے کنبھاتی جوتا جو بڑا نفیس ہوتا تھا، عراق اور دوسرے ممالک میں تاجر لیجاکر بڑا نفع اٹھاتے، یہ اس قدر بھڑکدار اور خوبصورت ہوتا تھا کہ ثقہ لوگ اس کا استعمال کرنا عیب سمجھتے تھے، البتہ امراء، شاہزادے اور شوقین مزاج لوگوں میں اس کا خوب رواج تھا[۲]۔

اس ملک سے ہاتھی، ہاتھی کے دانت، جڑی بوٹیاں اور دوسری اعلیٰ درجہ کی چیزیں بھی باہر جاتی ہیں، قسط ہندی، بید وغیرہ بھی لوگ لیجاتے ہیں،

تول اور ناپ ملتان، سندھ (منصورہ) ہند (قندھار) اور طوران میں وزن کرنے کا من وہی ہے جو عام طور سے مکہ میں رائج ہے جس کو مکی من کہتے ہیں، اور جس پیمانہ سے طوران میں ناپا جاتا ہے اس کو کیجی کہتے ہیں جس میں چالیس من گیہوں سما جاتا ہے، کبھی کبھی ایک درہم کے آٹھ کیجی ملتی تھی، اور زیادہ سے زیادہ چار درہم میں، ملتان کے پیمانہ کا نام مطل ہے جس میں بارہ من گیہوں ناپا جاتا ہے[۳]،

سکے سندھ کے سکہ کو قاہریات کہتے ہیں جس کے پانچ درہم ہوتے ہیں، اس کے علاوہ طاطری کا بھی رواج ہے، ۱⅓ درہم کا ایک طاطری ہوتا ہے،

---

[۱] احسن التقاسیم ص۴۸۱ لیدن [۲] کتاب الورع ص۱۱۵ مصر [۳] احسن التقاسیم ص۴۸۱ و ص۴۸۲،

ملتانی سکے خلفائے فاطمیہ (مصر) کے نمونہ پر ہوتے ہیں، لیکن غزنہ کا سکہ "قندری" کا بھی رواج ہے، جو یمن کے قروص کے مشابہ ہے، مگر قروص ان کے نزدیک بڑا ہوتا ہے،

مخصوص اشیاء اس ملک کی مخصوص چیزیں جو نادر شمار کی جاتی ہیں، ان میں سے ایک وہ اونٹ ہیں، جو فارس اور دوسرے مشرقی ممالک میں دیکھے جاتے ہیں جس سے "بخاتی" اونٹ پیدا کئے جاتے ہیں، اور وہ بختت نسے بڑا ہوتا ہے۔ اس کے دو کوہان ہوتے ہیں، وہ بڑا خوبصورت ہوتا ہے، وہ عام لوگوں کے استعمال میں نہیں آتا ہے، بلکہ امراء، شاہزادے اور بادشاہوں کے لئے مخصوص ہے، پوشش کی چیزوں میں کنبھاتی جوتا بہت مشہور ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، میووں میں ایک پھل اخروٹ کے برابر ہوتا ہے جس کو آم کہتے ہیں، یہ بڑا لذیذ ہوتا ہے، دوسرا پھل لیموں ہے، جو زرد آلو کی طرح ہے، مگر بڑا کھٹا ہوتا ہے،

لباس وضع اور اطوار یہ لوگ لمبی لمبی زلفیں رکھتے ہیں، کرتے پہنتے ہیں، یہاں کے امراء ہندوؤں کی طرح کان میں سوراخ کرتے ہیں، ازار کا زیادہ استعمال ہے، مگر تاجر اور مشائخ کا مخصوص لباس ہے، اور ہلکا لباس کام میں لاتے ہیں، اور ملتانی عمامہ ٹھوڑی کے نیچے تک نہیں باندھتے ہیں،

دریا سندھ کا مشہور دریا مہران ہے، (جس کو دریائے سندھ کہتے ہیں) یہ پانی کی کثرت، مٹھاس اور مگرمچھ کی زیادتی میں بالکل مصر کے دریائے نیل کی طرح ہے، جن پہاڑوں سے جیحون نکلتا ہے، انہی کے اطراف سے یہ دریا بھی جاری ہے، (یعنی اس کا منبع ہمالیہ کے پہاڑ ہیں) یہ وہاں سے چلکر ملتان کے پاس میدانی علاقہ میں بہتا ہے، پھر یہاں سے منصورہ ہوتے ہوئے دیبل کے پاس سمندر میں گر جاتا ہے، اور دریائے نیل ہی کی طرح اس کے چڑھاؤ کے وقت زراعت ہوتی ہے، ایک دوسرا دریا "سندرُوذ" ہے جو بڑا اور شیریں ہے، ملتان سے تین مرحلہ (۹۰ میل) اوپر ہے

۱؎ بشاری مقدسی کا یہ بیان بالکل اصطخری کے مطابق ہے ص ۴۸۳،

(غالباً اس سے اٹک یا جہلم مراد ہے)

مناور | یوں تو اس ملک میں بکثرت مندر ہیں، جہاں مختلف قسم کی مورتیاں ہیں، مگر زیادہ مشہور دو مندر ہیں

۱۔ "بیدرا" کا مندر ہے، جس میں دو مورتیاں پتھر کی بنی ہیں، وہ اس ترکیب سے بنائی گئی ہیں کہ جب کوئی ان کو چھونے کا ارادہ کرکے ہاتھ لگائے تو وہ اوپر کو بلند ہو جاتی ہیں، اور اس کا ہاتھ ان تک نہیں پہنچتا، اسی سبب سے لوگ عام طور پر یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ طلسم اور جادو کی بنی ہوئی ہیں دونوں مورتیاں سنہری اور روپہلی ہیں، جو جاتری یہاں آتا ہے اس کا خیال ہے کہ ہر وہ چیز جو ان سے مانگی جائے وہ دی جاتی ہے، اور ہر دعا یہاں مقبول ہوتی ہے،

یہاں ایک سبز پانی کا چشمہ کیاری کی طرح جاری ہے، اس کا پانی بہت ٹھنڈا ہے اس کے ان گڑھے پتھر اس قسم کے ہیں کہ ان سے زخم اچھے ہو جاتے ہیں، مندروں میں دیوداسیوں کی کثرت ہے، ان کی بدکاری کی آمدنی کا ایک حصہ پجاری لیتا ہے، اس ملک میں جو شخص یہ چاہتا ہے کہ میری لڑکی کی عزت ہو تو وہ ان کو دیوداسیوں میں شامل کرکے مندر کی خدمت کے لئے وقف کر دیتا ہے، اس مندر کے لئے اور قسم کے بھی اوقاف ہیں،

میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ مرتد ہو کر ہندو ہو گیا تھا، اور اس مندر کے بت کی پوجا کرتا تھا، پھر نیشاپور جب واپس ہوا تو مسلمان ہو گیا،

(۲) ملتان کے مندر میں بھی ایک مورتی ہے، یہ مندر ایک محل میں ہے، جو بازار کے آباد ترین حصہ میں واقع ہے، اس کے بیچ میں بڑا خوبصورت قبہ ہے، اور اس کے گرد پجاریوں کے مکانات ہیں وہ بت آدمی کی شکل کا ہے، جو اینٹ اور چونے سے بنی ہوئی کرسی پر پالتی مارے بیٹھا ہے اس کو سرخ چمڑے کا لباس جو سنجاب کے مشابہ ہے پہنا دیا ہے جس سے سوائے آنکھوں کے

کچھ نظر نہیں آتا، اور ان دونوں آنکھوں میں دو لال (لعل) لگا دیے ہیں، سر پر سونے کا تاج رکھا ہے، اس کے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر ہیں اور انگلیاں اس طرح سے ہیں، کہ گویا وہ حساب کے چار گن رہا ہے[1] اس کے علاوہ اور بہت سے مندر ہیں جو ان سے کم تر درجہ کے ہیں۔

مکران، راہوق، دیبل، ارماییل، قنبلی کی زمین زیادہ تر میدانی کھیت ہیں، یہ مقامات تجارتی بندرگاہیں ہیں، ان کے پاس بڑی بڑی چراگاہیں ہیں، جن میں بیشمار مویشی چرتے رہتے ہیں، لیکن وہ خشک میدان ہیں۔

سندان، چیمور، کھنبایت بڑے سرسبز اور شاداب شہر ہیں، یہ چاول اور شہد کے کان ہیں، دریائے سندھ کے کنارے میدان ہیں، اور عربوں کی خاصی آبادی ہے،

حدود اربعہ | اس زمانہ میں سندھ کے حدود مندرجۂ ذیل تھے،

مشرق میں بحر فارس (بحر عرب) مغرب میں کرمان اور سجستان (سیستان) کا میدان، شمال میں بقیہ ہندوستان کے ملک، جنوب میں مکران کا میدان اور قفص (قچ یعنی قبچاق کے باشندے غالباً اس سے مراد پٹھان ہیں) کے پہاڑ، اس کے پیچھے بحر فارس،

بحر فارس (جس کو آجکل بحر عرب کہتے ہیں) ان اطراف کے مشرقی اور جنوبی ممالک کو گھیرے ہوئے ہے، کیونکہ یہ سمندر چیمور سے لے کر تیز (مکران) تک پھیلا ہوا ہے، پھر گھوم کر فارس اور کرمان کو اپنے دائرہ میں لے لیتا ہے۔[2]

مقدسی نے جو حدود اربعہ اوپر بیان کئے ہیں ان میں زیادہ تر مکران کی سمت کا خیال رکھا ہے، جس کو اس نے سندھ میں شمار کیا ہے، ورنہ اس کے ساتھ سندھ کا ملک زیر نظر رکھا جائے، مشرق میں بحر فارس کے ساتھ (جو کرمان سے متصل ہے) سندھ کے متصل پنجاب، راجپوتانہ،

---

[1] بشاری مقدسی کا سفرنامہ ۱۸۷۷ء لیڈن۔ یہ بیان بھی اصطخری کے تحریر کردہ حالات کے مطابق ہے۔ [2] ایضاً

اور مارواڑ کا ملک بھی ہے، جن کو اس زمانہ کی اصطلاح میں ہند کہتے تھے، اسی طرح جنوب میں سندھ سے متصل بحرِ فارس (بحرِ عرب) کے ساتھ کچھ کارن اور جزیرہ کچھ واقع ہے،

ٹیکس یا محصول

جب ضلع طوران میں تجارتی مال غیر ممالک سے داخل ہو یا وہاں سے باہر دوسرے ملک کو نکاسی کی جائے یعنی درآمد ہو یا برآمد فی بوجھ (غالباً اس سے مراد ایک اونٹ کا بوجھ ہے) چھ درہم (۶ءِ) ہے، لیکن آٹا کا محصول زیادہ ہے، یعنی فی بوجھ ۱۲ درہم (تین روپے) ہندوستان سے اگر درآمد ہو تو فی بوجھ بیس درہم (۵ء) البتہ سندھ سے جو مال آئے تو افسر کے اندازہ پر اس کا محصول ہے، کمائے ہوئے چمڑے پر فی چمڑا ایک درہم (۴ءِ) مقرر ہے، اس طرح سے کل سالانہ آمدنی دس ہزار (الف الف درہم) جو عُشر (دسواں حصہ) کے نام سے وصول کیا جاتا ہے،[1] ملتان تک مال لیجانے میں فی بوجھ ۵۰ درہم علاوہ کرایہ کے خرچ ہوتے ہیں،[2]

فاصلہ اور مسافت

تیز مکران سے کیس (کیز پایہ تخت مکران) تک ۵ مرحلہ (۶۰ میل) پھر پنجبور (پنج گور) تک دو مرحلہ (۲۴ میل) اس کے بعد درک ۳ مرحلہ (۳۶ میل)، راسک ۳ مرحلہ (۳۶ میل) پھل پورہ ۳ مرحلہ (۳۶ میل) اصفقہ ۲ مرحلہ (۲۴ میل) بند ایک مرحلہ (۱۲ میل) بہ ایک مرحلہ (۱۲ میل) قصر کند ایک مرحلہ (۱۲ میل) ارمابیل ۶ مرحلہ (۲ میل) دیبل ۴ مرحلہ (۴۸ میل)،

تیز سے قصدار (قزدار) تک طول میں ۱۲ مرحلہ (۱۴۴ میل) ہے، اور منصورہ سے دیبل تک ۶ مرحلہ (۷۲ میل) اور منصورہ سے ملتان تک ۲۰ مرحلہ (۲۴۰ میل) اور منصورہ سے بدھ کی سرحد تک ۵ مرحلہ (۶۰ میل) پھر تیز تک ۱۵ مرحلہ (۱۸۰ میل) اور ملتان سے غزنہ ۸۰ فرسخ (۲۴۰ میل) ہے جس میں جنگل اور بیابان پڑتے ہیں، اور کبھی کبھی اس کو تین ماہ میں طے کرتے ہیں، ایک بوجھ کے کرایہ کے علاوہ ۵۰ درہم اس پر خرچ آتا ہے،

[1] بشاری مقدسی ص۴۸۵ [2] ایضاً ص۴۸۶

ملتان سے منصورہ کے راستہ میں ۴۰ فرسخ (۱۲۰ میل) تک تو آبادی ہی آبادی گاؤں وغیرہ کی ہے، لیکن ایک سو فرسخ (۳۰۰ میل) تک آبادی بہت کم اور میدان زیادہ ہے، پھر منصورہ سے قزدار تک ۸۰ فرسخ (۲۴۰ میل) کیکانان (یاکیز کانان) ۸۰ فرسخ (۲۴۰ میل) سیوہ (سیہی) ۲۴۰ میل، لاشتان ۲۴۰ میل، ساغن ۱۸۰ میل،

پھر قزدار سے مشکی ۱۵۰ میل، جالق ۹۰ میل، خواص ۹۰ میل، سرائے شہر ۶۰ میل، نہر سلیمان ۶۰ میل، درہفان ۱۵۰ میل، جیرفت (مکران) ۱۵۰ میل،

پھر ملتان سے بالس تک دس مرحلہ (۱۲۰ میل)، قندابیل ۴ مرحلہ (۴۸ میل)، قصدار ۵ مرحلہ (۶۰ میل)، اور قندابیل سے منصورہ ۸ مرحلہ (۹۶ میل)، یا ملتان تک ۱۰ مرحلہ (۱۲۰ میل)، لیکن میدان ہی میدان ملے گا،

پھر منصورہ سے کاہل ۸ مرحلہ (۹۶ میل) اور کھنبائت ۴ مرحلہ (۴۸ میل) سوپارہ ۴ مرحلہ (۴۸ میل)، اور یہ سمندر سے تین میل پر مشکی میں واقع ہے، اور سندان سے چمیور ۵ مرحلہ (۶۰ میل) پھر سراندیپ (لنکا) ۱۸۰ میل،

ملتان سے بسمد ۲ مرحلہ (۲۴ میل)، رور (الور) ۳ مرحلہ (۳۶ میل) اتری ۴ مرحلہ (۴۸ میل)، قلری ۲ مرحلہ (۲۴ میل)، منصورہ ایک مرحلہ (۱۲ میل)، کاہل ایک مرحلہ (۱۲ میل)[1]،

ملتان کے بت کا خاتمہ

بشاری مقدسی کے بیان سے یہ تو معلوم ہو چکا کہ ۳۷۵ھ تک یہاں کا بت موجود تھا، اور بیرونی نفس بت کے متعلق لکھتا ہے کہ "ملتان" کے مشہور بتوں میں سے "آدت" نامی سورج دیوتا کا بت تھا، جو لکڑی سے بنا ہوا سرخ چمڑا پہنے ہوئے اور آنکھوں میں دو یاقوت[2] رکھتا تھا، ہندوؤں کا خیال ہے کہ یہ بت کرتا جگ (کرجگ) کے وقت سے ہے، اگر یہ صحیح

---

[1] احسن التقاسیم ص۴۸۶ لیڈن،

ان لیا جائے تو اس وقت تک دو لاکھ سولہ ہزار چار سو بتیس (۲۱۶۴۳۲) برس ہوئے، اور اگر ہجری چار سو بتیس نکال دیے جائیں[1] تو بھی دو لاکھ سولہ ہزار رہ جاتے ہیں، اور کسی طرح یہ بات عقل میں نہیں آتی کہ اتنے سال تک لکڑی بغیر سڑے گلے رہ سکتی ہو[2]،

پھر لکھا ہے کہ اس کا خاتمہ جلم بن شیبان نے کیا جو ۳۰۲ھ کے بعد ملتان پر قابض ہو گیا تھا، لیکن اس کا خاتمہ کس طرح ہوا، اس کو زکریا بن محمود قزوینی نے اس طرح لکھا ہے کہ کوئی شخص اس بت کے لئے تاج اور انگشتانہ بطور نذر کے لایا، اور اس کے اندر روئی بھری ہوئی تھی جو تیل سے تر کر لی گئی تھی، اس نے موقع پاکر آہستہ سے اس میں آگ لگادی اور خود دور جاکر کھڑا ہو گیا، اس طرح وہ بت جل گیا[3]، اس سے معلوم ہوا کہ وہ بت سنگین نہ تھا، بلکہ لکڑی ہی کا تھا اور اسی سبب سے جلد جل گیا جس کو چمڑے کا لباس پہنا دیا گیا تھا، اور لکڑی جب سڑ جاتی ہوگی تو بدل دیا کرتے ہوں گے، مگر عوام میں مشہور کر رکھا ہوگا کہ کبھی تبدیل نہیں کی جاتی، اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جلم بن شیبان نے غالباً فتنہ کے خیال سے علی الاعلان جلانا پسند نہ کیا، بلکہ کسی کو بھیجکر اس تدبیر سے جلوایا کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے،

ملتان میں مندرجۂ ذیل قسم کے بت سیاحوں نے اپنے سفر ناموں میں تحریر کئے ہیں:۔

(۱) وہ بت جس میں سے محمد بن قاسم نے سونا برآمد کیا تھا، ۹۳ھ

(۲) وہ مندر جس کو محمد بن قاسم نے صرف اس لئے چھوڑ دیا تھا کہ ملتان شہر کی رونق اسی سے تھی،

(۳) وہ مندر جس میں لوہے کا بت معلق تھا جیسا کہ ابن ندیم نے لکھا ہے، یحیی برمکی کا عہد ۱۹۰ھ

(۴ و ۵) "جنگ بت" اور "زنگ بت" دو بت پہاڑوں کے درمیان کھود کر بنائے گئے تھے،

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ کتاب الہند ۴۳۲ھ میں بیرونی نے تصنیف کی [2] کتاب الہند صفحہ ۵۶ لیڈن،

[3] سبعۃ الاقالیم قلمی صفحہ ۵ و صفحہ ۶ کتبخانہ حبیب گنج علی گڈھ،

(۶) وہ مشہور بت جس کا تذکرہ سب لوگوں نے کیا ہے، یہ سورج دیوتا کا بت "آدت" نامی تھا، سب سے پہلے اس کا ذکر ابو زید حسن سیرانی نے کیا ہے، ۲۶۴ھ

(۷) وہ مورتی جو چوبی تھی، ابن رستہ نے اس کا بہ تفصیل ذکر کیا ہے، ۲۹۰ھ

(۸) وہ مندر جس میں سورج دیوتا کی مورتی آدت نامی تھی مسعودی نے بھی لکھا ہے، ۳۰۳ھ

(۹) اسی مندر کا ذکر ابن مہلہل نے کیا ہے ۳۳۱ھ

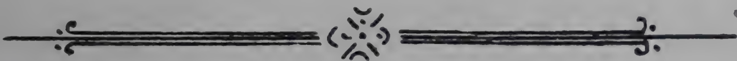
(۱۰) پھر اسی مندر کا حال بہ تفصیل اصطخری نے کیا ہے، ۳۴۰ھ

(۱۱) اسی مشہور بت کا حال ابن حوقل بغدادی نے تحریر کیا ہے۔ ۳۶۷ھ

(۱۲) اسی سورج کی مورتی کی کیفیت بشاری مقدسی نے لکھی ہے، ۳۷۵ھ

(۱۳) البیرونی نے بھی اسی کی حقیقت لکھی ہے، ۴۳۲ھ

(۱۴) زکریا قزوینی نے اسی کے جلائے جانے کا حال درج کیا ہے، جو ۳۷۵ھ کے بعد اور البیرونی (۴۱۰ھ) سے پہلے عمل میں آیا،



(۳)

اسماعیلی سلطنت

پہلے یہ بیان ہو چکا ہے کہ ملتان[1] میں بنو سامہ کی حکومت تھی، یہ خالص عربی النسل خاندان تھا، ان کا سلسلہ قریش سے لوی بن غالب پر جاکر ختم ہو جاتا ہے، اسی لوی کی اولاد میں سامہ تھا، اور اسی نسبت سے بعد کو یہ خاندان بنو سامہ کہلانے لگا، لیکن ملتان میں اس خاندان کی جو شاخ حکمران تھی، اس کو پچھلے مورث کے سبب سے "بنو منبہ" کہتے ہیں،

یہ خاندان کب سے ملتان میں حکمراں تھا، تاریخ کی زبان اس معاملہ میں خاموش ہے، ملتان میں سب سے پہلا مسلمان حاکم جس کو محمد بن قاسم فاتح سندھ نے مقرر کیا، وہ امیر داؤد نصر بن ولید عمانی تھا، اس کے بعد تقریباً پچاس برس تک ملتان کے متعلق کوئی بات تاریخ میں نہیں ملتی، ۱۵۱ھ میں ہشام بن عمر تغلبی حاکم منصورہ کو یہ مشورہ دیا گیا کہ ملتان اگر فتح کر لو، تو اس طرف سے ہندوستان میں آگے بڑھنے کا موقع آسانی سے مل سکے گا،

چنانچہ اس نے ملتان فتح کر لیا، مگر وہ بجائے آگے ہندوستان جانے کے واپس ہو کر قندھار کی طرف نکل گیا، یعقوبی نے اس واقعہ کو جس طرح بیان کیا ہے، اس سے صاف طور پر

[1] البیرونی نے لکھا ہے کہ اس قدیمی شہر کے بہت نام ہیں، کاشپ (کشتپ) پور، ہنس پور، بگھ پور، سانب پور، سوبیر اور اس کو جھرادد بھی کہتے ہیں، صفحہ ۱۵۵ آخری نام اس کا مول استھان ہوا، اسی سے "مولستان" اور پھر کثرت استعمال سے مولتان (ملتان) ہو گیا۔ صفحہ ۱۲۹،

معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کسی مسلمان ہی کی حکومت تھی، اور بجائے ہندوستان کے دوسری طرف نکل جانے سے یہ بھی خیال آتا ہے کہ شاید دونوں میں صلح ہو گئی ہو، اور اسی لئے وہ آگے نہیں بڑھا، اس کے بعد پھر ملتان کا کوئی ذکر تاریخوں میں نہیں ملتا، ۱۵۱ھ میں محمد بن عدی والی سندھ ملتان جاتا ہو مگر شکست کھا کر واپس چلا آتا ہے، اس سے دو باتوں کا پتہ چلتا ہے، اول تو یہ کہ ملتان الگ ریاست تھی جس کا تعلق سندھ سے نہ تھا، دوسرے یہ کوئی اسلامی ریاست تھی، غیر مسلموں کی نہ تھی، ورنہ کسی طرح سے بھی مورخوں نے اس کا ذکر ضرور کیا ہوتا، جیسا کہ برہمن آباد اور ارور کا حال لکھا ہے، پھر تقریباً سو برس تک کسی کتاب میں اس کا کوئی ذکر نہیں پایا جاتا، ۲۹۰ھ میں ابن رستہ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ اس وقت ملتان میں بنو منبہ کی حکومت ہے، پس سوال یہ ہے کہ بنی منبہ کی حکومت کب سے شروع ہوئی، میرا خیال یہ ہے کہ محمد بن قاسم کے بعد سندھ میں جو ابتری پھیلی اس سے فائدہ اٹھا کر امیر داؤد نصر بن ولید عمانی نے خود مختار حکومت قائم کر لی،

امیر داؤد عمانی النسل تھا، اور عمان میں بنو سامہ عرصہ سے مقیم تھے، اس لئے اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ داؤد ہی کی نسل ۳۷۵ھ تک ملتان میں بنو منبہ کے نام سے حکومت کرتی رہی تو غیر موزوں بات نہ ہوگی، کیونکہ اس کے برخلاف کوئی دلیل میری نظر سے نہیں گذری، اور چونکہ برہمن آباد اور الور (الرور) وغیرہ شرقی سندھ پر غیر مسلموں کا قبضہ ہو گیا تھا، اور خانہ جنگی اکثر ہوتی رہی اس لئے سندھ کا حاکم اس طرف رخ نہ کر سکا،

ایک دوسری صورت یہ بھی فرض کی جا سکتی ہے، کہ امیر داؤد نصر اور اس کا خاندان ملتان میں حکومت کرتا رہا، ادھر بنو سامہ بھی عمان سے آکر سندھ میں آباد ہوتے رہے، اور پھر آہستہ آہستہ طاقتور ہو گئے، چنانچہ عہد مامون میں انہی کے ایک غلام فضل بن ماہان نے سندھ کے

آخری حصہ سنداں پر قبضہ کرلیا، جیسا کہ اوپر گذرا، اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ بنو سامہ طاقتور ہوگئے تھے، اور معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ہباری خاندان نے آہستہ آہستہ طاقت پیدا کر کے زیریں سندھ پر قبضہ کرلیا، اسی طرح بنو سامہ طاقتور ہو کر ملتان پر قابض ہوئے،

تاریخوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ بنو سامہ کا عروج عمان میں ۲۷۹ھ میں ہوا ہے، اور یہی وہ وقت ہے جب صمہ نے بغاوت کر کے منصورہ پر قبضہ کرلیا تھا، ہباری خاندان اور صمہ کی خانہ جنگی نے سندھ میں بدامنی پیدا کردی تھی، غالباً اسی موقع سے فائدہ اٹھا کر بنو سامہ ملتان پر قابض ہوگئے، پس اگر یہ مان لیا جائے تو اسد قریشی پہلا شخص ہوگا جو ملتان کا حاکم ہوا، اس کا عہدِ حکومت ۲۷۹ھ سے ۲۹۰ھ تک قرار دیا جاسکتا ہے،

۳۰۳ھ میں مسعودی آیا ہے، اس نے یہاں کے حاکم کا نام ابواللباب منبہ بن اسد قریشی لکھا ہے، ابن حوقل اور اصطخری نے ملتان کے حال میں یہ تو لکھا ہے کہ بنو سامہ کی حکومت ہے، مگر حاکموں کے نام نہیں دیئے، غرض ۳۷۲ھ تک اس خاندان کی حکومت قطعی طور پر ہم کو معلوم ہے[1] لیکن ۳۷۵ھ میں بشاری مقدسی جب سندھ آیا ہے، تو اس وقت بنو سامہ کے بجائے اسماعیلی ملتان کے حکمران تھے، اس طرح تقریباً سو برس بنی سامہ کی حکومت ملتان میں رہی۔

اسماعیلی جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے کہ سیدنا حضرت امام جعفر صادقؑ کے انتقال کے بعد شیعوں میں دو فرقے ہوگئے، ایک نے سیدنا حضرت موسیٰ کاظمؑ بن سیدنا جعفر صادقؑ کو امام اور جانشین تسلیم کیا اور دوسرے نے سیدنا حضرت اسماعیلؑ بن امام جعفرؑ کو، اور چونکہ سیدنا حضرت اسماعیلؑ انتقال کرچکے تھے، اس لئے ان کے لڑکے سیدنا حضرت محمدؑ امام قرار پائے، پھر سیدنا حضرت احمد وفی اور آپ کے جانشین سیدنا حضرت محمد تقی الحبیب ہوئے، اور آپ کے بعد سیدنا حضرت

---

[1] حدود العالم ذکر سندھ، مطبوعہ طہران۔

حسین الرضی اور آپ کے خلیفہ سیدنا امام عبد اللہ (عبید اللہ) المہدی ہوئے، جو افریقہ میں سلطنت فاطمیہ کے بانی ہیں،[1] اسی فرقہ کو "اسماعیلیہ" کہتے ہیں،

عبد اللہ المہدی نے جہاں تمام ممالک اسلامیہ میں اپنے داعی بھیجے وہاں سندھ میں بھی ۲۷۰ھ میں بہ عہد عبد اللہ بن عمر ھباری ایک داعی ہیثم نامی بھیجا، یہ اسماعیلیوں کا پہلا داعی[2] ہے، ان کا مرکز اس وقت شام کے ایک مقام "سلمیہ" میں تھا، تمام احکامات اسی جگہ سے جاری ہوتے تھے، مہدی نے جب افریقہ پر تسلط حاصل کر لیا تو قیروان اور پھر مہدیہ مرکز ہو گیا، سندھ میں داعی یکے بعد دیگرے آتے رہے، اور ملک کو انقلاب کے لئے تیار کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا، منصورہ میں تو یہ لوگ کامیاب نہ ہو سکے، مگر ملتان والے ان کے ہمنوا ہو گئے، یہ لوگ وقت کے منتظر رہے، یہاں تک کہ اسماعیلی امام العزیز باللہ (قاہرہ مصر) متوفی ۳۸۶ھ نے ۳۷۲ھ کے بعد جلم بن شیبان کو فوجی مدد کے ساتھ سندھ بھیجا، یہ کس راستہ سے گیا؟ اس کے متعلق ابھی کوئی بات محقق طور پر نہیں کہی جا سکتی، ممکن ہے کہ یہ لوگ خراسان ہو کر آئے ہوں، کیونکہ اسماعیلیوں کا خراسان میں بڑا اثر و رسوخ[3] تھا، اور ہو سکتا ہے کہ مکران کے شہر تیز (بندرگاہ) سے ملتان پہنچے ہوں کیونکہ اس عہد میں مکران پر جو والی تھا، وہ فاطمیوں کا خطبہ پڑھتا تھا،

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جلم بن شیبان نے ملتان پر کوئی حملہ باہر سے نہیں کیا، بلکہ اندرون شہر بغاوت کرا کے خود مددگار بنا، اور پھر سردار ہو گیا، بنو منبہ کا خاندان چونکہ اس اچانک حملے سے بے خبر تھا، اس لئے وہ تباہ ہو گیا، اور یہ قیاس اس لئے میں نے کیا کہ اس کی متعدد مثالیں اسماعیلیوں کی تاریخ میں موجود ہیں،

جلم بن شیبان ۳۷۲ھ اس نے ملتان پر قبضہ کر کے فاطمی خلیفہ کا سکہ اور خطبہ جاری کیا، یہ ملتان کا

۱؎ اسماعیلی عدد ۲۹ مئی سنہ ۱۹۳۶ء ۲؎ تاریخ فرقہ اسماعیلیہ موسم بہار، جلد سوم ممبئی ص ۴۱، ۲۳، ۲۷ ۳؎ طبقات ناصری ص ۸ کلکتہ،

پہلا فاطمی حاکم ہے: اس نے ملتان کے اس قدیم مندر کو توڑ ڈالا، جو فتح ملتان کے وقت سے آج تک محفوظ چلا آتا تھا، اور جس کے باعث ملتان کے حاکموں کو مالی اور سیاسی فوائد حاصل ہوتے تھے، اور اس کی جگہ ایک جامع مسجد بنائی[1]، اور محمد بن قاسم کے وقت کی جامع مسجد کو بنوامیہ کی یادگار سمجھکر بند کرادیا[2]، یہاں ایک کنڈ بھی تھا جس کی جاترا کے لئے لوگ دور دور سے آتے اور غسل کرتے، جو ہندوؤں کے نزدیک کار ثواب تھا[3]،

جلم بن شیبان نے اپنے مذہب کی تبلیغ کے ساتھ سلطنت کو بہت مضبوط بنایا، آس پاس کے ہندو راجوں سے ربطہ اتحاد بڑھا کر ایک دوسرے کی امداد کرنے کا معاہدہ کرلیا، کیونکہ ہمسایہ اسلامی سلطنتوں سے جو خلیفۂ بغداد کی تابع تھیں کسی طرح سے امداد کی امید نہ تھی،

شیخ حمید ۳۶۷ھ تا ۳۸۰ھ

جلم بن شیبان نے کب تک حکومت کی؟ تاریخ میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے، لیکن بیرونی راوی ہے، کہ ملتان کا بت جلم بن شیبان نے توڑا، (ص ۵۶) جو ۳۶۳ھ کے بعد اس پر قابض ہوا تھا، بشاری مقدسی ۳۷۵ھ کے بعد یہاں آیا ہے، اور اس نے اس بت کو صحیح وسالم دیکھا ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ بت ۳۸۰ھ کے بعد توڑا گیا، اور اس وقت تک ابن شیبان زندہ تھا، پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے بعد ہی ملتان کے تخت پر شیخ حمید حکمراں ہے، اور بقول فرشتہ شیخ حمید اور امیر سبکتگین دونوں ہمعصر ہیں، امیر سبکتگین نے ۳۶۶ھ میں تخت غزنہ پر قدم رکھا، اس وقت قندھار، بامیان، طخارستان، غور، قصدار (قزدار) کابل، البست، الملتان، لمغان، پشاور اور ہندوستان کے دوسرے سرحدی علاقے اس کے زیر نگیں نہ تھے، اس نے ۳۶۶ھ میں بست پر قبضہ کیا، اور ۳۶۷ھ میں قصدار کو مطیع بنایا[4]، اور اسی سال کے آخر میں چند قلعے ہندو راجاؤں سے چھین لئے، ۳۶۳ھ میں ملتان پر جلم بن شیبان نے قبضہ حاصل کیا، پس

[1] کتاب الہند بیرونی طبع لیڈن ص ۵۶ [2] ایضاً ص ۲۶۲ [3] طبقات ناصری ص ۷ [4] کامل جلد ۸ ص ۲۵۱،

جلم بن شیبان اور سبکتگین دونوں اگرچہ ہمعصر ہیں، مگر اس کے عہد تک سبکتگین کا ملتان پر حملہ کسی تاریخ سے ثابت نہیں ہے، بلکہ اس کا حملہ حمید کے وقت میں ہوا۔ کیونکہ غزنہ اور ملتان کے درمیان ابھی ایسے علاقے موجود تھے، جن کا فتح کرنا باقی تھا، اس لئے اس نے ۳۶۷ھ میں اس طرف توجہ کی، اور کابل فتح کرکے ہند کی سرحد پر حملہ کرنا شروع کیا،

اس وقت ہندوستان میں چھوٹے بڑے بیشمار حکمراں تھے، ان کا کوئی مرکز نہ تھا، قنوج کا راجہ اپنے آپ کو "ادھے راج" کہتا تھا، مگر وہ بھی برائے نام، بنگال، قنوج، لاہور، کالنجر، گوالیار، اجمیر، دہلی، گجرات، مالوہ، اڑیسہ وغیرہ میں راجپوتوں کی خودمختار سلطنتیں تھیں، چونکہ غزنہ اور کابل کی سرحد لاہور اور ملتان سے ملی ہوئی ہے، اس لئے سبکتگین کو سب سے پہلے واسطہ انہی لوگوں سے پڑا،

اس وقت لاہور کا راجہ جے پال تھا، اس نے دیکھا کہ سرحدی قلعے سبکتگین کی ترکتازی سے بچتے نظر نہیں آتے، اس لئے اس نے ایک بڑی فوج تیار کی، اور سرحد پر روانہ ہوگیا، سبکتگین کو بھی اس کی خبر ہوگئی، وہ بھی آپہنچا، غزنہ کی سرحد پر دونوں فوجیں جنگ آزما ہوئیں، راجہ نے اپنی شکست مان کر صلح کر لی، اور تاوانِ جنگ ادا کرنے کے وعدہ پر واپس لاہور آیا، اور ضمانت کے طور پر اپنے کچھ لوگ امیر کے پاس رہنے دئے[1]،

لاہور واپس آنے پر اس نے بدعہدی کی، اور جو لوگ تاوان وصول کرنے اس کے ساتھ آئے تھے ان کو قید کر دیا، جب اس کی خبر غزنہ پہنچی تو امیر کو بڑا غصہ آیا، اس نے ایک جرار لشکر تیار کرکے لاہور کا ارادہ کیا، راجہ کو بھی اس کی خبر ہوگئی، راجہ کو اس کے ارکینِ دولت نے بہت سمجھایا کہ بدعہدی نہ کرو، اس کے باعث ملک کو سخت نقصان ہوگا، مگر وہ اپنے

[1] فرشتہ جلد اول ص۱۹ نولکشور،

غرور میں اس قدر مدہوش تھا، کہ کسی کی نصیحت پر اس نے کان نہ دھرا، اب غزنہ سے لشکر کشی کی خبر سن کر اس نے بھی تیاری شروع کردی، اس نے دیکھا کہ خود تنہا مقابلہ کی طاقت نہیں، اراکین دولت ناراض ہیں، اس لئے اس نے یہ تدبیر کی کہ ہندوستان کے دوسرے راجوں کو امداد کی دعوت دی، چنانچہ قنوج، دہلی، اجمیر، کالنجر کے راجاؤں نے خصوصیت سے اپنے لشکر بھیجے، اور ہر طرح کی مالی امداد کی، اس وقت راجہ کے پاس ایک لاکھ سوار اور بیشمار پیادے تھے، ترک ابھی غزنہ ہی میں تھے کہ راجہ لشکر لے کر غزنہ پر حملہ آور ہوا، دونوں لشکر جب غزنہ کی سرحد لمغان پر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تو سبکتگین نے دیکھا کہ دشمن کے پاس لشکر زیادہ ہے، اس لئے اس نے یہ تدبیر کی کہ پانچ پانچ سو کا دستہ تیار کیا، (غالباً یہ رزرو یعنی محفوظ فوج ہوگی)

جب جنگ شروع ہوئی تو اس نے تھوڑے تھوڑے وقفہ سے ایک ایک دستہ بھیجنا شروع کیا، اس کی تازہ دم فوج ہونے کے باعث ہر دفعہ ایک نئے جوش سے حملہ کرتی: آخر انجام یہ ہوا کہ راجہ کی فوج لحظہ بلحظہ کمزور ہوتی گئی، امیر نے یہ صورت دیکھ کر اجتماعی حملہ کا حکم دیا، ترکون کے اس حملہ کی تاب ہندوستانی نہ لا سکے اور بھاگ کھڑے ہوئے، ترکوں نے دریائے سندھ تک ان کا تعاقب کیا، ہزاروں تہ تیغ ہوئے، اور بیشمار مال غنیمت ان کے ہاتھ آیا، امیر سبکتگین نے اپنے ایک امیر کو دو ہزار سوار دے کر پشاور میں قیام کا حکم دیا تاکہ لمغان[1] اور پشاور سے دریائے سندھ تک کا انتظام کرے،[2]

غزنہ سے لے کر پشاور تک کا علاقہ پہاڑی ہے، جہاں سردی بہت ہوتی ہے، اور برفباری کی کثرت سے اکثر درے بند ہو جاتے ہیں، اور اسی سبب سے یہاں کے باشندے جاڑوں

[1] لمغان کا اصلی نام لنبگ دل، ن، ب، گ، ہے غالباً اسی کو معرب یا مفرس کرکے لمغان کردیا (بیرونی ص ۲۰۶) [2] فرشتہ جلد اول نولکشور

میں آمد و رفت جاری نہیں رکھتے ہیں، اور موسم بہار آتے ہی اپنے اپنے دروں سے نکل آتے ہیں، یہ حالت آج بھی موجود ہے، چنانچہ ہر سال سرحدی پٹھان موسم بہار آتے ہی حرکت میں آجاتے ہیں، آپس کے قبائل میں خانہ جنگی ہو یا کسی سلطنت سے مقابلہ ہو اسی موسم میں جنگی کارروائیاں ہوتی ہیں، اور سردی آتے ہی اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جاتے ہیں،

فرشتہ نے جنگ جے پال کے بعد لکھا ہے کہ اسی زمانہ میں امیر نوح سامانی نے اپنی مدد کے لئے امیر سبکتگین کو طلب کیا، (صفحہ ۲۰) اور دوسری کتابوں سے ثابت ہے کہ ۳۸۳ھ میں وہ نیشاپور گیا۔[1]

ان تمام حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے قیاس یہ ہے کہ سبکتگین کی پہلی جنگ راجہ جے پال کے ساتھ آخر ستمبر یا ابتدائے اکتوبر ۹۹۰ء مطابق ۳۸۰ھ میں ہوئی، یہ موسم آخری برسات کا تھا، اور اس کے بعد ہی سردی آنے والی تھی جس سے درے بند ہو جاتے، راجہ کی فوج (ہندوستانی عام طور پر) ایسی سردی برداشت کرنے کی عادی نہ تھی، اور غزنوی لشکر کو بھی درہ بند ہو جانے کے باعث واپسی میں مشکلات کا سامنا ہوتا کیونکہ یہ علاقہ غنیم کا تھا، اس لئے دونوں نے بہ مجبوری صلح کر لی اور اپنے اپنے دار السلطنت کو واپس گئے، موسم سرما ختم ہو جانے پر غالباً مارچ یا اپریل ۹۹۱ء مطابق ۳۸۱ھ میں دوسری جنگ راجہ جے پال اور ترکوں سے پھر ہوئی، جس میں دریائے سندھ تک امیر غزنہ کے ماتحت ہو گیا،

اب ملتان کی حالت اس وقت یہ تھی کہ شمال اور شمال مشرق کی حد راجہ جے پال سے ملتی تھی، اور مغرب میں ترکوں کا علاقہ اس سے متصل ہو گیا تھا، جنوب میں منصورہ کی حکومت تھی، چونکہ ملتان کے بادشاہ کا ہمسایہ ہندو سلطنتوں سے معاہدۂ اتحاد ہو چکا تھا اس لئے اغلب یہی ہے کہ اس جنگ میں اس نے ہندوؤں کا ساتھ دیا ہو گا، یا بغایت مجبوری بظاہر سیاسی طور پر اس نے ناطرفداری کا اعلان کر دیا ہو گا، اور مخفی طور پر کافی طریقہ سے امداد کی ہو گی، کیونکہ امیر ملتان خوب

---

[1] زین الاخبار صفحہ ۵۹؛

سمجھتا تھا کہ عباسی اور فاطمی سلطنتوں کی رقابت کے باعث ترک اگر فتح پا گئے تو ہماری خیر نہیں، اور آس پاس کی کسی اسلامی ریاست سے امداد کی توقع نہ تھی اور مصر اور یمن دور تھا جہاں سے فوری مدد آسکتی، اس لئے وہ ترکوں کے خلاف اتحادیوں کا ساتھ دینے پر قدرتی طریقے سے مجبور تھا،

پس سبکتگین نے کچھ فتوحات میں اضافہ کے خیال سے اور کچھ اس وجہ سے کہ ملتان نے جنگ میں دشمنوں کا ساتھ دیا ۳۸۱ھ یا ۳۸۲ھ میں اس نے ملتان والوں سے باز پرس کی، اس وقت ملتان کا امیر شیخ حمید تھا، پس معلوم ہوا کہ حلم بن شیبان نے ۳۷۶ھ اور ۳۸۰ھ کے درمیان میں انتقال کیا، شیخ حمید نے دیکھا کہ تنہا مقابلہ کی تاب نہیں ہے اور آس پاس کوئی مددگار نظر نہیں آتا اس لئے ترکوں سے اس نے صلح کر لی، اور غالباً سالانہ خراج پر معاملہ طے ہوگیا،

فرشتہ نے لکھا ہے کہ "الپتگین کے عہد میں سبکتگین نے جو سپہ سالار تھا لمغان اور ملتان پر حملے کئے، اور بہت مال غنیمت حاصل کیا، پھر جب سبکتگین نے تخت غزنہ پر قدم رکھا تو شیخ حمید نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ ترکوں کے ساتھ مصالحت کرلے، چنانچہ امیر غزنہ سے استدعا کی کہ ہم دونوں مسلمان ہیں اس لئے ہم دونوں میں اتحاد ہونا چاہئے، اور براہ کرم آپ جب ہندوستان پر حملہ کریں تو کچھ فوج ادھر بھی متعین کردیں تاکہ حملہ آور فوج سے میرا ملک محفوظ رہے، امیر غزنہ نے اس کو قبول کیا، اور اس کے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آیا، اور جے پال کو شکست دینے کے بعد ملتان پر اسی شیخ حمید کو حاکم بحال رکھا[۱]"

طبقات ناصری میں ہے کہ بخارا کے امیر عبدالملک سامانی نے ۳۴۹ھ میں خراسان کا سپہ سالار الپتگین کو بنایا تھا کہ ۳۵۰ھ میں اس کے انتقال کر جانے پر نئے امیر منصور بن نوح سے نہ بنی، اس لئے وہ خراسان سے غزنہ چلا آیا[۲]، اور ابوعلی الوک والی غزنہ کو نکال کر خود اس پر قابض ہوگیا، پھر زاولستان

---

[۱] فرشتہ جلد اول ص۱۸ نولکشور [۲] زین الاخبار ص ۳ لم برلن،

یعنی غزنہ سے لے کر قندھار تک کا علاقہ فتح کرلیا[1]، اور آٹھ سال کے بعد ۳۵۲ھ میں وفات پا گیا، اس کے بعد اس کا لڑکا اسحاق تخت نشین ہوا لیکن ایک سال کے بعد وہ بھی انتقال کر گیا، (۳۵۹ھ) پھر ترکوں میں سب سے زیادہ لائق اور بزرگ ملکاتگین تھا جس نے غزنہ کا تخت سنبھالا، دو سال کے بعد یہ بھی چل بسا تو ۳۶۱ھ میں امیر پری کو غزنہ کا سردار بنایا، لیکن لوگ اس کے مظالم سے نالاں تھے، اس لئے لوگوں نے امیر ابوعلی انوک سے خط وکتابت کی، اس نے ۳۶۶ھ میں شاہزادہ کابل کی مدد سے غزنہ پر حملہ کردیا، سبکتگین نے اس کو شکست دی، واپسی کے بعد ماہ شعبان ۳۶۶ھ میں ارکین دولت نے اس کو تخت غزنہ پر بٹھایا[2]،

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ سبکتگین کو الپتگین کے عہد میں کوئی خاص امتیاز حاصل نہ تھا، اس کے زمانہ میں اس سے زیادہ بااثر ترک موجود تھے، اور اسی سبب سے دوسرے لوگ الپتگین کے جانشین ہوتے رہے، سبکتگین کی اصلی شہرت اسحاق کے وقت سے شروع ہوئی، جب کہ وہ امیر انوک سے شکست کھا کر بخارا برائے امداد گیا تھا، اور اس نے اس کا اس مصیبت میں ساتھ دیا، اسحاق نے بخارا سے واپسی کے بعد جب غزنہ پر دوبارہ قبضہ کیا تو سبکتگین اس کا سکرٹری (مدار المہام) ہوگیا[3]، پھر ملکاتگین کے عہد میں بھی اسی عہدہ پر رہا[4]، البتہ امیر پری کے زمانہ میں ایسا نظر آتا ہے کہ وہ فوج کا سپہ سالار ہو گیا تھا،

پس معلوم ہوا کہ فرشتہ کا یہ بیان صحیح نہیں ہے کہ الپتگین کے عہد میں وہ سپہ سالار تھا، اور اس نے لمغان اور ملتان پر حملہ کیا، اور اس وقت ملتان کے تخت پر شیخ حمید تھا، کیونکہ الپتگین ۳۵۱ھ میں غزنہ پر قابض ہوا اور ۳۵۲ھ میں انتقال کر گیا، اور اس وقت تک ملتان میں کوئی انقلاب نہیں ہوا تھا، اور بنو سامہ کی سلطنت بدستور قائم تھی، چنانچہ ابن حوقل جب ۳۶۷ھ میں ملتان آیا ہے

---

[1] طبقات ناصری ص۷ کلکتہ [2] ایضاً [3] طبقات اکبری ص۵ جلد اول کلکتہ [4] طبقات ناصری ص۷،

تو اس وقت تک بنو سامہ ہی کی حکومت تھی، غالباً جلم بن شیبان نے ملتان پر ۳۶۲ھ کے بعد قبضہ کیا، بس یہ تو کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا کہ الپتگین کے عہد میں شیخ حمید تھا، البتہ یہ ممکن ہو کہ الپتگین نے غزنہ پر قبضہ کرنے کے بعد مختلف اطراف میں لوٹ مار اور بدامنی پیدا کرنے کے لئے اپنی فوجوں کو بھیجا ہو، اور اسی میں سبکتگین بھی ہو جو اچانک یلغار کرتا ہوا ملتان پر آگیا ہو، اور لوٹ مار کر کے واپس ہو گیا ہو، جیسا کہ علاء الدین خلجی دولت آباد (دیوگیر) پہنچ گیا تھا، اور ہو سکتا ہے کہ اسی لوٹ مار اور اچانک حملہ سے بنو منبہ (بنو سامہ) بہت کمزور ہو گئے ہوں، مالی اور فوجی طاقت زائل ہو گئی ہو جس نے جلم بن شیبان کے انقلاب کے لئے راستہ صاف کر دیا، جیسا کہ محمد شاہ کے عہد میں نادر شاہ کے حملہ نے دہلی کی رہی سہی طاقت بھی زائل کر دی، اور مرہٹوں کے لئے راستہ بالکل صاف ہو گیا اب صرف ایک بات رہ گئی کہ شیخ حمید کا جلم بن شیبان سے کیا تعلق تھا، بظاہر تاریخ سے تو اس کا کوئی پتہ نہیں چلتا، ہو سکتا ہے کہ اس کا لڑکا ہو، کیونکہ اسماعیلی تاریخ میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں، کہ داعی کا لڑکا داعی اور والی کا بیٹا والی بنایا گیا ہو جیسا کہ افریقہ، سسلی اور گجرات کی تاریخوں سے واضح ہے،

شیخ نصر کسی تاریخ سے یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ شیخ حمید کا کب انتقال ہوا، اور کتنی مدت اس نے حکومت کی اور اس کا لڑکا نصر برسرِ حکومت بھی تھا یا نہیں،

امیر سبکتگین اور شیخ حمید کا معاہدہ غالباً ۳۸۲ھ میں ہوا، اور اس کے بعد سبکتگین خراسان کے معاملہ میں کچھ ایسا الجھا کہ مرکر ہی اٹھا، ۳۸۷ھ میں اس کے انتقال کے بعد امیر محمود اس کا جانشین ہوا، امیر محمود بھی ابتدا میں زیادہ خراسان ہی کی طرف رہا، اور جب اس طرف سے اطمینان ہو گیا تو غزنہ واپس آیا، پھر ہندوستان کی طرف اس نے توجہ کی، اور ۳۹۲ھ میں ریاست وسطِ ہند کو فتح کیا،[1]

[1] زین الاخبار ص ۶۶ برلن، و حدود العالم ذکر ہند مطبوعہ طہران،

جو قندھار کے علاقہ میں راجہ جے پال کے ماتحت راجپوتوں کی ایک مشہور ریاست تھی،

۳۹۶ھ میں محمود نے جب ملتان پر پہلا حملہ کیا ہے، تو اس وقت ملتان کے تخت پر شیخ ابو الفتوح داؤد بن نصر تھا، پس شیخ حمید سے لے کر داؤد تک ۱۵-۱۶ برس کا عرصہ ہوا، اس عرصہ میں ترکوں نے ملتان میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کی، یہ دلیل اس بات کی ہے کہ شیخ حمید اور اس کا لڑکا نصر (بشرطیکہ یہ ثابت ہوجائے کہ نصر نے بھی حکومت کی) دونوں ترکوں کے مطیع اور وفادار رہے

فتح ابو الفتوح داؤد بن نصر ۳۹۶ھ

معلوم نہیں کہ کب تخت نشین ہوا لیکن ۳۹۶ھ سے اس کا تخت ملتان پر قبضہ یقینی ہے، فرشتہ اس کے متعلق لکھتا ہے کہ شیخ حمید کے تعلقات سبکتگین کے ساتھ بڑے خوشگوار رہے، لیکن اس کا پوتا ابو الفتح (ابو الفتوح) داؤد بن نصیر (نصر) بن حمید جو ملاحدہ (اسماعیلیہ) میں سے تھا، ابتدا میں اس کا طرز عمل اپنے باپ دادوں کے قدم بقدم رہا، لیکن ۳۹۵ھ میں اس نے غیر وفادارانہ حرکت کی ہے[2]

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ ابو الفتوح داؤد بن نصر ۳۹۵ھ یا اس سے قبل تخت نشین ہو چکا تھا،

ملتان کی سرحد سے متصل ایک مضبوط قلعہ مقام بھاٹیہ میں تھا، اگرچہ اس کا قلعہ لاہور کے تابع تھا، مگر اس کا حاکم بجے راؤ لاہور کے راجہ کی پرواہ نہیں کرتا، تقریباً اپنے کو خود مختار سمجھتا، انہی دنوں اپنی طاقت کے نشہ میں چور ہو کر غزنہ کے حکام کے ساتھ کسی سرحدی معاملہ میں بدعنوانی سے پیش آیا، سلطان محمود کو جب اس کی خبر ہوئی تو ۳۹۵ھ میں ایک جرار لشکر لے کر ملتان کی سرحد سے گذرتے ہوئے بھاٹیہ (بھاٹیہ) جا پہنچا، بجے راؤ نے اپنی شکست سے مایوس ہو کر خودکشی کر لی، قلعہ فتح ہو گیا، اور محمود مال غنیمت لے کر غزنہ واپس آیا،

---

[1] عربی تاریخوں میں اس کا نام ابو الفتوح داؤد بن نصر ہے [2] فرشتہ جلد اول صفحہ ۲۴ نولکشور،

چونکہ یہ جنگ ملتان کی سرحد پر ہوئی تھی، اس لئے سلطان محمود کو بجا طور پر یہ خیال تھا کہ ملتان کی ریاست اس معاملہ میں ہر طرح کی امداد دے گی، لیکن غالباً معاملہ اس کے برعکس ہوا، نوجوان داؤد نے اپنی ناتجربہ کاری سے ترکوں کی امداد نہ کی، بلکہ اس کے برخلاف ایسی کارروائیاں کیں جس سے محمود ناراض ہوگیا، محمود اس وقت تو کچھ نہ بولا، لیکن غزنہ پہنچکر فوجی تیاری میں مشغول ہوگیا، ۳۹۶ھ میں تازہ دم فوج لے کر ملتان پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوا مگر وہ خوب جانتا تھا کہ اگر میرے اس حملہ کی خبر داؤد کو ہوگئی تو وہ اپنے بچاؤ کی فوراً کوئی تدبیر کرے گا، اس لئے درۂ بولان کے قریبی راستہ کو چھوڑ کر درۂ خیبر کی طرف سے دریائے سندھ پار اترنا چاہا، لاہور کے تخت پر اس وقت جے پال کا لڑکا انند پال تھا، اور یہ علاقہ اسی کے ماتحت تھا، محمود نے اس سے کہا کہ مجھے راستہ دیدو تاکہ آسانی کے ساتھ میں ملتان چلا جاؤں، انند پال نے کسی صورت سے اپنی رضامندی ظاہر نہ کی بلکہ جنگ کے لئے تیار ہوگیا،

سوال یہ ہے کہ انند پال نے ایسا کیوں کیا؟ ممکن ہے کہ اس نے ایسا سمجھا ہو کہ محمود کی فوج جب ملک میں ایک دفعہ آجائے تو شاید قبضہ نہ کرلے، لیکن تاریخ الفی میں لکھا ہے کہ اس حملہ کی خبر ابو الفتوح داؤد کو بھی ہوگئی، وہ یہ سن کر بہت گھبرایا (اور غالباً لاہور کے راجہ سے اس کا معاہدہ تھا، کہ وقت پر ایک دوسرے کی مدد کرے) اس لئے اس نے راجہ انند پال کو اس کی اطلاع دی، اور اس نے حق ہمسائگی اور سیاسی مصلحت کی بنا پر ایک فوج لے کر محمود کا راستہ روکنے کے خیال سے پشاور پہنچا، دونوں میں جنگ ہوئی، راجہ شکست کھا کر بھاگا، ترکوں نے اس کا تعاقب دریائے چناب تک کیا، راجہ نے جب بلا اپنے پیچھے آتے دیکھی تو اس نے بھاگ کر کشمیر کے دروں میں پناہ لی،[1]

[1] تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ ۲۴ و صفحہ ۲۵ نولکشور،

محمود نے بھی اس کا پیچھا چھوڑ دیا، اور بھٹنڈا کی راہ سے ملتان جا پہنچا۔ داؤد نے بچشم عبرت دیکھا کہ انند پال جو اس سے زیادہ طاقتور راجہ تھا، اس پر کیا گذری تو اس نے مقابلہ کرنا مناسب نہ سمجھا، اور قلعہ بند ہو گیا، محمود نے فوراً قلعہ کا محاصرہ کر لیا، یہ محاصرہ سات روز تک رہا، آخر شہر کے معزز لوگوں نے یہ دیکھ کر دونوں میں صلح کرادی اور معاہدہ میں یہ طے ہوا کہ امیر ملتان ہر سال دو لاکھ درہم غزنہ بطور خراج بھیجا کرے[1]، اور غالباً یہ بھی طے ہوا کہ ملتان کا ایک حصہ جو غالباً دریائے سندھ سے متصل تھا وہ محمود کو دے دیا جائے،

اس قیاس کی وجہ یہ ہے کہ تاریخوں میں درج ہے کہ دوسری دفعہ جب وہ ملتان پر حملہ آور ہوا، تو بقیہ ملک پر بھی قبضہ کر لیا[2]، اور یہ کام محمود نے صرف اس لئے کیا کہ آیندہ اگر پھر اس قسم کی مہم کی ضرورت پیش آئی تو چکر کاٹ کر دوسروں کے ملکوں سے آنے کی ضرورت پیش نہ آئے، اور چونکہ دونوں کی سرحد اب متصل ہو گئی اس لئے حملہ کے وقت فوجی نقل وحرکت آسانی سے ہو سکے گی،

محمود اس طرف سے اطمینان کر کے غزنہ واپس چلا گیا، لیکن یہ بات اس کے دل میں کھٹکتی رہی کہ انند پال نے مزاحمت کر کے خواہ مخواہ اس کا نقصان کیا۔ وہ طاقت جو ملتان کی فتح میں صرف ہوتی انند پال کے مقابلہ میں خرچ ہوئی، اس لئے انند پال کو سبق دینے کا اس نے مصمم ارادہ کر لیا تھا، مگر اتفاق سے ایلک خاں ترکوں کے بادشاہ نے اس کے ملک پر حملہ کر دیا، اس کی مدافعت کے لئے اس کو خراسان جانا پڑا، ترکوں پر فتحیاب ہو کر واپس ہونے ہی والا تھا کہ ربیع الآخر ۳۹۸ھ میں اس کو خبر ملی کہ سکھ پال نو مسلم جس کو ملتان کے مفتوحہ ممالک کا والی بنایا تھا، باغی ہو گیا ہے اس لئے یلغار کرتا ہوا

---

[1] زین الاخبار ص ۶۷ و ص ۶۸ برلن، لیکن عتبی نے دو کروڑ درہم لکھا ہے اور ایلیٹ صاحب نے فرشتہ کے حوالہ سے بیس ہزار دینار لکھا ہے اور تحفۃ الکرام جلد دوم ص ۱۱ بمبئی میں صد ہزار دینار (دس کروڑ درہم) تحریر کیا ہے،

[2] زین الاخبار ص ۷، وطبقات اکبری ص ۱ جلد اول کلکتہ،

غزنہ واپس گیا، جہاں باغی گرفتار کرکے لایا گیا تھا،

اب اس کو ایک گونہ اطمینان تھا، اس لئے انندپال کی گوشمالی کے لئے ایک فوج تیار کی۔ انندپال کو بھی اس کی خبر ہوگئی، اس نے دیکھا کہ تنہا محمود سے نبٹنا بہت مشکل ہے، اس لئے اس نے اس جنگ کو ایک قومی جنگ کا رنگ دے کر ہندوستان کے تمام شمالی ہند بلکہ مالوہ اور گجرات کے راجاؤں کو بھی اس جنگ میں شرکت کی دعوت دی، ان لوگوں نے بھی اس کی دعوت پر لبیک کہا، اور کوشش کی گئی کہ اس کا جوش عوام تک پھیل جائے، چنانچہ اس تبلیغ کا یہ اثر ہوا کہ ملکی یا قومی جنگ کے عوض اب یہ مقدس جنگ (جہاد) قرار پائی، خواص سے لے کر عوام تک نے اس میں ہر طرح سے حصہ لیا، یہاں تک کہ عورتوں نے اپنا زیور بیچ کر، بوڑھی عورتوں نے چرخہ کات کر اور غریبوں نے مزدوری کرکے اس کے سرمایہ میں چندہ دیا، غالباً اسی جوش وخروش کو دیکھ کر ملتان کے امیر نے بھی اس میں شرکت کی، اس نے خیال کیا ہوگا کہ ہندوستان کے تمام راجوں کی متفقہ فوج کے مقابلہ میں محمود ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتا، پس اگر ملکی لوگوں کا اس وقت ساتھ دیا جائے تو سیاسی اعتبار سے دو فائدے ہوں گے، اول محمود سے آزادی حاصل ہوجائے گی، اور دوسرے راجاؤں سے اتحاد ہوجانے کے باعث ان کی دست درازی سے بھی بچتے رہیں گے،

غرض ہندوستانی راجاؤں کی متحدہ فوج پنجاب پہنچی، اور انندپال کے ماتحت روانہ ہوکر پشاور کے میدان میں خیمہ زن ہوئی، ان لوگوں نے خیال کیا ہوگا، کہ جس طرح ۵۲۸ء میں سفید ہنوں کے سردار مہرگل کو ہندوستان کی متحدہ فوج نے نکال باہر کیا، اور سفید ہنوں سے ہندوستان کی زمین پاک ہوگئی، اسی طرح ترکوں کے وجود سے بھی ہندوستان کی خاک پوتر ہوجائے گی،

۳۹۹ھ میں محمود بھی اپنی فوج لئے آپہنچا، اور ان کے مقابل ٹھہر گیا، چالیس روز تک آمنے سامنے دونوں مقیم رہے، مگر کسی نے ایک دوسرے پر حملہ نہ کیا، لیکن محمود نے دیکھا کہ ہندوستانی فوج

روزانہ بڑھتی جاتی ہے اور ہر طرف سے ہر روز ان کو نئی امداد مل رہی ہے، تو اس نے پہلے یہ حکم دیا کہ فوج کی دونوں جانب خندقیں کھودی جائیں جب خندقیں تیار ہوگئیں تو ایک ہزار تیر اندازوں کو آگے بڑھنے کا حکم کیا، چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوتے ہی جنگ شروع ہوگئی، اور ہر دو طرف کے سوار قوت آزمائی کرنے لگے، غزنوی فوج اس فکر میں تھی کہ ہندوستانی فوج کو آہستہ آہستہ اپنے مرکز کی طرف کھینچ لے آئے پھر ان کو محاصرہ میں لے لے، یا متحدہ حملہ سے ان کو پاش پاش کر دے، ترک تقریباً اس میں کامیاب ہو چکے تھے، کہ باوجود انتہائی حفاظت کے اچانک تین ہزار گکھر (یا کھوکھر) پہاڑی قوم خندق پار ہو کر فوج میں گھس آئی اور قتلِ عام شروع کر دیا، تین چار ہزار ترک شہید ہو گئے، فوج میں اس طرح ابتری پیدا ہو گئی کہ خود محمود کو بھی فوج سے علیحدہ ایک گوشۂ عافیت میں پناہ لینی پڑی، بڑی مشکل سے ان کو اسلامی لشکر سے باہر کیا، غالباً محمود نے ان کو جلد دفع کرنے کے خیال سے جنگ دوسرے دن پر موقوف کرنے کا ارادہ کیا، ابھی معرکہ ختم نہیں ہوا تھا کہ اچانک شور وغل اور نفط اندازوں کی آگ سے گھبرا کر انند پال کا ہاتھی بھاگا، اس کی فوج نے شکست پر محمول کیا، وہ بھی بھاگی، دوسرے ساتھیوں نے بھی یہ دیکھ کر ان کا ساتھ دیا، اس طرح انند پال کی متحدہ فوج کو خود بخود شکست حاصل ہو گئی[1]

غالباً سلطان محمود کو امیر ملتان کی اس روش سے بیحد غصہ آیا ہوگا، ایسے وقت میں وہ بجا طور پر اس سے امداد کا متوقع تھا، اس لئے ایسے منافق دوستوں سے ملک کو پاک کر دینا اس نے اپنا فرض سمجھا، مگر اس کی خواہش تھی کہ ۳۹۶ھ کی طرح وہ ناکام واپس نہ جائے، اس لئے وہ غالباً اس وقت اپنے غصہ کو پی گیا، اور امیر ملتان سے کوئی پرسش نہیں کی وہ چاہتا تھا کہ اچانک اس پر اس طرح حملہ کیا جائے کہ کسی طرح بچ کر نہ نکل سکے،

چنانچہ محمود توجہ پھیرنے کے خیال سے ۳۹۹ھ میں نگر کوٹ (کانگڑا) کے قلعہ بھیم کی طرف

---

[1] خلاصہ از فرشتہ جلد اول صفحہ ۲۶ نولکشور،

روانہ ہوا، یہ ایک سرحدی مقام تھا، اور ہر فاتح اس کی اہمیت کو کافی طور پر سمجھتا تھا، اسی سبب سے عرب فاتحوں نے بھی اس پر توجہ کی تھی، دوسری صدی ہجری میں یہاں ایک ریاست چنیاپت کے نام سے تھی، اور اسی کے ماتحت یہ تمام علاقے تھے[1]، جنید والیِ سندھ نے اس ریاست کے تمام سرحدی قلعے اپنے زیرنگیں کرلئے تھے، لیکن اس کے بعد پھر ملکی لوگ اس پر قابض ہوگئے،

محمود نے ایک تو سرحدی مقام ہونے کے باعث اس پر قبضہ ضروری سمجھا تھا، دوسرے جب تک اس پر اس کا قبضہ نہ ہوجاتا ان گھکھروں دکھوکھر کو کافی سزا نہ دے سکتا جس کی گوشمالی کے لئے یہ فوج کشی کی گئی تھی، کیوں کہ یہ پہاڑی قوم انہی اطراف میں رہتی تھی، بلکہ ابتدا سے سلطنت مغلیہ تک اسی جگہ اس کا قیام تاریخوں سے ثابت ہے، یہ بڑی ہی فتنہ انگیز اور شریر قوم تھی، اور تاوقتیکہ مسلمان ہوکر بڑے بڑے عہدوں پر نہ پہنچ گئی ہمیشہ پنجاب کے حاکم کو ستاتی رہی،

غرض سلطان محمود غزنوی نے اس کا تین دن محاصرہ رکھا تھا کہ صلح سے اس پر قابض ہوگیا، اور مالِ غنیمت لے کر غزنہ واپس آیا[2]،

۴۰۱ھ میں اس نے پہلے غوریوں پر حملہ کرکے فتح حاصل کی، پھر ایک بڑی فوج لے کر اس تیزی سے ملتان آگیا کہ ملتانیوں کو تیاری کا موقع نہ مل سکا، غالباً یہ لوگ قلعہ بند ہوگئے، مگر محمود نے ایک زبردست اور پرزور حملہ کرکے ملتان فتح کرلیا، پھر ایک باغی شہر کا جو حال ہوسکتا تھا وہ اس کا ہوا، اس نے باغیوں کو سخت سے سخت سزا عبرت کے لئے دی، کسی کا ہاتھ اور پیر کاٹ ڈالا، کسی کو قتل کیا، اور بڑی تعداد کو قید کردیا، انہی میں شیخ داؤد بن نصر بن حمید بھی تھا، جس کو گرفتار کرکے محمود غزنہ لے گیا، یہ قلعہ غورک میں اس وقت تک نظربند رہا کہ اس جہان سے چل بسا[3]،

---

[1] غالباً چنبہ کے نام سے آج جو ریاست راوی اور چناب کے منبع کے درمیان موجود ہے یہی چنیاپت ہو [2] سلطان محمود غزنوی کی فتوحات کا تحریر کرنا چونکہ میرا مقصود نہیں ہے اس لئے اس کی تفصیل نظرانداز کردی ہے [3] زین الاخبار ۶۶ برلن،

اب صوبہ ملتان پر محمود غزنوی کا مکمل قبضہ ہو گیا، یہاں اس نے ایک حاکم مقرر کر دیا، محمد بن قاسم نے جب ملتان فتح کیا تو دیکھا کہ ملتان کی آبادی اور اس کا تمول فقط اس بت کے سبب سے ہے جس کی جاترا کے لیے لوگ دور دور سے آتے ہیں اور بیش قیمت نذرانے اس کے آگے رکھتے ہیں، پس اس نے بت کے گلے میں گائے کا گوشت ڈال کر چھوڑ دیا[1]، جس سے اس کا مقصود فقط یہ دکھانا تھا کہ اس میں خدائی کوئی طاقت نہیں،

پھر لکھتا ہے کہ محمد بن قاسم نے یہاں ایک جامع مسجد تیار کرائی، لیکن جب جلم بن شیبان نے ملتان پر قبضہ کیا، تو اس نے اس بت کو توڑ ڈالا، اور اس کے پجاریوں کو قتل کر دیا، اور وہ محل جو اینٹوں سے زمین کے کسی بلند حصہ پر تیار ہوا تھا، اور جس میں وہ بت تھا جلم بن شیبان نے اسی جگہ ایک جامع مسجد تیار کی، اور محمد بن قاسم کی بنوائی ہوئی جامع مسجد اس لئے بند کر دی کہ وہ بنی امیہ کے عہد کی یادگار تھی، پھر سلطان محمود غزنوی نے جب ملتان پر قبضہ کیا تو پہلی مسجد یعنی محمد بن قاسم کی مسجد کو آباد کیا اور جلم بن شیبان کی بنائی ہوئی دوسری مسجد کو بند کر دیا،[2]

منصورہ کے اسمٰعیلی

منصورہ پر اسماعیلی کب قابض ہوئے، اس کے متعلق کوئی صحیح بات نہیں کہی جا سکتی، ۳۷۵ھ تک تو یقینی طور پر یہاں ہباری خاندان کی حکومت تھی[3]، اور مذہبی طور پر ابو داؤد ظاہری محدث کے مقلد تھے، کیونکہ اسی سنہ میں بشاری مقدسی آیا ہے، اور بڑے اچھے الفاظ میں ان کی تعریف کی ہے، لیکن ابن اثیر نے سنہ ۴۱۶ھ کے حالات میں لکھا ہے کہ یہ لوگ قرامطہ (اسماعیلی) تھے[4]، یہ تو یقینی ہے کہ منصورہ، ملتان کے ماتحت نہ تھا، یہ بھی نہیں ہو سکتا ہے کہ ۳۷۵ھ اور ۴۱۱ھ

۱؎ مگر اس کی تائید کسی دوسری تاریخ سے نہیں ہوتی ہے ۲؎ کتاب الہند بیرونی صفحہ ۵۶ لیڈن ۳؎ احسن التقاسیم صفحہ ۴۷۹ ۴؎ کامل جلد ۹ ص ۲۲۳ لیڈن،

کے درمیان اس پر ملتانی اسماعیلیوں نے قبضہ کیا ہو، کیونکہ ایسی صورت میں جب سلطان محمود کا قبضہ ملتان پر ہوا تو جس طرح ملتان کے تمام اضلاع اور قلعوں پر حکومت کے لئے اس نے والی بھیجے منصورہ پر بھی بھیجا ہوتا، مگر کہیں اس کا تذکرہ نظر سے نہیں گذرا، اب صرف دو صورتیں رہ گئیں،

(۱) پہلی صورت یہ ہے کہ سنہ ۳۷۵ھ سے لے کر سنہ ۳۹۶ھ کے درمیان زمانہ میں اسماعیلیوں نے منصورہ میں بھی ایسا ہی انقلاب کیا ہو جیسا ملتان میں کیا تھا، لیکن منصورہ کی اسماعیلی حکومت اب بھی ملتان سے الگ رہی ہو، پس اسماعیلیوں کی گویا دو حکومتیں علیحدہ علیحدہ تھیں، ایک ملتان میں، اور دوسری منصورہ میں، اس لئے سلطان محمود غزنوی کے ملتان کے حملہ کا منصورہ پر کوئی اثر نہ پڑا ہو

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ سنہ ۴۰۱ھ میں جب سلطان محمود نے ملتان پر قبضہ کر لیا اور داؤد کو گرفتار کر کے غزنہ بھیجدیا تو اسماعیلیوں نے اپنی منتشر طاقت کو مجتمع کر کے اچانک منصورہ پر قبضہ کر لیا ہو کیونکہ ہباری خاندان اس وقت بہت کمزور ہو رہا تھا، اس کے مقبوضات کے کچھ حصے پر دوسرے اس وقت قابض تھے،

ان دونوں نظریوں کے متعلق ابھی وقت تک کوئی علمی شہادت دستیاب نہیں ہوئی، البتہ قیاس سے دوسری صورت کو ترجیح دی جا سکتی ہے،

منصورہ کی حکومت کا خاتمہ

غرض منصورہ میں سنہ ۴۱۶ھ تک اسماعیلیوں کی خودمختار سلطنت تھی، سنہ ۳۷۵ھ میں اس کے حدود یہ تھے، دریائے سندھ کے شمال مشرق میں ارور تک، اور شمال مغرب میں سدوسان کا علاقہ شامل تھا، مشرقی جنوب میں کاہل سندھ کی سرحد تھی، اور مغربی جنوب میں دیبل، قنبلی اور ارمائیل اس کی آخری حد تھی،

۲۵ برس کے بعد سلطنت کی کمزوری سے ممکن ہے کہ حدود میں کچھ تغیر آگیا ہو، خاص کر قنبلی اور ارمائیل کا علاقہ مکران میں شامل ہوگیا ہو، کیونکہ ان دونوں سرحدی طاقتوں کے لئے اکثر مکران کے

والی لڑتے رہے ہیں، اور جب کبھی منصورہ سے زیادہ طاقتور ہوتے تو یہ دونوں علاقے دبا لیتے، اس لئے ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں علاقے والیِ منصورہ کے ماتحت نہ ہوں،

تاریخ کامل میں ابن اثیر نے لکھا ہے کہ محمود نے منصورہ کی (قرامطہ) اسمٰعیلی سلطنت کا خاتمہ کردیا، یہ وہ زمانہ ہے کہ محمود غزنوی ہندوستان کے ان تمام راجاؤں سے ایک ایک کرکے بدلہ لے رہا تھا جنھوں نے انندپال کے ساتھ مل کر محمود پر حملہ کیا تھا، اور بلا وجہ محمود کو دعوتِ جنگ دی تھی چنانچہ قنوج، کالنجر، گوالیار وغیرہ کو شکست دے چکا تھا، اب گجرات کے راجہ کی باری تھی، اس نے ۴۱۶ھ میں ایک بڑے لشکر کے ساتھ ملتان اور جیسلمیر ہوکر راجپوتانہ کے صحراے اعظم کو طے کیا، اور گجرات جا دھمکا، راجہ خود کاٹھیاوار بھاگا، محمود نے وہاں بھی تعاقب کیا، یہاں سے کنتھ کوٹ چلا گیا، سلطان وہاں بھی جا پہنچا[۱]، آخر وہ پہاڑوں میں جا گھسا، محمود فتح یاب ہوکر کچھ کے چھوٹے رن سے سندھ آیا، اور چونکہ اس راستہ میں لشکر نے پانی کے نہ ملنے سے بڑی تکلیف اٹھائی تھی، اس لئے وہ دریاے سندھ کے کنارے کنارے ملتان جانے کا قصد رکھتا تھا، مگر یہ راستہ منصورہ کی سلطنت سے ہوکر جاتا تھا اس لئے قدرتی طور پر منصورہ کے والی کو ناگوار ہوا ہوگا، اور دوسرے ان کو یہ بھی شبہہ ہوا ہوگا کہ شاید محمود اس بہانہ سے میرے ملک پر قبضہ کرنا چاہتا ہے، کیونکہ ملتان پر وہ قبضہ کرچکا تھا، اس طرح وہ حقیقی دشمن بھی تھا، اس لئے والیِ منصورہ نے چاہا ہوگا کہ کسی صورت سے اس کی روک تھام کرے اور محمود کو راستہ بدلنے پر مجبور کردے، لیکن محمود کا یہ راستہ اختیار کرنا بالکل اچانک تھا، منصورہ والے قبل سے جنگ کے لئے تیار نہ تھے، انھوں نے یہ حرکت کی ہوگی کہ خود تو پسِ پردہ رہے، اور دریاے سندھ کے کنارے کے جاٹوں اور میدوں کو ابھار دیا ہوگا، اور حتی الامکان خفیہ طور پر ان کی

۱؎ دیوان فرخی ۵۸، مطبع کابل شور ۱۳۲۵ھ، گجراتی تاریخوں میں بھی یہی ہے، مگر پروفیسر ناظم صاحب نے محمود کی لائف میں نہ معلوم کس طرح یہ قیاس کیا ہے کہ کنتھ کوٹ سے مراد جزیرہ سنگھودرنا ہے،

امداد کرتے ہوں گے، جیسا کہ اس زمانہ میں بھی کابل پر حملہ کے وقت پٹھانوں نے بارہا انگریزی فوج کے ساتھ یہ حرکت کی جن کو خلیج فارس کے ذریعہ، روس یا جرمنی سے برابر امداد ملتی تھی، چنانچہ محمود نے جب سندھ میں قدم رکھا، اور راستہ طے کرنا شروع کیا تو ان سندھیوں نے فوج کو بہت تنگ کیا محمود گردیزی لکھتا ہے، کہ "سلطان محمود منصورہ کے راستہ سے دریائے سندھ کے کنارے ملتان کی طرف چلا، اس راستہ میں لشکر پر بڑی مصیبت آئی، صحرا کے ریگستان اور سندھ کے جاٹوں سے بہت تکلیف پہنچی، اس سبب سے بہت آدمی اور جانور ہلاک ہوگئے"[1]

فرشتہ نے لکھا ہے کہ "سندھ کے جاٹوں نے سومناتھ سے واپسی کے وقت سلطان محمود کے لشکر کو طرح طرح سے تکلیف دی، اور ان کے ساتھ سخت بدتمیزی سے پیش آئے"[2]

محمود اور اس کے لشکر نے جہاں تک ہوسکا اس کا علاج کیا، رات کو سامان ذخیرہ جو لوٹ لیجاتے تھے اس کا بھی انتظام کیا، منصورہ (برہمن آباد) کے مقابل جب سلطان آیا تو غالباً اب اس کو اصل حقیقت معلوم ہوئی ہوگی، اس نے مناسب سمجھا کہ منصورہ والوں سے پہلے سمجھے، اس لئے اس نے فوراً منصورہ پر حملہ کردیا، منصورہ والوں میں اس اچانک حملہ کو روکنے کی طاقت نہ تھی اس لئے اس شہر کے امیر خفیف نے وہاں سے بھاگ کر جھاڑیوں میں جان چھپانی چاہی، سلطان کو جب اس کی خبر ہوئی تو وہ بھی تعاقب کرتا ہوا اس جگہ جا پہنچا، اور دو طرف سے گھیر کر حملہ کردیا منصورہ والوں میں سے اکثر تو مارے گئے، کچھ دریا میں غرق ہوگئے اور بہت تھوڑے لوگ جان بچا کر بھاگ جانے میں کامیاب ہوئے، ابن اثیر نے لکھا ہے:۔

"اور سلطان نے منصورہ کا قصد کیا، یہاں کا والی اسلام سے پھر گیا تھا، (یعنی اسماعیلیہ ہوگیا تھا) تو جب اس کو سلطان کی آمد کی خبر ہوئی تو شہر سے نکل گیا، اور اپنے

[1] زین الاخبار صفحہ ۸۶ برلن [2] فرشتہ جلد اول صفحہ ۳۵ نولکشور،

آدمیوں کو لے کر جھاڑیوں میں چھپ گیا، سلطان محمود نے اس کا تعاقب کیا، اور دو طرف سے اس پر حملہ آور ہوا، اس میں بہت سے آدمی مارے گئے اور بہت سے دریا میں ڈوب گئے، تھوڑے سے بچ گئے، پھر بھاٹیہ ہوتا ہوا غزنہ چلا گیا، جہاں ۱۰ صفر ۴۱۷ھ میں پہنچا۔[1]

سلطان محمود کا درباری شاعر حکیم فرخی سیستانی اس سفر میں سلطان کے ساتھ تھا، اس نے واپسی کے بعد سلطان کی مدح میں ایک طویل قصیدہ لکھا ہے، اس میں اس سفر کے واقعات بہ تفصیل لکھے ہیں، منصورہ کے متعلق لکھتا ہے کہ "سلطان سومناتھ کے بعد کندھ (کنتھ کوٹ) کے قلعہ پر حملہ آور ہوا، اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، پھر منصورہ کی طرف روانہ ہوا، وہاں کا امیر خفیف نامی تھا، وہ یہ سن کر منصورہ سے بھاگ نکلا، حالانکہ اس کے پاس جنگی ہاتھی، لشکر، مال سب کچھ موجود تھا پھر بھی وہ سلطان کا مقابلہ نہ کر سکا۔[2]

یہ ایک چشم دید گواہ کا بیان ہے جس پر شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں، اس نے منصورہ کے بادشاہ کا نام "خفیف" لکھا ہے، اور یہ نام ان ناموں سے مشابہ ہے جو تاریخوں میں سومری اسمٰعیلیوں کے مذکور ہیں، چنانچہ سومریوں کے ناموں میں جہاں "بھونگر"، "دودا"، "چنیسر" وغیرہ ہیں، وہاں ایک نام "خفیف" بھی ہے،[3]

اس نام کی مشابہت سے میرے اس خیال کی تائید ہوتی ہے جو منصورہ کے انقلاب کے متعلق میں نے اوپر تحریر کیا ہے، یعنی منصورہ کے انقلاب کو ملتان کے اسمٰعیلیوں سے کچھ تعلق نہ تھا، وہ خالص عرب تھے، ملتان کی تباہی کے بعد وہ پھر نہ جم سکے، بخلاف اس کے منصورہ کے اسمٰعیلی مقامی باشندے (سندھی مسلمان) تھے، جو عرب و سندھ کی مخلوط النسل قوم تھی، اور عرصۂ دراز سے سندھ میں یہ لوگ آباد تھے، ان کی چھوٹی بڑی زمینداری بھی تھی، غالباً انہی زمینداروں میں سے خفیف کا خاندان تھا

---

[1] کامل لابن اثیر جلد ۹ ص ۱۱۹ مصر [2] دیوان فرخی ص ۶۷ مطبوعہ کابل [3] معصومی بیان سومرہ [4] تحفۃ الکرام جلد سوم ص ۳۵ بمبئی۔

جو طاقتور ہو کر اچانک منصورہ پر قابض ہو گیا، منصورہ کی سلطنت ختم ہو جانے سے گو اسماعیلیوں کی ظاہری حکومت کا خاتمہ ہو گیا، مگر مصر سے روحانی تعلقات قائم رہے، کیونکہ مصری حکومت کا قاعدہ تھا کہ جہاں ظاہر حکومت نہ ہوتی، تو مرکزیت قائم رکھنے کے لئے مذہبی عمال ضرور بھیجتی، یا مقامی آدمی کو مذہبی خطاب دے کر وہاں کا حاکم تسلیم کر لیتی، جیسا کہ یمن اور گجرات میں ہوتا تھا، چنانچہ سندھ میں بھی ایسا ہی ہوا، کہ سومرہ نامی ایک طاقتور زمیندار کو ان لوگوں نے اپنا حاکم تسلیم کر لیا، اور یہی وہ خاندان ہے کہ جو ... محمود غزنوی کے بعد سلطان عبدالرشید غزنوی کے عہد میں جب سلطنت میں کمزوری کے سبب بدامنی پیدا ہوئی تو سندھ پر قبضہ کر کے خاندان سومرہ کا بانی ہوا جس کی مختلف شاخوں نے پانچسو برس حکومت کی[1]،

محمود کا سندھی جاٹوں پر حملہ

سلطان محمود نے منصورہ فتح کر لینے کے بعد یقیناً جاٹوں کو بھی سزا دینا چاہا مگر جاٹوں کی حالت کا اندازہ لگا کر اس کو کسی آیندہ وقت کے لئے موقوف رکھا، کیونکہ جاٹوں کے پاس پناہ کے لئے دو مقام موجود تھے، ایک تو کچھ اور مارواڑ کا ریگستان، اور دوسرا دریائے سندھ کا جزیرہ، جہاں کشتیوں پر سوار ہو کر بھاگ جاتے، اور محمود کے پاس اس وقت نہ تو کشتیاں تھیں، اور نہ ہی اس تھکی ہوئی فوج سے اب زیادہ کام لینا چاہتا تھا، اس لئے فتح منصورہ کے بعد ملتان ہوتا ہوا غزنہ چلا گیا، لیکن ان جاٹوں کو مطیع کرنے کا خیال اس کو ہمیشہ رہا،

۴۱۷ھ میں سلطان محمود لشکر لے کر ملتان آیا، اور حکم دیا کہ ایک ہزار چار سو کشتیاں اس طرح کی تیار کی جائیں کہ ہر ایک میں تین تین لوہے کے بڑے تیز برچھے ہوں، ایک آگے کے حصہ میں، اور دو دائیں بائیں، اور وہ اس قدر تیز ہوں کہ سخت سے سخت چیز پر بھی اگر ماریں تو اس کو وہ چیر دے[2]، کچھ دنوں کے بعد کشتیاں تیار ہو گئیں، فوج نے بھی آرام لے لیا، تو سلطان محمود نے ان کشتیوں

---

[1] اس کا مفصل بیان آگے آئے گا [2] زین الاخبار ص۸۹ برلن،

کو دریائے سندھ میں ڈال دیا، اور ہر ایک پر بیس بیس سپاہی سوار کئے جو تیر و کمان، سپر، اور نفط اندازی کے تمام سامان سے مسلح تھے، ان کی تعداد اٹھائیس ہزار تھی، باقی فوجوں کو.... دریائے سندھ کے دونوں بازوؤں (خشکی کے راستہ) سے روانہ کیا.

سندھی جاٹوں کو جب اس کی خبر ہوئی تو انھوں نے اپنے تمام اہل وعیال کو کشتی میں سوار کر کے کسی جزیرہ میں محفوظ مقام پر اتار دیا، اور خود چار ہزار کشتیاں (بقول بعض آٹھ ہزار) لے کر محمود سے مقابلہ کے لئے نکلے، ہر کشتی پر ایک مسلح جماعت سوار تھی، جب نزدیک آئے تو ترکوں نے ان پر تیر برسائے، اور روغن نفط سے ان کی کشتیوں میں آگ لگادی، اور جرأت کر کے جو نزدیک آگئے ان کو تیز آہنی شاخوں سے چیر چیر کر غرق کر دیا، اس طرح سے باوجود جاٹوں کے بہادرانہ حملوں کے ان کو ہر جگہ شکست ہوئی، بکثرت مارے گئے اور ان کی اکثر کشتیاں غرق کر دی گئیں، جو بچ گئے اور دریا کے کنارے اترے، خشکی کی فوجوں نے ان کو پکڑ کر قتل کر ڈالا کشتی کے سپاہی اس طرح جزیرہ تک پہنچ گئے جہاں جاٹوں کے اہل وعیال پناہ گزیں تھے،

ترکوں نے ان کے محافظین کو قتل کر ڈالا اور اہل وعیال کو گرفتار کر لیا، اس طرح سلطان محمود غزنوی مال غنیمت اور لونڈی غلاموں کے ایک انبوہ کے ساتھ ملتان واپس آیا، اور ۴۱۸ھ کے خاتمہ سے قبل غزنہ پہنچ گیا[1]،

اس فتح سندھ کے بعد سمندر (بحر عرب) سے لے کر ہمالیہ پہاڑ تک اور مشرق میں قنوج سے غزنہ تک تمام ملک اس کے زیر اقتدار آگئے،

---

[1] فرشتہ جلد اول ص لکھنؤ و زین الاخبار ص ۹۰ برلن،

(۴۴)

شاہانِ سومرہ

سومرہ کے متعلق مورخوں میں اختلاف ہے، الفنسٹن صاحب[۱] نے ان کو راجپوت ہندو لکھا ہے، الیٹ صاحب اور دیگر یورپین مصنفوں نے ان کو نومسلم راجپوت قرار دیا ہے[۲]، مولانا عبدالحلیم شرر نے سامرہ فرقہ سے نومسلم یہودی سمجھا ہے، اور حیرت ہے کہ تاریخ طاہری کے مصنف نے بھی ان کو ہندو کہا ہے[۳]، ان لوگوں نے اپنے دعوے کے متعلق کوئی دلیل پیش نہیں کی ہے، اس لئے میرا خیال ہے کہ فقط ان کے ہندوؤں کے جیسے ناموں نے مورخوں کو مشتبہ کردیا، پس انھوں نے ان کو ہندو یا نومسلم سمجھا، لیکن علامہ سید سلیمان ندوی نے "عرب و ہند کے تعلقات" میں ان کو عرب و ہند کی مخلوط النسل قوم قرار دیا ہے، جو بالکل قرینِ قیاس ہے،

(۱) جن لوگوں کی نظریں تاریخوں پر ہیں، وہ خوب جانتے ہیں کہ الپ تگین، سبکتگین، التونتاش، سنجر، بلبن، تولک، الپ ارسلان، قزل ارسلان وغیرہ اسلامی (عربی) نام نہیں ہیں، حالانکہ اپنے اپنے وقت میں یہ سب بہترین اسلامی حکمراں تھے، اس لئے فقط نام کی مشابہت سے سومرہ ہندو نہیں قرار دئے جا سکتے، | ہندو نہ تھے

بات یہ ہے کہ جو ممالک براہِ راست مرکزی حکومت کے ماتحت رہے، وہاں کے مسلمانوں کے نام یا تو سامانیوں کی طرح عربی ہوگئے، یا غزنہ اور بغداد کے ترکوں کے مثل اسلامی اور غیر اسلامی دونوں نام مشہور ہوئے، اس لئے مورخوں نے ان کو مسلمان ہی سمجھا، بخلاف ان ممالک کے

---

[۱] تاریخ ہند الفنسٹن حصہ پنجم [illegible] علی گڈھ [۲] انسائیکلوپیڈیا جلد ۲۵ [illegible] (۱۱) ایڈیشن [۳] تاریخ طاہری،

جہاں غیر مسلموں کی حکومت قائم تھی، اور اسلامی مرکز سے دور تھے، ایسے ممالک میں جو مسلمان آباد ہوئے، ان کا تعلق جب تک مرکز سے رہا، وہ اسلامی روایات سے وابستہ رہے، اور جب یہ تعلق کسی وجہ سے منقطع ہوگیا، تو مسلمان ذاتی اور ملکی فوائد حاصل کرنے اور نقصان سے بچنے کے لئے اس ملک کی حاکم قوموں میں بظاہر مل گئے، انہی کے جیسے نام، اور اسی ملک کا لباس اختیار کر لیا، تاریخ میں اس کی مثالیں بکثرت موجود ہیں، لیکن آج بھی اگر زندہ مثال دیکھنا چاہیں تو آپ کو برما اور چین کے مسلمانوں میں نظر آئے گی، جو آج سے تیس چالیس سال قبل اس طرح رہتے تھے کہ ان کو دیکھ کر کوئی غیر ملکی مسلمان نہیں سمجھتا تھا، گو ان ممالک میں جدید تعلیم سے آہستہ آہستہ انقلاب ہو رہا ہے، مگر گاؤں میں اس وقت بھی یہ نظارہ آپ آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں، کہ ان کا لباس ملکی لوگوں کی طرح ہوگا اور ان کے دو نام ہوں گے، باہر ملکی نام سے ان کو یاد کیا جائے گا، جیسے برہما میں "موں مونگ" "گو یاؤ"، اور چین میں ہونگ لستانگ" لیکن گھر میں ہر شخص ان کو محمد اور احمد، اسماعیل اور یونس کہے گا، انتہا یہ ہے کہ نقصان سے بچنے کے لئے وہ اپنی مسجدیں بھی ایسی بناتے ہیں کہ باہر سے غیر ملکی ان کو دیکھ کر کبھی نہ معلوم کر سکے کہ یہ مسجد ہے،

میرے خیال میں اسماعیلیوں کا یہی حال تھا، ان کا پہلا داعی ہیثم ۲۷۰ھ میں سندھ آیا، اور اپنے کام میں مصروف ہوگیا، آس پاس کوئی اسماعیلی (یا شیعہ) سلطنت نہ تھی جہاں سے بروقت ان کو فوجی مدد مل سکتی، ملتان، منصورہ، مکران اور کرمان وغیرہ سب سنی سلطنتیں تھیں، چونکہ خارجی اور سادات ہمیشہ انقلاب سلطنت کی فکر میں رہا کرتے تھے، اس لئے ان کی حیثیت ہر جگہ باغیوں کی جیسی تھی، جہاں یہ خود یا ان کے داعی رہتے، حاکموں کی چوکنی نگاہ ہر وقت ان پر پڑی رہتی، اس واسطے ان کے پاس کوئی طریقہ اس کے سوا نہ تھا کہ سندھ اور گجرات میں ہندو راجاؤں کے ماتحت امن سے رہیں،

۳۷۶ھ کے بعد انقلابِ سلطنت میں یہ کامیاب ہوئے، اس سو برس کی مدت میں چینیوں کی طرح یہ بالکل ملکی (سندھی) بن گئے،

دوسری بات یہ بھی قابلِ لحاظ ہے کہ شیعوں میں عموماً اور اسماعیلیوں میں خصوصاً تقیہ کا دامن اس قدر وسیع ہوتا ہے کہ اس کے نیچے ہر چیز چھپ جاتی ہے، اس لئے جہاں وہ رہے اپنے کو مضرت سے بچانے کے لئے تقیہ کرتے رہے، اور ملکیوں میں اس طرح مل جاتے کہ لباس، زبان اور نام تک ان کا اختیار کر لیتے[1]، اس کی مثال آج بھی ملتان اور گجرات (پالن پور اور کھنبائت) میں موجود ہے، اس سے ان کو اپنے مذہب کی تبلیغ میں بڑی مدد ملتی، بلکہ بعض شاطر مبلغوں نے تو ہندوؤں کو قریب تر کرنے کے لئے اپنے اماموں کو بھی ان کے دیوتاؤں کا اوتار قرار دیدیا،

پس مندرجۂ بالا تحریر سے یہ تو روشن ہو گیا کہ سومرہ کو محض لباس اور ناموں کے سبب سے غیر مسلم نہیں کہنا چاہئے، کیونکہ اسماعیلی آج بھی انہی اوصاف کے ساتھ موجود ہیں،

سومرہ مسلمان تھے

(۲) آٹھویں صدی کا مشہور سیاح ابن بطوطہ جب سیوستان (سندھ کے مغربی کنارے) آیا ہے، تو سومریوں کے متعلق لکھتا ہے،

"اسی شہر میں سامری امیر انار جس کا ذکر اوپر گذرا، اور امیر قیصر رومی رہتے ہیں، اور یہ دونوں سلطان دہلی کی ماتحتی میں ہیں، اور ان دونوں کے ساتھ اٹھارہ سو سوار تھے، اور یہاں ایک ہندو رہتا تھا جس کا نام رتن تھا، جو حساب و کتاب میں بڑا ماہر تھا، وہ بعض امراء کے ساتھ سلطان کے دربار میں گیا، سلطان نے اس کو پسند کیا، اور اس کو سندھ کا راجہ خطاب اور راجگی کے ماہی مراتب دے کر سیوستان بھیجا، اور اسکو جاگیریں دیدیا، جب وہ وہاں پہنچا تو انار اور قیصر کو یہ برا معلوم ہوا، کہ ایک کافر کو ان پر فوقیت ہو جائے انھوں نے باہم مشورہ کر کے اس کو قتل کر ڈالا[2]،

---

[1] اسماعیلی منزل ۲۱ر جنوری ۱۹۳۶ء بمبئی [2] سفرنامہ ابن بطوطہ جلد ۲ ص۲ مصر،

اس بیان سے اس قدر تو معلوم ہو گیا کہ سومری (نارم) ہندو نہ تھا، اور نہ ہندو کافر کی ماتحتی پسند کرتا تھا، لیکن اس سے زیادہ واضح وہ خط ہے جو درو زیوں کے امام کی طرف سے سومرہ کے لڑکے کے نام آیا تھا، اس کا ایک فقرہ یہ بھی ہے :-

"ملتان اور ہندوستان کے موحدوں کے نام عموماً اور شیخ ابن سومر راجہ بل (پال) کے نام خصوصاً"

پھر آگے چل کر کہتا ہے "تاکہ تقدیس (شرک سے) اور توحید کے ماننے والے جہالت، ضد اور سرکشی و بغاوت والی جماعت سے ممتاز ہو جائیں"[1]

اس تحریر سے صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ سومرہ نہ بت پرست تھے، اور نہ مشرک، بلکہ خالص موحد تھے، اور خالص توحید تمام دنیا کے مذاہب کے برخلاف صرف اسلام میں ہے، پھر سندھ کا ہر مورخ لکھتا ہے کہ سومرہ نے سعد نامی زمیندار کی لڑکی سے شادی کی، اگر وہ مسلمان نہ ہوتا تو مسلمان اپنی لڑکی کافر کو کس طرح دیتا[2]، اس لئے یقینی طور پر سومرہ مسلمان تھے،

اسماعیلی شیعہ تھے

(۳) سومری اسلام کے کس فرقہ سے تعلق رکھتے تھے، یہ ایک ہمعصر کی شہادت سے آپ کو بالکل واضح ہو جائے گا، درو زیوں کا امام سلطان محمود اور سلطان مسعود کا ہمعصر ہے سلطان محمود نے جب ملتان فتح کر لیا، تو جلم بن شیبان کے خاندان کو غزنہ لیتا گیا، اور وہاں کے کسی قلعہ میں قید کر دیا، محمود کے مرنے پر سلطان مسعود نے اس خاندان کے لوگوں کو جو زندہ رہ گئے تھے آزاد کر دیا، یہ ملتان واپس آئے اور دوبارہ اپنی حکومت قائم کرنے کی کوشش کرنے لگے اس میں ابو الفتوح داؤد کا نواسہ عبداللہ زیادہ سرگرم تھا، لیکن اسماعیلیوں میں حکومت اور مذہبی عہدہ بغیر امام کی اجازت کے کوئی حاصل نہیں کر سکتا، اس لئے عبداللہ کی یہ سرگرمی اسماعیلیوں کے منشا کے خلاف تھی،

---

[1] تاریخ ایلیٹ جلد اول صفحہ ۴۹۱ [2] تحفۃ الکرام جلد سوم بمبئی صفحہ ۳۵ ،

جب تک ملتان کی حکومت قائم رہی، مذہبی اور ملکی عہدہ یہاں کے حکام کو حاصل رہا، لیکن تباہی کے بعد مذہبی عہدہ یہاں کے ایک طاقتور رئیس کو عطا کیا گیا، اور یہ عہدہ "شیخ" کا تھا[1]، اس شیخ کا نام سومرہ تھا، اور اس کے بعد اس کا لڑکا پال ہوا جس کے نام دروزیوں کے امام نے خط بھیجا ہے، اس خط کا ایک حصہ مندرجہ ذیل ہے:۔

"ملتان اور ہندوستان کے موحدوں کے نام عموماً اور شیخ ابن سومرہ راجہ پال کے نام خصوصاً"
...... اے معزز راجہ پال! اپنے خاندان کو اٹھا، موحدین اور داؤد اصغر کو سچے دین میں واپس لا، کہ مسعود نے جو اسے حال ہی میں قید اور غلامی سے آزاد کیا ہے، وہ اس وجہ سے ہے کہ تو اس فرض کو انجام دے سکے، جو تجھ کو اس کے بھانجے عبداللہ اور ملتان کے تمام باشندوں کے برخلاف انجام دینے کے لئے مقرر کیا گیا ہے، تاکہ تقدیس اور توحید کے ماننے والے جہالت، عندہم، کشی اور بغاوت والی جماعت سے ممتاز ہو جائیں،

دروزی جبل دروز (شام) کے رہنے والے ہیں، اسماعیلیوں کا یہ فرقہ الحاکم بامر اللہ متوفی ۴۱۱ھ (فاطمی مصر) کے عہد سے ظاہر ہوا، اور اب تک موجود ہے، اس خط میں خاندان سومرہ، ملتان والے اور سرحدی ہندوستان کے ہم مذہب اسماعیلیوں کو جوش دلا کر ابھارنے کی کوشش کی گئی ہے، تاکہ ملتان اور سندھ کی اسماعیلی حکومت پھر قائم ہو جائے، اس سے ظاہر ہو گیا کہ سومرہ، ملتان والے، اور دروزی ہم مذہب تھے،

محمود غزنوی کی فتح ملتان سے قبل ملتان میں اسماعیلیوں کی حکومت تھی، اس کے متعلق بشاری مقدسی لکھتا ہے،

"ملتان والے شیعہ ہیں، اذان میں حی علیٰ خیر العمل کہتے ہیں اور اقامت میں دو دفعہ تکبیر کہتے ہیں، ملتان میں خطبہ مصر کے فاطمی خلیفہ کا پڑھتے ہیں اور اسی کے حکم سے

[1] اسماعیلی بوہروں میں یہ عہدہ آج بھی موجود ہے۔

یہاں کا بند و بست ہوتا ہے، اور یہاں سے برابر تحفے تحائف مصر کو بھیجے جاتے ہیں[1]،

مقدسی کی اس شہادت سے معلوم ہوگیا کہ ملتان والے اسمٰعیلی شیعہ تھے اور سومرہ ان کے ہم مذہب اسپس بلاشک و شبہہ یہ امر ثابت ہوگیا کہ سومرہ مسلمان، اسمٰعیلی شیعہ تھے، جن کا تعلق مصر کے فاطمی اماموں سے تھا،

(۴) سومرہ کس نسل سے تھے۔ یہ امر قابلِ غور ہے، ابن بطوطہ لکھتا ہے:۔

سومرہ نو مسلم نہ تھے

"اس کے بعد ہم جنانی پہنچے، جو دریائے سندھ کے کنارے ایک خوبصورت اور بڑا شہر ہے، اور جس میں خوشنما بازار ہیں، یہاں کے باشندے وہ لوگ ہیں جن کو سامرہ (سومرہ) کہتے ہیں، جو یہاں اس وقت بسے اور ان کے بزرگ یہاں آباد ہوئے جب حجاج کے زمانہ میں سندھ فتح ہوا تھا، جیسا کہ مورخین لکھتے ہیں[2]،

اس سے معلوم ہوا کہ سومرہ اپنے کو عربی النسل سمجھتے تھے، اور اپنی آبادی کو حجاج بن یوسف ثقفی کے عہد کی طرف منسوب کرتے تھے، اور اس زمانہ کے مورخوں نے بھی ایسا ہی لکھا ہے، اور یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے، سندھ میں عربی النسل قبائل التمش بلکہ خلجی تک موجود تھے، جن کا ذکر تاریخوں میں آتا ہے، ۶۱۳ھ میں چچ نامہ کا مصنف و مترجم لکھتا ہے۔

"اور جب اس کام کے لئے میں نے تکلیف اٹھائی اور "اُچھ" جیسے مبارک شہر سے الور (ارور) اور بکھر آیا، جہاں کے شرفا حسب و نسب سے عرب ہیں، تو امام قاضی کمال الملۃ والدین اسمٰعیل بن علی بن محمد بن موسیٰ بن طائی بن یعقوب بن طائی بن موسیٰ بن محمد بن شہاب بن عثمان ثقفی سے ملاقات ہوئی، میں نے ان سے سندھ کی تاریخ لکھنے کا مشورہ لیا، انھوں نے کہا کہ عربی زبان میں میرے بزرگوں نے ایک تاریخ لکھی ہے، جو وراثت میں ایک دوسرے کو ملتی چلی آئی ہے"،

[1] احسن التقاسیم ص۴۸۱ و ص۴۸۵ لیڈن [2] سفرنامہ ابن بطوطہ جلد دوم ص۱۱ مصر،

میرے پاس موجود ہے، عربی ہونے سے اس کی شہرت نہ ہوئی[1]

تحفۃ الکرام میں ہے کہ گنگا نامی ایک عورت جو بنی تمیم میں سے تھی بچپن سے عمر سومرہ کے ساتھ منسوب رہی، لیکن کسی وجہ سے اس نے ناپسند کیا، اور وہ بنی تمیم کے ایک نوجوان سے بیاہ دی گئی، جو عمر سومرہ کا مصاحب تھا، لڑکی کے شباب کا پیمانہ جب لبریز ہوگیا تو اس کے گل حسن کی خوشبو عمر سومرہ کے مشام تک پہنچی، اب اس نے چاہا کہ اس سے اپنے شبستان حرم کو معطر کرے اس لئے مصاحبوں کے مشورہ سے تمیمی نوجوان پر بڑی عنایت کرنے لگا، لوگوں سے اس کا سبب دریافت کیا، جواب ملا کہ عمر سومرہ کی خواہش ہے کہ اپنی بہن سے تمہاری شادی کردے[2]،

ان دونوں شہادتوں سے معلوم ہوا کہ اُچھ، ارور، برہمن آباد اور بھکر وغیرہ میں تمیم اور ثقیف وغیرہ کے متعدد قبائل آباد تھے، اور ان عرب قبائل میں سے بعض اسماعیلیہ ہوگئے تھے، جیسا کہ بنی تمیم کا ذکر اوپر گذرا، کیونکہ بنی تمیم اگر اسماعیلیہ نہ تھے تو عمر سومرہ اپنی بہن دینے کے لئے نہ کہتا، اور نہ بنو تمیم اس کا یقین کرتے، کیونکہ اسماعیلی اپنی لڑکی کسی دوسرے کو نہیں دیتے[3]، جیسا کہ آج بھی گجرات اور ملتان کے علاقہ میں یہ دستور موجود ہے، دوسری جگہ تحفۃ الکرام میں مندرجہ قبائل کے نام درج کرکے لکھا ہے کہ ان کی اولاد اس وقت تک موجود ہے، آل ثقیف، آل مغیرہ، آل تمیم، عباسی، صدیقی، فاروقی، عثمانی، آل حارث، بنی اسد، آل عتبہ، آل جریمہ انصاری[4] پھر سندھی تلفظ کے باعث ان کے نام اصلیت سے دور جا پڑے ہیں، مثلاً مغیرہ کو موریہ کردیا ہے،

پس ان حالات کی موجودگی میں یہ یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ سومرہ ہندو راجپوت نہ تھے، بلکہ وہ عرب تھے، جو ہندوستان میں آباد ہوگئے تھے، اور پشت در پشت یہاں رہ کر

---

[1] چچ نامہ قلمی ص ۳ کتبخانہ دارالمصنفین اعظم گڑھ [2] تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۳۷ و صفحہ ۳۸ بمبئی [3] سفرنامہ ابن بطوطہ جلد دوم صفحہ ۵ مصر [4] تحفۃ الکرام جلد سوم صفحہ ۲۷ و صفحہ ۲۵ بمبئی،

ہندی نژاد بن گئے جس کی صحیح مثال ہندوستانی سادات ہیں،

لفظ سومرہ کی اصلیت

(۵) لفظ سومرہ کے متعلق میرا خیال ہے کہ یہ لفظ دراصل "سوم راے" ہے، سوم کے معنی چاند اور راے کے معنی راجہ، جس کا ہم معنی لفظ "چندر راے" ہے، یہ اسی طرح ہے جیسے موہن راے اور لاجپت راے وغیرہ، مگر معرب یا مفرس ہوکر یہ لفظ "سومرہ" ہوگیا، اس کی مثال عربی تاریخوں میں بکثرت ملے گی، مثلاً وَلھب راے کو تمام مورخین اور سیاح اپنی کتابوں میں "بلہرا" لکھتے ہیں[1]، اسی طرح مسعودی نے قنوج کے مشہور راجہ بھوج راے کا نام "بُؤورہ" لکھا ہے[2]، پس جن مصنفوں نے سومرہ کو سامرہ (سرمن راے) کا عرب باشندہ سمجھا جو والی سندھ تمیم کے ساتھ سندھ میں آکر آباد ہوگئے[3] تو میرے خیال میں ان کو سخت مغالطہ ہوا، سامرہ کا شہر معتصم باللہ عباسی کا آباد کردہ ہے، اور تمیم سندھ کا والی اس وقت ہوا ہے، جب بغداد، سامرہ خلافت عباسیہ میں سے کسی کا وجود دنیا میں نہ تھا،

والی سندھ تمیم کا تعلق بنی امیہ سے ہے جس کی حکومت ۱۱۱ھ میں تھی، یہ خاندان ان لوگوں میں سے تھا جو محمد بن قاسم کے ساتھ عرب سے آئے تھے اور سندھ ہی میں آباد ہوگیے تھے، اسی طرح یہ خیال بھی مضحکہ خیز ہے کہ سومرہ قوم یہودیوں کے فرقہ سامرہ میں سے ہے، جو شمرون پہاڑ سے آکر یہاں آباد ہوگئی[4]، غالباً یہ شبہہ محض ناموں کے سبب سے پیدا ہوا، جو سومرہ کو تحریف کرکے سامرہ بنا دیا گیا ہے، حالانکہ اس وقت تک اس کے متعلق کوئی علمی دلیل نہیں ملی ہے،

سومرہ ذاتی نام تھا

(۶) محمود غزنوی سے پہلے سومرہ کسی خاندان کا نام نہ تھا، بلکہ سومرہ یا سوم راے ایک شخص کا ذاتی نام یا لقب تھا، کیونکہ کسی تاریخ میں اس سے قبل کسی سومرہ کا ذکر نہیں آتا ہے، منصورہ کا والی جس سے محمود نے منصورہ چھینا، اس کا نام بالکل "سومریوں" کی طرح ہے جس سے قیاس کیا جاتا ہے

---

[1] سلسلة التواریخ پیرس ص۱۵ [2] مروج الذہب جلد اول ص۲۴۲ لیدن [3] الیٹ (تاریخ ہند) جلد اول ص۴۹۳ [4] تاریخ سندھ جلد ۲ ص۱۹۴ مصنفہ مولانا [illegible]

کہ وہ بھی اسی خاندان سے ہوگا، پھر بھی کسی نے اس کو سومرہ تحریر نہیں کیا، بلکہ قرامطہ یا ملحد وغیرہ لکھا ہے،

قاعدہ یہ ہے کہ جس قوم کی سلطنت جاتی رہتی ہے، تو اطراف ملک میں متعدد چھوٹی بڑی حکومتیں، ریاست اور زمینداری کی شکل میں قائم ہو جاتی ہیں، یہاں بھی یہی ہوا کہ ملتان سے حکومت ختم ہو جانے کے بعد خفیف، سومرہ، سعد وغیرہ کی بڑی بڑی زمیندارانہ حکومتیں قائم ہوگئیں،

مرأۃ مسعودی میں ہے کہ ملتان سلطان محمود کے فتح کر لینے پر ویران ہو گیا، وہاں کے زمیندار اور امراء سب اچھ[1] چلے آئے، اسی کو آباد کر کے پایہ تخت بنایا، اس وقت یہاں کا راجہ "اننگ پال"[1] تھا

تحفۃ الکرام میں[2] ہے کہ خاندان سومرہ کی کل مدت حکومت (۵۰۵) پانچ سو پانچ برس ہے، اس حساب سے ان کی حکومت کی ابتداء ۲۴۶ھ ہوئی، حالانکہ ان کا پہلا داعی ہیثم ۲۷۰ھ میں سندھ آیا، اس لئے اگر تحفۃ الکرام کی روایت صحیح مان لی جائے، تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ عمر ہباری کے عہد میں یہ ریاست قائم ہوئی، اور اس وقت یہ لوگ سنّی تھے، اور غالباً منصورہ کے ماتحت، ۳۷۵ھ میں ملتان اور مکران مصری خلفاء کے ماتحت ہو گئے تھے، اسی وقت اس خاندان نے داعیوں کی کوشش سے اسماعیلی مذہب قبول کیا ہوگا، اور منصورہ کے خلاف بغاوت کر کے خود مختاری حاصل کی ہوگی، اور شاید اسی کو مطیع کرنے کے لئے والیٔ منصورہ نے عضد الدولہ کے لڑکے والیٔ شیراز سے امداد طلب کی تھی،[3] لیکن عضد الدولہ خود شیعہ اور فاطمیوں کے زیر اثر تھا، اس لئے اس نے امداد نہ دی، اور کیا تعجب ہے کہ اسی لئے ۴۱۶ھ میں موقع پا کر منصورہ پر قبضہ کر لیا ہو، جس کا خاتمہ محمود نے کیا،

مصری ائمہ فاطمیین کا دستور تھا کہ جہاں ان کی حکومت نہیں رہتی، وہاں بھی مرکزیت قائم رکھنے کے لئے اپنا داعی یا والی بھیجا کرتے، جو بظاہر وجود معطل نظر آتا، مگر درحقیقت قوم کے ملکی اور

---

[1] مرأۃ مسعودی صفحہ ۲۷ و صفحہ ۲۸ قلمی حبیب گنج لائبریری [2] تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۲۴ بمبئی [3] احسن التقاسیم صفحہ ۴۸۵ لیڈن،

مذہبی امور کا مکمل طور پر اس کو اختیار رہتا،

مصری ائمہ نے سیاسی مصالح کی بنا پر مصر سے کسی کو بھیجنا نامناسب خیال کر کے مقامی آدمی کا انتخاب ضروری سمجھا، غالباً سومرہ کا خاندان ائمہ مصر کے نزدیک زیادہ ممتاز تھا، چنانچہ دروزی خط میں سومرہ کے اجداد "ہودل ہیلا" اور "بھوتروا" وغیرہ لوگوں کی بڑی تعریف کی گئی ہے، اسی بنا پر سومرہ نامی اس خاندان کا حاکم تمام سندھ اور ملتان کے اسماعیلیوں کا شیخ قرار پایا، اور یہ سوم رائے محمود غزنوی کا ہمعصر تھا، اور میرے خیال میں یہی اول سومرہ ہے جس کے نام سے اس کا خاندان مشہور ہوا؛ اور اسی لئے میں اس کو سومرہ اول کے نام سے یاد کروں گا، سومرہ کا اصلی نام بلفظ پال کے ساتھ ہونا چاہئے، ممکن ہے کہ اننگ پال اور راجہ سوم رائے اس کا خطاب ہو،

سومرہ اول | اس کی حکومت کب سے شروع ہوئی، تاریخ میں اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا، لیکن قیاس چاہتا ہے کہ فتح ملتان کے بعد سے اس کا انتخاب ہوا ہوگا[1]، اور اس طرح اس کی حکومت کا زمانہ سنہ ۴۰۱ھ قرار دیا جا سکتا ہے، محمود غزنوی کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھتے ہوئے اس نے بظاہر کسی سیاسی تحریک میں حصہ نہیں لیا، اور سکون کے ساتھ خاموش زندگی بسر کر دی،

راجہ پال ابن سومرہ | سومرہ کا کب انتقال ہوا، اور اس کا لڑکا راجہ پال کب تخت نشین ہوا؟ اس کا پتہ کسی تاریخ سے نہیں ملتا، لیکن دروزی خط میں چونکہ راجہ پال ہی کو مخاطب کیا گیا ہے اس لئے یہ ماننا پڑتا ہے کہ سومرہ کی جگہ اس کا لڑکا پال ہی تخت نشین تھا، اور اسی خط میں سلطان مسعود کا بھی ذکر ہے، اس لئے سلطان مسعود اور راجہ پال دونوں ہمعصر ہوئے، اس طرح قیاس کیا جا سکتا

---

[1] مرآۃ مسعودی میں لکھا ہے کہ محمود غزنوی نے دوسری دفعہ کے حملہ میں ملتان کو لوٹ کر بالکل تباہ کر دیا، اس لئے وہاں کے امراء اور عام خوشحال آبادی منتقل ہو کر "اچھ" چلی گئی، اسی وقت سے اچھ بڑا آباد شہر ہو گیا، اُس وقت کا راجہ اننگ پال تھا، اور یہی شہر اس کی راجدھانی تھی، سالار مسعود غازی نے اس پر حملہ کر کے لوٹ لیا، یہ اننگ پال کون تھا، قابل غور مسئلہ ہے، اسی کا خطاب "سوم رائے" تو نہ تھا، یہ واقعہ تقریباً سنہ ۴۲۰ھ کا ہے:

ہے کہ ۲۲۴ھ (؟۱۰۳۳ء) سے قبل سومرہ وفات پاچکا تھا، اور اس کا لڑکا جانشین ہوا،

دروزی خط کے القاب سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ صاحب ریاست ہونے کے علاوہ ملکی اقتدار بھی رکھتا تھا، اور لوگ اس کو راجہ کہتے تھے، مذہبی اعتبار سے بھی اس کا درجہ عوام سے بلند تھا کیونکہ مصری ائمہ نے تمام سندھ کا مقتدا تسلیم کرکے غالباً اس کو "شیخ" کا خطاب دیا تھا،

راجہ پال کے عہد میں اسمٰعیلی حکومت تمام سندھ پر قائم کرنے کی بارہا کوشش کی گئی، جیسا کہ ملتان اور سندھ میں بار بار بغاوت سے ظاہر ہوتا ہے، مگر کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی،

سومرہ دوم

بیس برس تک یہ لوگ برابر اس معاملہ میں کوشش کرتے رہے، ادھر غزنوی سلطنت خانہ جنگی سے دن بدن کمزور ہوتی چلی گئی، یہاں تک کہ سلطان عبدالرشید متوفی ۴۴۴ھ کے زمانہ میں اسمٰعیلی کامیاب ہوگئے، اور سومرہ نامی ایک شخص سندھ کا والی وحاکم بنا یا گیا، اس دن سے خاندان سومری کی حکومت مستقل طور سے تمام سندھ میں قائم ہوگئی، لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ شخص کون تھا، آیا سومری خاندان کا کوئی فرد تھا، یا راجہ پال کا لڑکا، قرینہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ راجہ پال لاولد مرچکا تھا، یا حکومت کے لائق اس کی اولاد نہ تھی، کیونکہ منتخب التواریخ مولفہ محمد یوسف کے حوالہ سے مؤلف تحفۃ الکرام لکھتا ہے کہ "جب سلطان عبدالرشید بن سلطان محمود غزنوی کی حکومت ہوئی تو سندھ کے لوگوں نے اس کو کمزور پایا، ۴۴۵ھ (۱۰۵۴ء) میں سومرہ قبیلہ والوں نے "تھری" ضلع ٹھٹھہ میں جمع ہوکر "سومرہ" نام ایک شخص کو بادشاہ بنایا"[1]

انہی اطراف (زیریں سندھ) میں ایک طاقتور زمیندار "سعد" نامی تھا، اس کی لڑکی سے سومرہ نے شادی کرلی، اسی سے اس کا لڑکا "بھونگر" ہے جو اپنے باپ کے بعد وارث تخت ہوا،[2]

لیکن ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ موجودہ مطبوعہ نسخہ میں یہ نہیں ہے، بلکہ مصنف تحفۃ الکرام نے

---

[1] الیٹ جلد اول صفحہ ۲۱۵ [2] معصومی قلمی، ومنتخب التواریخ مولفہ محمد یوسف قلمی،

بجنسہ یہی واقعہ اس سومرہ کی نسبت تحریر کر دیا ہے جو سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد میں تھا، اس کے بعد اس کا سلسلہ اس طرح جاری کیا ہے کہ بھونگر، پھر اس کا لڑکا دودا ہوا، اور چونکہ دودا کا لڑکا سنگھار (سنگھرا) صغیر السن تھا، اس لئے اس کی بہن نے حکومت سنبھالی، جب بالغ ہوا تو خود حکمرانی کرنے لگا، لاولد ہونے کے سبب اس کے دو سالوں نے تھری اور تھور میں مقیم رہ کر حکومت اپنے ہاتھ میں لی، پھر دودا نامی ایک سومرہ نے ان سے حکومت چھین لی، اور ان سے دودا پھٹو (پھبٹو) نے، اس کے بعد اس کا لڑکا چیرا، اور اس کا جانشین ارمیل ہوا جس سے سمہ خاندان نے ۷۵۲ھ میں حکومت لے لی،[1] اس حساب سے سومریوں کی حکومت کل ۳۲ برس ہوئی، حالانکہ مصنف نے دوسرے سومرہ حکمرانوں کے نام دوسری جگہ تحریر کئے ہیں، مثلاً عمر سومرہ، حمیر (امیر) سومرہ، چنیسر سومرہ، دوائے (دولہ) سومرہ وغیرہ،

در اصل مصنف کا خیال یہ ہے کہ قوم سومرہ کی متعدد شاخوں نے (جن میں سے بعض کو ہندو سمجھتا ہے) سندھ کے مختلف اضلاع پر مختلف اوقات میں حکومت کی، ان میں سے بعض خود مختار تھے، اور بعض دہلی یا ملتان کی مرکزی حکومت کے زیر نگرانی، مصنف کا یہ بیان شہاب الدین غوری کے بعد کے لئے صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے، لیکن سلطان عبد الرشید سے لے کر شہاب الدین غوری تک جو وقفہ ہے، اس کے متعلق صحیح بات یہی ہے کہ تمام سندھ اور ملتان انہی اسمٰعیلیوں کے ماتحت تھا، اور سندھ پر یقینی طور سے سومرہ خاندان حکمراں رہا، اور انہی سے غوری نے ملک لے لیا جیسا کہ تمام تاریخوں میں مذکور ہے،

تحفۃ الکرام یا معصومی نے مندرجۂ ذیل فہرست سومرہ کے حکمرانوں کی دی ہے۔

---

[1] تحفۃ الکرام جلد سوم ص۳۳ و ص۳۵،

[2] فرشتہ جلد اول ص۲۶ نولکشور و طبقات ناصری کلکتہ ص۱۱۶،

شمار	نام	مدت حکومت	سنہ وفات	شمار	نام	مدت حکومت	سنہ وفات
	سومرہ	زمانۂ دراز تک	۰	۲	بھونگر بن سومرہ	۱۵ سال	سنہ ۴۶۱ھ[1]
۳	دودا اول بن بھونگر	۲۴ سال	سنہ ۴۸۵ھ	۴	سنگھر	۱۵ سال	سنہ ۵۰۰ھ
۵	خفیف	۳۳ سال	سنہ ۵۳۳ھ	۶	عمر (انار م)	۳۰ سال	سنہ ۵۶۳ھ
۷	دودا دوم	۱۴ سال	سنہ ۵۸۷ھ	۸	پاتھو (بھٹو)	۳۳ سال	سنہ ۶۲۰ھ
۹	گنہرا اول	۱۶ سال	سنہ ۶۳۶ھ	۱۰	محمد تور	۱۵ سال	سنہ ۶۵۱ھ
۱۱	گنہرا دوم	چند سال (اندازاً)	سنہ ۶۵۴ھ	۱۲	دودا سوم	۱۴ سال	سنہ ۶۶۸ھ
۱۳	تائی	۱۵ سال	سنہ ۶۸۳ھ	۱۴	چینسر	۱۰ سال	سنہ ۷۰۱ھ
۱۵	بھونگر دوم	۱۵ سال	سنہ ۷۱۶ھ	۱۶	خفیف دوم	۱۸ سال	سنہ ۷۳۴ھ
۱۷	دودا چہارم	۲۵ سال	سنہ ۷۵۹ھ	۱۸	عمر سومرہ (انار م)	۳۵ سال	سنہ ۷۹۴ھ
۱۹	بھونگر سوم	۱۰ سال	سنہ ۸۰۴ھ	۲۰	عمیر دامیر یا ارمائیل (آخری بادشاہ)	(اندازاً) ۶ سال	سنہ ۸۱۰ھ

۳۵۵ مع اضافہ قیاسی ۳۶۲

اس فہرست کے غیر تشفی بخش ہونے کے مختلف وجوہ ہیں،

(۱) اس فہرست میں بعض نام رہ گئے ہیں جن کو ان کے ہمعصروں یا مورخوں نے لکھا ہے،[2]

(۲) ان کی سلطنت سلطان عبدالرشید متوفی سنہ ۴۴۴ھ سے لے کر محمد شاہ تعلق کی وفات محرم سنہ ۷۵۲ھ[3] تک ہے، اس لئے کل مدت ۳۰۷ سال ہونی چاہئے، حالانکہ مندرجہ فہرست کی رو سے ۳۵۵ سال

[1] سنہ وفات حساب لگا کر آسانی کے خیال سے راقم الحروف نے تحریر کردیا ہے [2] فرشتہ جلد دوم ص ۳۱۶ نولکشور، سفرنامہ ابن بطوطہ جلد دوم ص ۱۷ مصر [3] چونکہ محرم سال نو کا پہلا مہینہ ہے جس کے شروع میں محمد تعلق کا انتقال ہوا ہے اس لئے حساب میں سنہ ۷۵۱ھ تک شمار کیا ہے؛

ہوتے ہیں، اور اگر ان اضافوں کو شامل کر لیا جائے جو فقط خانہ پری کے لئے اندازاً تحریر کر دئے گئے ہیں، تو ۳۶ ہوتے ہیں، اس لئے میرے اندازے کے مطابق ۵ برس ان کی مدت حکومت زیادہ ہوتی ہے،

(۳) سومرہ جو اس خاندان کا اول حکمراں ہے، اس کی مدتِ سلطنت تحریر نہیں کی گئی، اور مدت دراز تک سلطنت کی "ت" کے لکھنے سے اگر ۱۵ سال قیاس کئے جائیں تو بھی تقریباً ۳۰۰ برس ہو جاتے ہیں، اس لئے مقرر کردہ مدت حکومت صحیح نظر نہیں آتی،

(۴) اسلامی حکمرانوں میں کوئی خاندان ایسا نہیں گذرا کہ مسلسل کئی پشت تک ان کی اولاد لائق اور قابل گذری ہو اور طویل مدت تک ہر ایک نے حکومت کی ہو، سوائے مغلیہ خاندان کے جس میں بابر سے عالمگیر تک چھ حکمراں مسلسل لائق نکلے، لیکن سومرہ خاندان کے حکمرانوں میں جن کی تعداد ۲۰ ہے، اکثروں نے ۱۴-۱۵ سال سے کم حکومت نہیں کی، جو بظاہر عقل کے خلاف معلوم ہوتا ہے، اس لئے یہ مدتِ سلطنت قطعاً مشکوک اور غیر تشفی بخش ہے،

دوسرے سومرہ کی مدتِ حکومت

مؤرخین لکھتے ہیں جیسا کہ اوپر گذرا کہ سلطان عبدالرشید غزنوی کے عہد میں اسمٰعیلیوں نے خاندان سومرہ میں سے سومرہ نامی ایک شخص کو تھری (ضلع ٹھٹھہ) کے مقام میں اپنا سردار مقرر کیا، اور سعد نامی زمیندار کی لڑکی سے شادی کی جس سے بھونگر پیدا ہوا، اور یہ بھی لکھا ہے کہ سومرہ کے بعد اس کا لڑکا تخت نشین ہوا جس نے ۱۵ سال حکومت کر کے ۴۶۱ھ میں انتقال کیا، اس صورت میں اگر سومرہ نے ۴۴۴ھ میں شادی کی تو ۴۴۵ھ میں بھونگر پیدا ہوا اور ۴۴۶ھ میں تخت نشین ہوا ہوگا، کیونکہ کل عمر اس کی ۱۶ سال کی ہوئی جس میں سے ۱۵ برس اس نے حکومت کی، پس اس صورت میں سومرہ کی مدتِ حکومت صرف دو سال ہو سکتی ہے، یعنی ۴۴۶ھ میں انتقال ہوا، بھونگر کے بعد اس کا لڑکا دودا ۲۴ سال حکومت کر کے ۴۸۵ھ میں مرا، اس لحاظ سے اس کی

ولادت ۵۹ھ میں ہونی چاہئے، اور بوقت وفات اس کی عمر کل ۲۶ سال کی تھی، یہ نوجوان بلند ہمت تھا، اس نے زیریں سندھ کے مشرقی حصہ پر اپنی سلطنت جمالی، اور نصرپور (برہمن آباد کے متصل) تک اپنی سلطنت کو وسیع کیا۔ بہت ممکن ہے کہ اس کا اصلی نام داؤد ہو جو بگڑ کر ددوا بن گیا ہو،

اس کا ایک لڑکا سنگھر یا سنگھار (سنگھ رائے) صغیر السن تھا، اس لئے اس کی بہن نے زمام حکومت ہاتھ میں لی، تحفۃ الکرام میں اس کا نام "تاری" ہے[1]، اور معصومی نے ۱۴ نمبر پر "تائی" لکھا ہے، مگر میرے نزدیک دراصل یہ لفظ بائی ہے، جو بیگم کا ہم معنی ہے،

ابن بطوطہ (اردو) کے محشی نے اس لفظ کو (طاء عربی سے (طائی) لکھا ہے، غالباً وہ اس کو مرد سمجھتا ہے، حالانکہ تحفۃ الکرام میں تصریح ہے کہ سنگھر کی بہن تھی،

جب یہ بچہ بالغ ہوا تو اس نے سلطنت خود سنبھالی، سلطنت سنبھالنے کے لئے بلوغت کے معنے اٹھارہ برس رکھے جائیں تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ اپنے باپ کے مرنے کے وقت، اس کی عمر تین برس کی تھی، اس لئے اس کی ولادت ۸۲ھ ہوگی، اور پندرہ برس اس کی بہن "بائی" کی حکومت رہی، اس حساب سے ۱۰۰ھ میں سنگھر یا سنگھار (سنگھ رائے) تخت نشین ہوا، اس نے بھی پندرہ برس حکومت کی، اور ۱۱۵ھ میں ۳۳ سال کی عمر پا کر انتقال کر گیا، اپنے باپ کی طرح یہ بھی بلند ہمت تھا اس نے اپنی سلطنت کو مغربی جانب مکران کے نانک مقام تک وسعت دی[2]،

تحفۃ الکرام میں ہے کہ سنگھر کے کوئی اولاد نہ تھی، اس لئے اس کے بعد اس کی بیوی ہیمو نے اپنے دو بھائیوں کی مدد سے سلطنت کا انتظام کرنا شروع کیا، ان دونوں بھائیوں کا نام اس کتاب میں نہیں ہے، لیکن معصومی کی مندرجۂ بالا فہرست کے نمبر ۵ اور ۶ پر دو نام ملتے ہیں، ایک خفیف، دوسرا عمر (یا انار) خفیف کی مدتِ سلطنت ۳۳ سال قرار دی گئی ہے، جس کو تسلیم کرتے

[1] تحفۃ الکرام جلد سوم ص۳۵ بمبئی [2] ایضاً

میں بظاہر کوئی اشکال نظر نہیں آتا، پس اس کی وفات ۵۴۸ھ میں ہوئی، لیکن اس کے بھائی انار (عمر) کی مدت سلطنت چالیس سال کسی طرح صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں اس کی حکومت ۵۸۸ھ تک ہونی چاہیئے، حالانکہ شہاب الدین غوری ۵۷۱ھ میں ملتان اور اچھ پر قابض ہو چکا تھا، اور ۵۷۸ھ تک وہ تمام سندھ کا مالک تھا،

پایہ تخت ان کا پایہ تخت "تھری" تھا، جیسا کہ اوپر گذرا، لیکن تحفة الکرام کے مصنف نے لکھا ہے[1] کہ سنگھو (سنگھ راے) کی بیوی "ہیمو" نے اپنے دونوں بھائیوں کو شہر طور اور تھری میں بھیجا، طور سے مراد وہ مشہور شہر "محمد تور" تو نہیں ہو سکتا، کیونکہ محمد تور اس وقت تک آباد ہی نہیں ہوا تھا اس لئے کہ اس شہر کو محمد تور سومرہ نے آباد کر کے اپنا پایہ تخت بنایا، جو ساتویں صدی میں تھا، جیسا کہ خود مصنف نے اس کو لکھا ہے، پس ممکن ہے کہ طور کوئی دوسرا شہر ہو، لیکن اس کا ذکر کسی تاریخ میں نہیں ملتا،

محمد غوری کے حملہ کے وقت تین بڑے شہر نظر آتے ہیں[2]، سندھ کے شمال میں ملتان اور اُچھ، اور جنوب میں دیبل، اُچھ ملتان سے قریب ہے، اور تھری دیبل سے نزدیک، اچھ سے نزدیک احمد پور ایک مقام آج بھی موجود ہے، ممکن ہے کہ وہ دراصل احمد طور ہو، بہر حال قیاس یہی چاہتا ہے کہ بڑا بھائی خفیف خود تو پایہ تخت تھری میں رہا ہو، اور انار کو طور (متصل اچھ) بھیجدیا ہو، اور خفیف کے مرنے پر بھی اچھ ہی پایہ تخت رہا ہو[3]، کیونکہ ملتان اور دیبل کی فتح کے متعلق کسی راجہ کا ذکر نہیں آتا ہے، بخلاف اچھ کے،

---

[1] تحفة الکرام جلد سوم ص [2] واضح رہے کہ سندھ میں برہمن آباد، منصورہ، المرور وغیرہ شہر بھی موجود تھے، مگر ان کی کوئی بھی اہمیت باقی نہیں رہی تھی (طبقات ناصری ص ۲۷۶)، [3] مرآة مسعودی میں لکھا ہے کہ سلطان محمود نے ملتان کو تباہ اور ویران کر ڈالا، اس لئے اس جگہ کے لوگ اچھ آگئے اور اسی کو پایہ تخت بنا کر آباد کیا ص ۳۴ قلمی کتبخانہ حبیب گنج،

غوری کا حملہ سلطان شہاب الدین غوری نے ۵۷۱ھ میں ملتان پر حملہ کیا[1] معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کوئی والی، انار سومرہ کی طرف سے رہتا تھا جس نے شکست کھائی، سلطان ملتان پر قابض ہوکر آگے بڑھا، اور اچھ پر حملہ آور ہوا، اچھ کا راجہ (حاکم) اپنی کمزوری محسوس کر کے قلعہ بند ہوگیا،

محمد غوری عرصہ تک قلعہ اچھ کا محاصرہ کئے رہا، مگر بظاہر کوئی کامیابی نظر نہ آئی، تو اس نے دوسری تدبیر کی، جاسوسوں کے ذریعہ رانی کو مطلع کیا کہ اگر تمہارے ذریعہ سے یہ قلعہ فتح ہوگیا تو میں تم سے شادی کر کے ملکہ جہان بنا دوں گا، اس کے علاوہ بھی طمع دلانے کے لئے بہت سے وعدے کئے، رانی نے اس کا جواب دیا کہ میں تو اس لائق نہیں ہوں، مگر میری ایک جوان خوبصورت لڑکی ہے، اس سے تم شادی کر سکتے ہو، سلطان نے خوشی سے اس کو قبول کر لیا، رانی کو جب اس کا یقین ہوگیا تو اس نے چند دن کے اندر زہر دے کر اس کا کام تمام کردیا، اور چونکہ وہ راجہ پر غالب تھی اس لئے اس کا اقتدار دوسروں پر بھی تھا، اس نے اپنے حکم سے لڑائی بند کرادی، اور قلعہ سلطان غوری کے سپرد کر دیا[2] سلطان نے علی کرماخ کو سندھ کا والی مقرر کیا، اور خود واپس چلا گیا،

کیا یہ صحیح ہے کہ تاریخ اپنے واقعہ کا اعادہ کرتی رہتی ہے، تقریباً اسی قسم کا واقعہ فاتح سندھ محمد ابن قاسم سے قبل راجہ سندھ کے ساتھ پیش آیا تھا، کہ اس کی رانی نے راجہ کو مار کر چچ نامی برہمن سے جو اس کا وزیر تھا، شادی کرلی،

معلوم ہوتا ہے کہ اچھ کی رانی راجہ سے خوش نہ تھی، اور اس کے کوئی لڑکا بھی نہ تھا، جو والی اور وارث تخت کا ہوتا، اس لئے اس نے اپنی نجات اسی میں دیکھی کہ دشمنوں سے مل کر آرام کی زندگی بسر کرے، تاریخ میں اس راجہ کا نام نہیں لکھا ہے، لیکن اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ یہ راجہ "انار" تھا جو خفیف کے بعد پایہ تخت اچھ میں حکمراں ہوا، اور اوپر ذکر آچکا ہے کہ ہندو نام سے مغالطہ میں نہ پڑنا

[1] طبقات ناصری صفحہ ۱۱۶ کلکتہ لیکن فرشتہ نے اس کو ۵۷۲ھ میں تحریر کیا ہے [2] ظفر الوالہ صفحہ ۶۲۶ جلد دوم لندن،

چاہئے تو اس سے اس واقعہ کی ایک گونہ تائید ہوتی ہے، سنگھر (سنگھ رائے) کی بیوی ہیمو نے جب اپنے بھائیوں کو حکمراں بنایا تو اس وقت اس کے چھوٹے بھائی عمر انار کی عمر کم از کم اٹھارہ برس ہونی چاہیئے، خفیف نے ۵۱۸ھ سے ۵۲۸ھ تک حکومت کی، اس وقت انار کی عمر ۱۵ سال کی تھی، اس کے بعد اس نے خود اپنی حکومت شروع کی، جو ۵۲۸ھ سے ۵۶۱ھ تک رہی، اس وقت اس کی عمر ۴۴ سال کی ہوئی، یہ واقعہ بالکل غیاث الدین بلبن کے مثل ہے جس نے وزارت اور سلطنت عرصہ تک کر کے بڑی عمر میں انتقال کیا،

۴۴ سال کے بوڑھے راجہ کی غالباً یہ سب سے چھوٹی رانی تھی، اور یہ دونوں بھائی چونکہ سنگھر (سنگھ رائے) کی اولاد سے نہ تھے، اس لئے قدرتی طور پر اپنے سوتیلے لڑکوں اور سنگھر (سنگھ رائے) کے خاندان والوں سے خوفزدہ ہو کر اپنی زندگی محفوظ کرنے اور شاندار مستقبل کے خیال نے ان کو دشمنوں سے مل جانے پر مجبور کیا ہوگا،

غرض شہاب الدین محمد غوری اچھ فتح کرنے کے بعد رانی اور اس کی لڑکی کے ساتھ غزنہ آیا، حسب وعدہ اس لڑکی سے شادی کرلی، دین اسلام (سنی مذہب) اور قرآن کی تعلیم کے لئے ایک معلمہ مقرر کر دیا، لیکن سلطان اس کی ماں کی غدارانہ کارروائی سے بیحد متنفر ہو گیا تھا، اور اسی سبب سے اس کی بیٹی کی طرف بھی وہ متوجہ نہ ہوا، اس کی ماں کو جب اس کا احساس ہوا تو اس غم میں جلد مرگئی، اس کی لڑکی اس کے بعد دس برس زندہ رہی، اس عرصہ میں سلطان نے اس سے کبھی ملاقات نہ کی، اور نہ اس نے سلطان کو کبھی دیکھا، آخر وہ غریب بھی اسی غم میں ایک دن چل بسی، سلطان نے اس کی قبر پر ایک گنبد بنوا دیا، اہل غزنہ اس کی مظلومانہ موت کے باعث ایک ولیہ کی قبر کی طرح اس کی زیارت کو آتے ہیں[1]،

[1] اور یہ مسلم ہے کہ اچھ سومریوں ہی سے محمد غوری نے لیا ہے جیسا کہ تحفۃ الکرام جلد ۲ صفحہ ۱۱ میں درج ہے، ظفر الوالہ جلد ۲ صفحہ ۶۷، لیدن

سومرہ یہاں سے بھاگ کر ٹھری یا دیبل میں جمع ہوئے، اور دودا ان کا سردار مقرر ہوا تحفۃ الکرام میں ہے کہ "دودا نامی سومرہ نے جو قلعہ دہلہ کا حاکم تھا، اپنے لوگوں کو جمع کر کے ہیمو کے دونوں بھائیوں دخفیف اور انارم سے سلطنت چھین لی،[1]

ممکن ہے کہ جس زمانہ میں سلطان محمد غوری نے اچھ پر حملہ کیا، اس نے موقع کو غنیمت سمجھا اور بغاوت کر کے زیریں سندھ پر قبضہ کر لیا ہو، غرض واقعہ جو بھی ہو مگر اس پر اتفاق ہے کہ دودا نامی سومریوں کا سردار تھا، اس کا پایہ تخت اس وقت دیبل تھا، جو سندھ کی مشہور بندرگاہ تھی، ۵۷۸ھ میں شہاب الدین غوری نے دیبل پر حملہ کیا[2]، سمندر کے کنارے تک اپنی فتوحات کا دائرہ وسیع کر ڈالا، مالِ غنیمت حاصل کر کے واپس آیا[3]، اور اس طرح سومریوں کی جو مرکزی حکومت قائم ہوئی رہتی، وہ بھی جاتی رہی، دیبل تباہ ہو گیا، اور اس کی جگہ ٹھٹھ نے لے لی،

فرشتہ کو ابو الفضل کی تحریر سے مغالطہ ہو گیا، اور اس نے غلطی سے دونوں کو ایک سمجھا ہے،

دیبل جنوب مغرب سمندر میں کراچی سے متصل واقع تھا، اور ٹھٹھ جنوب جانب، دریائے سندھ کے کنارے سمندر سے دور اس طرح آباد تھا کہ ایک حصہ دریا کے مشرقی کنارے (دہلی کے رُخ) اور دوسرا حصہ دریا کے مغربی کنارے (مکران کے رخ) تھا، بخلاف دیبل کے کہ اس کی تمام آبادی یکجا تھی،

فہرست مذکورہ میں دودا جو ساتویں نمبر پر ہے اس کی مدتِ سلطنت ۱۴ برس لکھی ہے جو میرے خیال میں صحیح نہیں ہے، اس کی اصلی مدت صرف چار برس ہے اور غایتِ احتیاط کی جائے تو (۶ یا ۸) برس ہوتی ہے،

تحفۃ الکرام میں ہے کہ دودا کے بعد "پھتو" نے کچھ لوگوں کو جمع کر کے اپنی حکومت قائم کر لی[5]، فہرست مذکورہ

[1] ظفر الوالہ جلد سوم ص ۱۲۳۵ [2] فرشتہ نے یہ واقعہ ۵۷۷ھ میں تحریر کیا ہے [3] طبقات ناصری ص ۱۱ کلکتہ [4] فیروز شاہی عفیف سراج ص ۱۹۹ کلکتہ [5] تحفۃ الکرام جلد سوم ص ۲۵ بمبئی،

میں اس نام کا تلفظ "پاتھو" لکھا ہے، جو زیادہ صحیح نظر آتا ہے، اور جو اسی "پھتو" کی گڑی ہوئی صورت ہے، اور اب یہ لفظ "بھٹو" باے ہندی موحدہ سے ہے نہ کہ باے معجمہ سے مستعمل ہے، کیونکہ بھٹو کا خاندان سندھ میں آج بھی موجود ہے، اور ان کا شمار معزز خاندانوں میں ہے،

سلطان شہاب الدین غوری نے فتح ملتان اور اچھ کے بعد سپہ سالار علی کرماخ کو سندھ کا والی بنایا تھا، جو ۵۸۲ھ تک رہا، اور لاہور فتح ہونے کے وقت سلطان نے اس کا تبادلہ لاہور کو کردیا، اس طرح وہ ۱۱ برس سندھ کا حاکم رہا، ممکن ہے کہ ملتان اور اچھ کے ساتھ دیبل کا علاقہ بھی فتح کے بعد اس کو دے دیا گیا ہو، مگر کتابوں سے کہیں اس کا پتہ نہیں چلتا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطان دیبل کو لوٹ مار کر چلا آیا، اور اس کا کوئی انتظام نہ کیا، چنانچہ ناصر الدین قباچہ والی سندھ کے عہد ۶۱۰ھ میں بھی اس علاقہ کو ہم آزاد ہی دیکھتے ہیں، اس لئے اگر یہ تسلیم کرلیا جائے، کہ "بھٹو سومرہ" نے ۶۱۱ھ تک سلطنت کی، تو بظاہر کوئی اشکال نظر نہیں آتا،

یہ بھٹو دودا ابن بھونگر کے خاندان سے تھا، خفیف اور انار کی زبردست شخصیت کے باعث غالباً یہ خاندان خاموش تھا، سلطان غوری کے حملہ سے جب ملک میں بدامنی پیدا ہوئی تو اس کو اٹھنے کا موقعہ مل گیا، ۲۲ برس حکومت کرکے ۶۱۱ھ میں غالباً انتقال کر گیا،

ناصر الدین قباچہ | ناصر الدین قباچہ، سلطان قطب الدین ایبک متوفی ۶۰۷ھ تک تو دہلی کے ماتحت رہا، اس لئے اس کی ساری توجہ مرکزی حکومت کے زیر اثر رہی، لیکن اس کے بعد وہ خود مختار ہوگیا، اس نے سندھ کے اکثر غیر مفتوح قلعے فتح کئے، ٹھٹھ کا علاقہ چھوڑ کر جس میں موجودہ کراچی تک کلیفر آباد حصہ شامل ہے، سب پر اس نے قبضہ کرلیا، اور چونکہ سومرہ قوم اس ملک میں بہت بااثر تھی، اس لئے اس نے ان کو کمزور کرنے کی بجد کوشش کی، اس نے ان کی زمینداریاں چھین لیں، اور صرف کاشتکار رہنے پر ان کو مجبور کردیا، اس طرح ہر جگہ سے سومرہ قوم کا اثر جاتا رہا، صرف مقام ٹھٹھ

میں ایک ریاست ان کی قائم رہی[۱]،

بھٹو کے بعد گنہرا دکھن راے[۲] تخت نشین ہوا جس کو تحفۃ الکرام کے مصنف نے خیرا لکھا ہے، جو کھن را کی بگڑی ہوئی شکل ہے،

مصنف کے انداز بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غالباً یہ بھٹو کا لڑکا تھا، جو باپ کے بعد بلا مزاحمت ملک کا وارث ہوا، فہرست مندرجۂ بالا میں اس کی مدت سلطنت ۱۶ برس لکھی ہے لیکن اس کی صحت میں کلام ہے، کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ اس کی سلطنت کا خاتمہ ۶۲۰ھ میں ہو، حالانکہ جلال الدین خوارزم شاہ نے جب ٹھٹھہ پر حملہ کیا ہے تو اس وقت خاندان سومرہ کا ایک دوسرا شخص حکمراں تھا، اس لئے بظاہر صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی مدت سلطنت صرف ۶ سال رہی ہو، اور تصحیف کاتب کی بدولت ۶ سے ۱۶ ہو گیا، اس بنا پر اس کا سال وفات ۶۱۷ھ ہوگا،

خوارزم شاہ سندھ میں

فرشتہ نے لکھا ہے کہ جب جلال الدین محمد خوارزم شاہ چنگیز خان سے شکست کھا کر سندھ آیا اور لوٹ مار کرتا ہوا لاہور پہنچا تو سلطان شمس الدین التمش نے اس کو ملک خالی کرنے کے لئے کہا، اس لئے مجبوراً وہ ملتان اور اچھ ہوتا ہوا ٹھٹھہ آیا، اس وقت ٹھٹھہ میں راجہ جلبشی خاندان سومرہ میں سے تھا، جب اس نے اپنے میں مقابلہ کی طاقت نہ دیکھی تو تمام مال و اسباب اور اہل و عیال کو لے کر ایک کشتی کے ذریعہ کسی جزیرہ میں چلا گیا،

۶۲۰ھ میں خوارزم شاہ نے ٹھٹھہ میں مستقل قیام کیا، اور آس پاس کے شہروں اور گاؤں کو خوب لوٹا، بندرگاہ دیبل جو پہلے ہی بہت کچھ تباہ ہو چکا تھا، جلال الدین نے اس کو لوٹ کھسوٹ کر بے چراغ کر دیا، اور وہاں کے دیول کو گرا کر مسجد بنائی، اسی عرصہ میں اس نے ایک فوج گجرات کی طرف روانہ کی جو لوٹ مار کر واپس آ گئی، چنگیزی فوج کی آمد کی خبر جب جلال الدین کو ہوئی،

---

۱ تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۳۱۲ لکھنؤ، ۲ اس قسم کے نام جوناگڈھ کے راجوں کے ہوتے تھے جو سمہ قوم سے تھے،

تو وہ مکران ہو کر عراق چلا گیا،[1]

فرشتہ کی تاریخ مطبع نولکشور میں طبع ہوئی ہے، جس میں کتابت کی بے انتہا غلطیاں[2] ہیں، اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ سومرہ خاندان کے حاکم ٹھٹھہ کا نام جو اس نے جلشی تحریر کیا ہے، وہ دراصل جیسی (جیسیہ) ہوگا جو "جے سنگھ" کا معرب ہے، چنانچہ اس قسم کی مثالیں بلاذری، کامل ابن اثیر، چچ نامہ وغیرہ میں بکثرت آپ پائیں گے، بادشاہوں کی عموماً تیسری پشت کم ہمت اور عیش پرست ہوتی ہے، اس لئے خیال گذرتا ہے کہ ممکن ہے کہ کھفن رائے کا لڑکا ہو، اس کی مدت سلطنت بھی میرے خیال میں صرف تین برس رہی، کیونکہ جلال الدین خوارزم شاہ کے چلے جانے کے بعد ناصر الدین قباچہ نے ٹھٹھہ وغیرہ پر قبضہ کرلیا، اور پھر خلجیوں کے حملے شروع ہو گئے، جو غزنہ سے سیوستان کے راستہ منصورہ اور دیبل آئے تھے، اور اس کے بعد شمس الدین التمش سے جنگ شروع ہو گئی، جس نے ۶۲۴ھ میں ٹھٹھہ پر قبضہ کرلیا،[3]

پس جے سنگھ ۶۲۰ھ تک سلطنت پر قابض رہا، اس کے بعد کے متعلق کوئی صحیح رائے قائم نہیں کی جا سکتی ہے، ممکن ہے کہ اس خانہ جنگی میں مرگیا ہو، یا اس نے اس جزیرہ پر قناعت کرلی ہو اور عرصہ کے بعد مرا ہو،

اسماعیلیوں کا ہمیشہ سے دستور رہا ہے کہ ایک مرکز تباہ ہوا تو فوراً دوسرا مرکز تیار کرلیتے ہیں، غرض مرکز کے ساتھ رہنا ان کو بہت محبوب ہے، جیساکہ مصر، یمن، گجرات اور خراسان میں بارہا ہوا، سندھ میں بھی ایسا ہی ہوا،

---

[1] فرشتہ جلد دوم ص۳۱۶ لکھنؤ [2] ترجمہ فرشتہ اردو مطبوعہ حیدرآباد میں اسی نام کو "راجہ سی جشنی" لکھا ہے، لیکن نواب صدر یار جنگ کے کتب خانہ حبیب گنج میں فرشتہ کا ایک قلمی نسخہ ہے، اس میں اس نام کو اس طرح لکھا ہے کہ "جیسی اور جیسیہ" دونوں پڑھ سکتے ہیں [3] طبقات ناصری ص۱۴۴ کلکتہ،

تاریخ فرشتہ میں ہے کہ ناصر الدین قباچہ کے مرنے پر سومرہ قوم نے پھر سر اٹھایا، اور آہستہ آہستہ تمام سندھ پر قابض ہوگئی[1]، سومریوں نے دیکھا کہ ان کا پایہ تخت ٹھٹھ بھی ان سے چھن گیا اور سمندر تک غیروں کا قبضہ ہوگیا، تو مجبوراً جنوب مشرق کی طرف ہٹ گئے، اور محمد تور نامی سومرہ کو سب لوگوں نے سردار بنایا، محمد تور سومرہ سردار نے اپنے نام سے ایک گاؤں آباد کیا، جس کا نام "محمد تور" (محمد ٹور) رکھا، جس کو سندھی زبان میں "مہاتم تور" کہتے ہیں،

یہ مقام ڈیرک دوڑک کے پرگنہ میں ہے، جو موجودہ پرگنہ چاچ گم اور بادین کی جگہ تھا اور یہ پارکر اور ونگا بازار کے بیچ میں ہے[2]، سومریوں نے اس مقام کا انتخاب کچھ تو مجبوری اور کچھ ہوشیاری سے کیا تھا، کیونکہ سندھ دریا کے مشرقی اور مغربی کنارے اور جنوبی مغربی حصہ جو نہایت زرخیز جگہ تھی، ان تمام مقامات پر دہلی کے حاکم قابض ہوگئے تھے، اور سوائے اس جنوبی مشرقی علاقہ کے کوئی دوسری جگہ ایسی نہ تھی جہاں خود مختار حکومت قائم کی جاتی، اس مقام کا شمالی علاقہ دریائے سندھ کی ایک شاخ مشرقی نارو کے سبب کچھ زرخیز تھی، باقی سب ریگستان جس کے ایک جانب کچھ کا علاقہ، اور دوسری طرف بیکانیر، جیسلمیر اور جودھ پور کی سرزمین تھی،

غرض محمد تور نے اس مقام کو پایہ تخت بنا کر حکومت کرنی شروع کر دی، اور تمام سومریوں کا مرکز بھی ہوگیا، اس نے کب تک سلطنت کی اس کے متعلق صحیح طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا، فہرست مندرجۂ بالا میں اس کی مدت سلطنت ۱۵ برس لکھی ہے، جے سنگھ سومرہ ۶۲۰ھ میں ٹھٹھہ چھوڑ کر بھاگ گیا تھا، اگر محمد تور نے اسی وقت حکومت قائم کر لی، جیسا کہ قرائن سے اس کا یقین ہوتا ہے، تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس نے ۶۳۵ھ تک سلطنت کی، کیونکہ اسماعیلی ہمیشہ سے سیاست کے

[1] فرشتہ جلد دوم ص ۳۱۳ نولکشور [2] عرب و ہند کے تعلقات ص ۳۶۶، الہ آباد، لیکن ان ناموں میں سے کوئی نام بھی موجودہ جغرافیہ میں نہیں ہے، صرف "نگرپارکر" البتہ ایک مقام ہے،

عادی ہیں کہ دشمنوں کی پھوٹ یا خانہ جنگی سے فوری فائدہ اٹھائیں، اور ایسے مواقع کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے، اس لئے اغلب یہی ہے کہ محمد تور نے فوراً اس ریگستانی علاقہ میں اپنی حکومت قائم کرلی ہوگی۔

اسماعیلیوں کا دہلی میں فساد

اب اسماعیلیوں نے دیکھا کہ ہندوستان میں ہر جگہ سے ان کی سلطنت مٹادی گئی، تو انھوں نے قدیم روش کا پھر اعادہ کیا، اور جس طرح ملتان اور منصورہ پر قبضہ کیا تھا، دہلی پر بھی قبضہ کرنا چاہا، کیونکہ ۶۳۳ھ میں جب سلطان شمس الدین التمش کا انتقال ہوا تو خانہ جنگی کے سبب نظام سلطنت جاتا رہا، سلطان کا لڑکا فیروز چند ماہ تخت نشین رہا کہ رضیہ سلطانہ ترکوں کی مدد سے سلطنت پر قابض ہوگئی، اسماعیلیوں نے یہ سمجھ کر کہ اس وقت تخت پر ایک عورت ہے اور ملک میں خانہ جنگی بپا ہے غالباً انقلاب آسانی سے ہو جائے گا، پہلے نور ترک نامی داعی دہلی آیا، اور کام میں مصروف ہوگیا، اور کچھ دنوں کے بعد جب ان کی تعداد بڑھ گئی تو ایک دن وقت مقررہ پر انقلاب کرنے کا ارادہ مصمم کرلیا، چنانچہ ۶ رجب یوم جمعہ ۶۳۴ھ میں عین نماز جمعہ کے وقت، یہ لوگ مسلح ہو کر نکلے، ان کی تعداد اس وقت ایک ہزار تھی، ان میں سے نصف تو مسجد میں گھس گئے، اور باقی مدرسہ معزیہ میں پہنچے، اس وقت مسلمان خاموشی کے ساتھ خطبہ سن رہے تھے، کہ اچانک ان لوگوں نے قتل عام شروع کردیا، کچھ لوگ تو ان کی تلواروں سے اور کچھ اس مجمع کثیر کے پیروں کے نیچے روندکر موت کے گھاٹ اترے، جب شہر والوں نے یہ غوغا سنا تو فوراً امرائے شہر مسلح ہو کر اپنے سپاہیوں کے ساتھ پہنچ گئے، اب ایک طرف سے مسلح سپاہیوں نے اور دوسری طرف سے عام مسلمانوں نے پتھروں اور اینٹوں سے ان کی تواضع شروع کردی، یہاں تک کہ ایک ایک شخص اس فتنہ میں مارا گیا، اور امن قائم ہوگیا۔

نور ترک کے ہمراہی زیادہ تر سندھی اور گجراتی تھے، کچھ گنگا اور جمنا کے بھی باشندے تھے، اور دہلی کے اطراف میں جو لوگ رہتے تھے، وہ بھی اس کے شریک بن گئے، اگرچہ سب

ناکامیاب رہے[1]،

محمد تور کے بعد گنہرا (کھن رائے) دوم تخت نشین ہوا، اغلب یہ ہے کہ کھن رائے (خیرا) دوم محمد تور کا لڑکا تھا، اس لئے غالباً تھوڑے دنوں سلطنت کی، جیسا کہ فہرست مندرجۂ بالا میں چند سال درج ہے، اور اس کی تائید تاریخوں سے بھی ہوتی ہے، کیونکہ سنہ ۶۳۹ھ میں سلطان شمس الدین التمش کے دربار کا ایک امیر ملک اعزالدین بلبن بزرگ اولوالعزم اور بااثر ترک تھا، وہ تختِ دہلی پر قبضہ کرنا چاہتا تھا، لیکن تمام امراء اس کے خلاف ہوگئے، اس لئے وہ ناکام رہا، اور علاء الدین مسعود تخت نشین ہوگیا، جو شمس الدین التمش کا پوتا تھا،

امرائے دربار نے اشک شوئی کے لئے ایک بڑا علاقہ جاگیر میں بلبن کو دیا، جس میں اجمیر، ناگور (مارواڑ) اور سندھ شامل تھا، اچھ پر حاکمِ ملتان نے حملہ کردیا[2]، سندھ سے اجمیر قریب ہے، اور اجمیر سے سندھ جانے کا راستہ وہی ہے جس راستہ میں محمد تور پڑتا ہے، وہ اسی راستہ سے سندھ (اچھ) گیا[3]،

ملک اعزالدین بڑا باہمت تھا، ممکن ہے کہ اس نے محمد تور پر بھی حملہ کردیا ہو، اور اس جنگ میں کھن رائے (خیرا) دوم مارا گیا ہو، اس لئے اس کی سلطنت صرف چار برس رہی،

فہرست مندرجۂ بالا کے مطابق اس کے بعد دودا سوم تخت نشین ہوا، اس کی مدت سلطنت چودہ برس لکھی ہے، جو ممکن ہے کہ صحیح ہو، کیونکہ ادھر مرکزی حکومت میں بڑی خانہ جنگی رہی، سنہ ۶۴۳ھ میں چنگیزی مغل اچھ پر آپڑے، اور تمام سندھ لوٹ مار کر واپس چلے گئے، سنہ ۶۴۴ھ میں ترکوں کی خانہ جنگی کے باعث سلطان علاء الدین معزول ہوا، اور ناصر الدین محمود تخت نشین ہوا[4] سنہ ۶۴۴ھ

[1] طبقاتِ ناصری ص ۱۸۹ کلکتہ [2] طبقاتِ اکبری ص ۷۱ کلکتہ، فرشتہ جلد اول ص ۷۳، بدایونی جلد اول ص ۷۷ و ص ۸۱ کلکتہ، مآثر رحیمی جلد اول ص ۳۰۲ کلکتہ [3] طبقاتِ ناصری ص ۲۱۵ کلکتہ،

سلطان نے بلبن بزرگ کو سندھ اس کی جاگیر پر رخصت کیا، وہ اچھ آکر جنگی کارروائی میں مصروف ہو گیا،

۶۴۹ھ میں بلبن بزرگ باغی ہو گیا، دہلی سے شیر خان حاکم ملتان اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا گیا، جس نے اچھ کا محاصرہ کر لیا، مجبور ہو کر بلبن بزرگ نے اچھ کا قلعہ شیر خاں کے حوالہ کر دیا، شوال ۶۵۰ھ میں خود سلطان ناصر الدین ملتان اور اچھ کی طرف روانہ ہوا، مگر بعض سیاسی امور کے باعث دہلی واپس آگیا، اس خلفشار سے فائدہ اٹھا کر سندھیوں نے بغاوت کر دی، اور بہت ممکن ہے کہ سومرہ کی قوم اس میں شامل ہو، شیر خاں والی سندھ نے بہت کوشش کی کہ بغاوت رفع ہو مگر سندھیوں نے کچھ ایسا زور باندھا کہ شیر خاں کی فوج کو شکست ہوئی، شوال ۶۵۱ھ میں سلطان ناصر الدین دہلی سے چل کر دریائے بیاس کے پاس ٹھہرا، اور ارسلان خان کو سندھ کا علاقہ سپرد کر کے واپس آیا، اور کچھ دنوں کے بعد ملک اعز الدین کشلیخان[۱] کے سپرد سندھ کا علاقہ ہوا،

۶۵۳ھ میں حاکم سندھ نے قتلغ خان جاگیردار اودھ کے ساتھ ملکر بغاوت کی، سلطانی لشکر نے اس کو شکست دی، قتلغ خاں بھاگ کر راجہ جبیت پور (غالباً راجپوتانہ یا مارواڑ) کے پاس چلا گیا، اور وہاں سے لشکر لے کر سندھ آیا، ۶۵۵ھ میں حاکم سندھ بھی اس سے متفق ہو گیا، اور دونوں سمانہ پہنچے، شاہی لشکر ان کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا، اس درمیان میں دہلی کے لوگوں نے ان باغیوں کو خط لکھ کر دہلی طلب کیا، یہ خبر بادشاہ کو ہو گئی، اس نے ان لوگوں کو قید کر دیا، اور بعضوں کو ان کی جاگیروں پر پروانہ کر دیا، جب یہ باغی دہلی کے قریب آئے تو اصل حقیقت سے آگاہی ہوئی، بہت گھبرائے، اور آخر بھاگ کھڑے ہوئے، ملک اعز الدین کشلیخان حاکم سندھ واپس سندھ آگیا، اور الغ خان بلبن کے ذریعہ معافی مانگ کر سندھ کی نظامت پر برقرار رہا،

اسی سال کے آخر میں تاتاری مغل پھر اچھ اور ملتان پر حملہ آور ہوئے، سلطان کو خبر ہوئی تو

---

[۱] طبقات ناصری میں اس کا نام کشلو خاں لکھا ہے ص ۲۲۳،

فوج لے کر روانہ ہوا، مغل شاہی فوج کی آمد سن کر لوٹ مار کر کے جلد واپس چلے گئے،[1]

سندھ اور مرکزی حکومت کے حالات تحریر کرنے کا منشا صرف یہ ہے کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ اندرونی خانہ جنگی اور مغلوں کے حملوں سے سندھ میں امن و سکون نہ تھا، اور سومرہ ایسے ہی مواقع کے منتظر رہتے تھے، اس لئے دودا سوم نے سومریوں کو مجتمع کر کے اپنی طاقت میں اضافہ کر لیا ہو اور اطمینان کے ساتھ ایک عرصہ تک سلطنت کی تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے،

مذکورۂ بالا حالات پر غور کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ۶۵۱ھ میں سندھیوں نے جو بغاوت کی تھی اس میں دودا اور اس کی قوم سومریوں کا ہاتھ ضرور تھا، اور اسی جنگ میں غالباً دودا مارا گیا، اگر اس کو تسلیم کر لیا جائے تو دودا کی مدت سلطنت ۱۲ سال ہوتی ہے، اور اس کی موت ۶۵۱ھ میں واقع ہوئی، تحریر کردہ فہرست میں اس کے بعد تاری کا نام آتا ہے، اور میرا خیال ہے کہ یہ لفظ در اصل "بائی" ہے، جو آج بھی بمبئی اور گجرات کی اسماعیلی عورتوں کے نام کے ساتھ موجود ہے، اس کی مدت سلطنت ۱۵ برس لکھی ہے، جس کے تسلیم کر لینے میں بظاہر کوئی امر مانع نظر نہیں آتا،

معلوم ہوتا ہے کہ دودا کے مرنے پر کوئی بالغ لڑکا نہ تھا، اس لئے اس کی بیوی یا بہن سلطنت پر قابض ہو گئی، یہ وہ وقت ہے کہ مرکزی سلطنت خانہ جنگی، بغاوتوں اور مغلوں کی یورش کی مدافعت میں ہمہ تن مصروف رہی، اس لئے نہ تو کسی جدید ملک کا اضافہ ہوا، اور نہ خود اپنے صوبوں میں کسی اصلاح یا تنظیم کا موقع پا سکی، اس لئے میرے خیال میں امن کے ساتھ بائی نے ۶۶۶ھ تک سلطنت کی، غالباً اسی خلفشار سے سومریوں نے موقع دیکھ کر دیبل پر قبضہ کر لیا، اور بائی نے اپنی طرف سے ایک حاکم مقرر کر دیا، حکمرانوں کے سلسلہ میں بائی کے بعد چنیسر کا نام آتا ہے، جو گنیش رائے کا معرب ہے، چنیسر (گنیش رائے) بائی کا یا تو وزیر تھا، یا سردار فوج جس نے بائی کے بعد سلطنت پر

[1] فرشتہ جلد اول ص۷۲، ص۷۳،

قبضہ جمایا، تحفۃ الکرام میں ہے کہ چنیسر بڑا خوبصورت اور خوشرو جوان تھا، اور اس کی شادی لیلا نام
ایک حسین عورت سے ہوئی تھی، اور دونوں میں بڑی محبت بھی تھی،

پربت کے پاس ایک راجہ تھا جس کا نام "گنھگار" تھا، اور اس کی رانی کا نام "مرکھن"، اس کی
ایک لڑکی بڑی خوبصورت تھی، ایک دن اس کی سہیلی "جمنی" نے طعنہ دیا کہ تو تو ایسے نخرے اور
ناز کرتی ہے کہ گویا چنیسر دگنیش راے کی رانی بن گئی ہے، اس طعنہ سے اس کے دل میں چوٹ لگی
اور اس نے چنیسر سے شادی کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا، اپنی ماں کے ذریعہ باپ کو اطلاع دی،
اور آخر مشورہ کرکے راے یہ طے پائی کہ ماں بیٹی کو لے کر جس کا نام "کونرو" تھا، دیول جائے،

چنانچہ سوداگری کا مال لے کر ایک تاجر کی طرح یہ سب دیول آئے، اور ایک مالن کے ذریعہ
چنیسر کے وزیر "بجے سکرا" دیا جے شنکر تک رسائی حاصل کی، اور اپنے آنے کی غرض وغایت بیان
کی، وزیر نے چنیسر سے کونرو کی بڑی تعریف کی، مگر چنیسر نے اس پر کوئی توجہ نہ کی، اور کہہ دیا کہ
لیلا کے ہوتے مجھے کسی دوسری عورت کی حاجت نہیں، اب مرکھن نے دوسری ترکیب کی، تمام
اسباب تجارت فروخت کرڈالا، اور بلا توسط لیلا کے پاس آئی، اور اپنی غربت بیان کرکے ملازمت
کی درخواست کی، اس نے ماں اور بیٹی دونوں کو ملازم رکھ لیا، آہستہ آہستہ کونرو چنیسر کے کمرہ
کی فراشی کرنے لگی، کچھ مدت کے بعد اپنی ناکامی اور وطن کی یاد نے اس کو بے قرار کردیا، اور وہ
رو پڑی، چنیسر نے دریافت کیا تو کہدیا کہ چراغ کا تیل ہاتھ میں لگ گیا تھا، اور اسی سے آنکھ کھجلائی
اسی سبب سے آنکھوں میں پانی آگیا، لیکن لیلا نے جب یہ واقعہ سنا تو اس کو شک ہوگیا، اور
اس نے اس کو اصل حال کہنے پر مجبور کردیا، کونرو نے بھی تمام حقیقت کھول کر رکھ دی، لیلا کو یقین
نہ آیا، کہ یہ راجہ کی لڑکی ہے، کونرو نے نولکھا ہار نکال کر دکھایا، لیلا اس کو دیکھ کر متحیر ہوگئی، اور زبردست
خواہش اس کو حاصل کرنے کی اس کے دل میں پیدا ہوئی، کونرو نے اس شرط پر اس کو دینے کا وعدہ کیا

کہ چنیسر دگنیش رائے، کو ایک رات کے لئے کونزو کے حوالہ کر دے، لیلا نے اس کو قبول کر لیا، اور بد مستی کی حالت میں ایک رات کونزو کو اپنی جگہ دیدی، کونزو رات بھر چنیسر کے ساتھ بستر پر لیٹی رہی، اور جب صبح کو چنیسر کی آنکھ کھلی تو یہ دیکھ حیران ہو گیا، کہ کونزو اس کے بستر پر لیٹی ہے، مرکھن نے اپنی بیٹی کی ناکامی دیکھ کر بلند آواز سے کہا، کہ عجب حال لیلا کا ہے، کہ صرف ایک ہار کے معاوضہ میں چنیسر جیسے شائق شوہر کو بیچ ڈالا، اور خود چنیسر اس سے بے خبر ہے، ورنہ لائق شوہر کب ایسی عورت کو منہ لگاتا ہے،

چنیسر کو جب کونزو کی زبانی اس کی مفصل کیفیت معلوم ہوئی تو لیلا سے اس کو نفرت ہو گئی، اور کونزو کی دلدہی کر کے اس کے ساتھ رہنے لگا، ادھر لیلا جب ہر طرح سے مایوس ہو گئی تو اپنے ماں باپ کے گاؤں چلی گئی، اور عرصہ تک اسی غم میں گھلتی رہی، ادھر وزیر جبکرہ (جے شنکر) کی نسبت اسی گاؤں میں ایک لڑکی سے تھی، لیلا کے ساتھ اس واقعہ کے پیش آنے سے لڑکی کے ماں باپ نے شادی کرنے سے انکار کر دیا، وزیر بہت گھبرایا، لیلا نے کہا کہ اگر چنیسر کو اس گاؤں میں لے آؤ، تو میں ذمہ لیتی ہوں کہ تمہاری شادی اس لڑکی سے ضرور کرا دوں گی، وزیر بڑی منت سماجت سے چنیسر کو اس گاؤں میں لایا، لیلا تبدیلِ لباس کے ساتھ منہ پر نقاب ڈال کر چنیسر کی مجلس میں پہنچی، اور لیلا کے ساتھ بے وفائی کرنے پر اس کو سخت ملامت کی، اور کچھ اس طرح شیریں الفاظ اور ناز و انداز کے ساتھ گفتگو کی کہ چنیسر اس کی طرف مائل ہو گیا، اور کہا کہ لیلا کا ذکر چھوڑو، تم خود لیلا سے کیا کم ہو، بتاؤ کہ تم کون ہو، کیونکہ میرا دل تمہاری طرف مائل ہو گیا ہے، اس نے کہا کہ تمہارے جیسے بیوفا کے ساتھ کون دل لگائے گا، چنیسر نے چاہا کہ خود اٹھ کر اس کا نقاب اٹھائے، یہ دیکھ کر لیلا جو خود بھی بےچین تھی اپنا نقاب چہرہ سے ہٹا کر سامنے آگئی، چنیسر دگنیش رائے) یہ دیکھ کر کہ یہ خود لیلا ہے، اس قدر متاثر ہوا کہ آہ سرد بھر کر زمین پر گرا

اور جان دے دی، لیلا بھی چیخ مار کر اس پر گری اور ہمیشہ کے لئے دنیا سے رخصت ہوگئی، لوگوں نے رسم ورواج کے مطابق دونوں کو جلا دیا[1]،

اس قصہ کو پڑھ کر میرا خیال ہوتا ہے کہ چنیسر (گنیش رائے) سومرہ قوم میں سے نہ تھا، کیونکہ اسماعیلیوں کا کوئی فرقہ (جہاں تک مجھے معلوم ہے) مردہ کو جلاتا نہیں ہے، بلکہ دفن کرتا ہے، شاید یہ ہند و وزیر تھا، جس نے بالی کے زمانہ میں بڑا اقتدار حاصل کرلیا، اور پھر خود مختار ہوگیا، اور غالباً اسی وجہ سے اس نے بجائے محمد تور کے اپنا پایہ تخت دیبل (دیول) قرار دیا، اس کی مدت سلطنت ۱۸ سال لکھی ہے، اور یہ پورا زمانہ سلطان غیاث الدین بلبن کا عہد ہے، پس چنیسر (گنیش رائے) کی موت ۶۸۳ھ میں ہوئی،

اسی سال ۶۸۳ھ میں مغلوں کا ایک بڑا حملہ ملتان اور سندھ پر ہوا، اس وقت ان صوبوں کا حاکم محمد خان، سلطان غیاث الدین کا بڑا لڑکا تھا، جو اسی جنگ میں شہید ہوگیا، اور اگلے سال خود بلبن چل بسا، اور اس کے بعد کیقباد کی بدمستی اور خانہ جنگی نے مرکزی حکومت کو بہت ہی کمزور کر دیا، ادھر چنیسر (گنیش رائے) کی اچانک موت اور مغلوں کے حملوں سے جو ابتری سندھ میں ہوئی اس سے سومریوں نے پھر فائدہ اٹھایا، اور بھونگر (دوم) نامی کو اپنا سردار بنا کر تقریباً تمام سندھ پر قبضہ کرلیا، بھونگر کی مدت حکومت ۱۵ برس لکھی ہے، اور واقعات کو دیکھتے ہوئے اس کی صحت کا خیال ہوتا ہے، اس لئے اس کی موت ۶۹۹ھ میں سمجھنی چاہئے،

اس کے بعد خفیف دوم اس کا جانشین ہوا، اور اس درمیان میں معز الدین کیقباد کے مرنے پر جلال الدین خلجی ۶۸۷ھ میں تخت پر بیٹھا، ۶۹۱ھ میں اس کا بڑا لڑکا ارکلی خان ملتان کا حاکم ہوا، جس کے ماتحت تمام سندھ تھا، ۶۹۵ھ میں علاء الدین خلجی دہلی کا بادشاہ ہوا لیکن بلبن ہی

---

[1] تحفۃ الکرام جلد سوم ص ۴۱ و ۴۲ و ۴۳ بمبئی ۱۳۰۴ھ فرشتہ جلد اول ص ۹۴،

کے عہد سے دستور یہ ہو گیا تھا کہ اصل حاکم (حاکمِ اعلیٰ) دیبال پور (دیوپال پور) میں رہتا، اور اس کے ماتحت ملتان، اچھ اور سیوستان کے حاکم ہوتے، اچھ اور سیوستان کے حاکم صرف شہر اور قلعہ پر متصرف رہتے، باقی تمام علاقہ ملکی (خصوصاً سومری) لوگوں کے قبضہ میں ہوتا، ان حاکموں کی حیثیت فوجی قلعہ دار اور ریزیڈنٹ (RESIDENT) کی ہوتی، لیکن جب ۶۹۵ھ میں علاء الدین خلجی تخت نشین ہوا تو ارکلی خاں خود مختار ہو گیا، سندھ کا جدید انتظام اس طرح کیا کہ اچھ، بھکر، ٹھٹھ، سیوستان ہر جگہ اپنا حاکم مقرر کیا، اور یہ انتظام آسانی اور مغلوں کی روک تھام کے لئے کیا گیا۔

معصومی نے خفیف کی حکومت ۸ اسال تحریر کی ہے، جو صحیح نظر نہیں آتی، جس کی وجہ آگے آتی ہے، اس لئے اگر صرف ۸ سال تسلیم کریں تو ۷۰۳ھ میں اس کی وفات ہوگی،

فہرست مندرجۂ بالا میں خفیف کا جانشین دودا چہارم لکھا ہے، اور حکومت ۲۵ سال درج ہے، اور پھر عمر سومرہ کا نام تحریر کر کے اس کی حکومت ۳۵ سال بتائی ہے، میرے خیال میں یہ کسی طرح صحیح نہیں ہے، کیونکہ جیسا اوپر تحریر کیا گیا ہے کہ کسی خاندان کے افراد عہد قدیم میں یکے بادیگرے طویل مدت تک سلطنت نہیں کرتے تھے، اور بجز نادر مثال کے کوئی روایت تاریخ ہند میں نہیں ملتی، اس کے علاوہ اگر مرقومہ مدت تسلیم کریں، تو بڑی خرابی یہ ہوتی ہے کہ انار (عمر) سومرہ جو علاء الدین خلجی کا ہمعصر ہے، اس کی مدتِ سلطنت بہت دور جا پڑتی ہے، اس لئے قیاس اور تاریخی تطابق سے ان کا سنہ مقرر کیا گیا ہے، البتہ تا وقتیکہ ان کے برخلاف کوئی دلیل قطعی نہ مل جائے، اسے صحیح تسلیم کرنا چاہئے، پس میرے خیال میں دودا نے ۵ برس سلطنت کر کے ۷۱۲ھ میں انتقال کیا[1]،

دلورائے | تحفۃ الکرام کے مصنف نے حکمرانوں کے سلسلہ میں دلورائے نامی ایک حاکم کا اضافہ کیا ہے،

[1] کیونکہ زیادہ رکھنے سے انار (عمر) سومرہ علاء الدین خلجی کا ہمعصر نہیں رہتا ہے،

جو فہرست مندرجہ بالا میں نہیں ہے، اس نے صاف طور پر یہ بھی تحریر نہیں کیا ہے کہ وہ کب تھا، یا کس وقت تک اس کی حکومت رہی، لیکن اس کے ایک جملہ سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ دلورائے غالباً عمر سے پہلے تھا[1]، راجہ دلورائے کی حکومت شمال میں ڈیرہ غازی خاں اور جنوب میں موجودہ حیدرآباد کے قریب تک تھی[2]، اس کا پایہ تخت ارور تھا، جو آج کل ایک معمولی قصبہ ہے[3]،

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بھونگر دوم کے آخری عہد یا خفیف دوم کے زمانہ میں اس نے ملک پر قبضہ کر لیا، یہ شخص بڑا ظالم تھا، ہر تاجر جو اس کے ملک سے گذرتا اس کا نصف مال لے لیتا، اسی طرح خوبصورت عورت بھی اس کے ہاتھ سے نہ بچتی، کہتے ہیں کہ ایک تاجر یا شہزادہ بہ لباس تاجر، حج کی نیت سے اس ملک میں وارد ہوا، جس کا نام سیف الملوک اور اس کی بیوی بدیع الجمال تھی، دلورائے نے اس کی بیوی کو بھی چھین لینا چاہا، تاجر بہت پریشان ہوا، اور تین دن کی مہلت طلب کی، اس نے دعا و زاری کے ساتھ تدبیر و زر سے بھی کام لیا، مشہور ہے کہ مایوس انسان کبھی کبھی مافوق الفطرت کام بھی کر بیٹھتا ہے، سیف الملوک نے بھی ایسا ہی کیا، کہ کثیر دولت خرچ کر کے بیشمار مزدوروں کے ذریعہ ایک رات میں پہاڑ (ٹیلہ) کھود کر اتنا راستہ بنا لیا جس سے ایک کشتی نکل سکے، چنانچہ وہ اسی پر سوار ہو کر بھاگ نکلا، اس نے چلتے وقت ایک پشتہ بھی بنوایا جس سے وہ ندی جو ارور کے پاس بہتی تھی اس کا رخ دوسری طرف ہو گیا،

دلورائے کو جب معلوم ہوا تو اس نے سیف الملوک کو گرفتار کرنے کی بڑی کوشش کی مگر ناکامیاب رہا، دلورائے کے ظلم سے تاجروں کی آمد بند ہو گئی، ادھر دریا کا رخ بدل جانے سے جو زراعت کو نقصان پہنچا، وہ بہت ہی تباہ کن تھا، کچھ ہی دنوں کے بعد شہر میں خاک اڑنے لگی، لوگ

---

[1] تحفۃ الکرام جلد سوم صفحہ ۱۴ [2] ایضاً صفحہ ۱۵ [3] دریائے سندھ کے رخ پھیر دینے سے ارور ویران ہو کر تباہ ہو گیا، یہ روہڑی سے جو اس کے بعد آباد ہوا جنوب مشرق میں پانچ میل کے فاصلہ پر تھا، اور اب ارور کی حیثیت ایک گاؤں کی ہے،

اس جگہ سے ہجرت کر کے دوسری جگہ چلے گئے، آخر یہ شہر ویران ہوگیا، دلورائے بھی وہاں سے برہمن آباد چلا آیا،

برہمن آباد کا اصلی نام "بم ہن وا" ہے[1]، آج کل ضلع نواب شاہ میں ایک ویران جگہ ہے، جو منجھوڑو تعلقہ میں واقع ہے[2]، اسی کو برہمن آباد کا ویرانہ سمجھتے ہیں، تحفۃ الکرام میں اس کا نام "بھانبرا" لکھا ہے،

دلورائے کا ایک چھوٹا بھائی جس کا اصلی نام امرانی (امرارین) تھا[3]، لیکن پیار سے لوگ اس کو چھوٹا (چھوٹو) کہتے تھے، وہ اسی کے ساتھ رہتا تھا، سو سو برس سے زیادہ ہوا کہ سندھ میں سنیوں کی اعلیٰ حکومت چلی آرہی تھی، بھکر (منصورہ) جو برہمن آباد سے بہت نزدیک واقع ہے، یہاں سُنّی خاندان صاحب علم ہمیشہ سے رہتے تھے، غالباً انہی لوگوں کے فیض صحبت سے امرانی متاثر ہوا، اور چھوٹی عمر سے اسلام (سُنّی مذہب) کی طرف مائل تھا، چنانچہ دوسرے شہر (غالباً بھکر منصورہ) جا کر اس نے قرآن کی تعلیم حاصل کی، اور حافظ ہو کر واپس آیا، اس کے گھر والوں نے شادی پر مجبور کیا، مگر اس نے صاف انکار کر دیا، اس کے بعض دوستوں نے طعنہ دیا، کہ یہ تو ملک عرب کی فلاں لڑکی سے شادی کریں گے، غالباً یہ بات اس کے دل میں کھب گئی، امرانی حج کے لئے عرب چلا گیا، اور وہاں پہنچکر غالباً اس کی تلاش کی، ایک دن کسی دکان پر ایک عورت قرآن پڑھنے میں مشغول تھی، یہ کھڑا ہو کر سننے لگا، اس عورت سے دریافت کرنے پر تجوید قرآن سیکھنے کا اشتیاق ظاہر کیا، اس نے کہا کہ میں نے تجوید فلاں عورت سے حاصل کی ہے، تم اگر چاہتے ہو تو زنانہ لباس

---

[1] کتاب الہند بیرونی ص۱۶۲ ایڈیشن [2] جغرافیہ سندھ ص۶۱ مطبوعہ کراچی ۱۹۳۲ء [3] سندھی زبان کے حروف تہجی میں سے ایک حرف "اڑان" "ڈاڑہ" ہے جس کا تلفظ مسلمان بہت مشکل سے کر سکتے ہیں، سندھی ناموں کے آخر میں یہ حرف بکثرت آتا ہے، اردو زبان میں اس کے لئے کوئی تلفظ نہیں ہے، اس لئے زیادہ تر "نی" مستعمل ہے جیسے گدوانی، کرپلانی، امرانی اور پانی،

بدل کر میرے ساتھ چلو، امرانی دوسرے دن اس کے ساتھ گیا، اور پھر روزانہ وہاں جاکر تعلیم حاصل کرنے لگا،

ایک دن کوئی عورت آئی اور اس نے اپنی لڑکی کے لئے جس کی نسبت قرار پا چکی تھی معلمہ سے سعد و نحس دریافت کیا جس میں اس کو مہارت حاصل تھی، عورت کے جانے پر امرانی نے معلمہ سے کہا کہ تم دوسروں کا ستارہ دیکھتی ہو خود اپنا بھی تو دیکھو، چنانچہ اس نے دیکھ کر کہا کہ میری شادی کسی سندھی سے ہوگی، اس نے پوچھا کہ کب؟ جواب دیا کہ بہت جلد، امرانی نے سوال کیا کہ کس شخص سے؟ اس نے استخراج کرکے کہا کہ تجھ سے،

معلمہ نے اس کو تاکید کردی کہ کل سے وہ نہ آئے، اور میرے باپ سے جاکر میرے ساتھ شادی کا پیغام دے، چنانچہ وہ شادی کرکے اپنی بیوی کے ساتھ سندھ واپس آیا، اور برہمن آباد میں رہنے لگا، امرانی بڑا نیک بخت اور پارسا تھا، دلوراے کو برابر نصیحت کرتا، اور نیکی کی طرف مائل کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتا، لیکن دلوراے اپنی بد چلنی سے باز نہ آتا،

ایک دن کسی نے امرانی کی بیوی فاطمہ کے حسن کی بڑی تعریف کی، دلوراے نے موقع تاک کر جب کہ امرانی گھر میں موجود نہ تھا، فاطمہ کے دیکھنے کا ارادہ کیا، چنانچہ جب وہ گیا تو امرانی کو بھی خبر لگ گئی، وہ بھی پہنچا، اور اپنی بیوی کو لے کر شہر سے باہر نکل گیا، اور اس نے اعلان کرا دیا کہ دلوراے کی شامت اعمال سے یہ شہر دھنس جائے گا، آخر تیسری رات کو جب کہ لوگ میٹھی نیند میں مست تھے، زلزلہ سے یہ شہر زمین کے اندر دھنس کر ایسا برباد ہوا کہ بجز ایک مینار کے کوئی چیز زمین پر نہ رہی،[1] غرض حاکم اور محکوم سب ہی موت کے گھاٹ اتر گئے، اور غالباً دلوراے کا خاتمہ بھی اسی کے ساتھ ہوا،[2] ضلع تھر پارکر میں ایک پہاڑ کارونجھر ہے، جو غالباً کسی زمانہ میں آتش فشاں تھا، یہاں اکثر زلزلہ اب بھی آتا ہے،[3] اس کا اثر کبھی کبھی دور تک ہوتا ہے، سانگھڑ کا علاقہ اسی ضلع میں شامل ہے،

---

[1] تحفۃ الکرام جلد سوم ص۲۶ بمبئی [2] ایضاً ص۲۵ و ۲۶ [3] جغرافیہ سندھ ص۱۳ کراچی ۱۹۳۲ء،

اور اسی سے متصل برہمن آباد ہے، اس لئے کبھی کبھی برہمن آباد کا بھی اس سے متاثر ہو جانا کوئی تعجب بات نہیں ہے،

انار سومرہ | معصومی نے دودا چہارم کے بعد عمر سومرہ کا ذکر کیا ہے، تحفۃ الکرام میں بھی عمر (انار) کا ذکر موجود ہے، انار (عمر) علاء الدین خلجی کا ہمعصر ہے، سندھ کی تمام حکومت دہلی کے ماتحت تھی، اور بڑے مقاموں میں شہنشاہ دہلی کی طرف سے حاکم دہائی کمشنر رہتے، عمر سومرہ ان کے ماتحت تھا، اور اس کا پایہ تخت محمد تور،

ماروی کا قصہ | ماروی (ماہرو) نامی ایک عورت ایک مرد سے منسوب تھی، لیکن اس کے والدین نے کسی سبب سے دوسرے کے ساتھ اس کی شادی کردی، وہ شخص دل میں بہت جلا، اور اس کا انتقام اس نے اس طرح لیا کہ عمر سومرہ کے پاس جاکر یہ کہا کہ فلاں عورت جو مجھ سے منسوب تھی، اس کی شادی دوسرے سے کردی گئی ہیں تو اس سے دست بردار ہو گیا، لیکن آپ اس کو دیکھیں اپسند ہو تو بیشک وہ آپ کے محل کے لائق ہے،

انار (عمر) سانڈنی پر بیٹھ کر فوراً اس گاؤں میں پہنچا، اس کو دیکھ کر بے اختیار اس کا دل محبت سے لبریز ہو گیا، اور موقع پاکر اس عورت کو محل میں لے آیا، محل میں اس کے آرام و آسائش کا تمام سامان مہیا کردیا، مگر اس عورت نے ذرا توجہ نہ کی، اور دن رات اپنے شوہر کی یاد میں روتی پیٹتی رہی،

انار (عمر) نے بارہا اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی، مگر وہ کسی طرح راضی نہ ہوئی، جب ایک سال تک یہی حال رہا تو مجبور ہو کر اس نے اس کے شوہر کو طلب کرکے عورت اس کے حوالہ کردیا، اور بہت انعام و اکرام دیا، مگر اس کے شوہر نے سوءظنی سے اس کو خوب مارا، اور لوگوں نے بھی طعنہ دینا شروع کیا،

یہ خبر جب انار کو ہوئی تو غصہ ہو کر اس نے اس قبیلہ والوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا، ماروی اس خبر کے سنتے ہی اپنے قبیلہ والوں کو تسلی دے کر انار کے پاس لائی اور کہا کہ خطا تمہاری ہے، تم بیگانہ عورت

کو سال بھر اپنے گھر میں رکھو تو کون آدمی اس کی پاکدامنی کا یقین کرسکتا ہے، انار پر اس کا بہت اثر ہوا، اس کے شوہر کو طلب کر کے کہا کہ بیشک اس عورت کا میں طلبگار تھا، مگر یہ کسی طرح راضی نہ ہوئی، اور یہ بڑی نیک اور پاکدامن ہے، اب جس طرح تمھاری تسلی ہو وہ کہو میں کرنے کو تیار ہوں، عورت نے کہا کہ قصور میری جانب منسوب ہے، اس لئے لوہا تپا کر میرے ہاتھ پر رکھو، غرض قوم کے سامنے آتشیں امتحان میں عورت کامیاب ہو کر اپنے شوہر کے ساتھ چلی گئی،

عمر دانار ۲ سومرہ کو غالباً تعمیرات کا زیادہ شوق تھا، اس نے محلات کے علاوہ ایک شہر بھی آباد کیا، جس کے ساتھ ایک قلعہ بھی تھا، اس کا نام عمر کوٹ رکھا، آج بھی یہ شہر موجود ہے، یہ آبادی ضلع تھر پارکر میں واقع ہے، جو میرپور خاص سے قریب ہے، یہاں کے لوگ مویشی بکثرت پالتے ہیں، اور گھی کی تجارت سے بڑا نفع اٹھاتے ہیں، ہندوستانی نقشوں میں اس کا املا الف سے کرتے ہیں یعنی امر کوٹ لکھتے ہیں، یہ وہی مقام ہے جہاں ہندوستان کا شاہنشاہ اکبر اعظم پیدا ہوا تھا، اور یہی سبب ہے اس کی شہرت بہت زیادہ ہے،[۳]

لنگا کا قصہ | گنگا نامی ایک لڑکی خاندان بنی تمیم کی انار (عمر) کے ساتھ منسوب تھی، چونکہ وہ ابھی حد بلوغ کو نہیں پہنچی تھی، اس لئے اس کی صورت انار کو ناپسند ہوئی، اور اس نے دوسرے کے ساتھ شادی کرنے کی اجازت دیدی، چنانچہ تمیم خاندان کے ایک مرد سے جو انار کا مصاحب تھا، اس کی شادی ہوگئی، جب اس کا گل رخسار کھل گیا، اور اس کے حسن کا شہرہ دور دور پہنچا تو انار نے بھی اس کو دیکھنے کی خواہش کی، لوگوں کے مشورہ سے شکار کے بہانے وہاں گیا، اور یہ معلوم کرکے کہ لنگا کا شوہر گھر میں نہیں ہے، ایک کبوتر اس کے گھر میں چھوڑ دیا، اور پھر تیر لینے کے حیلہ سے اس مکان میں جاکر اس کو دیکھا، دیکھتے ہی اس کی زلف گرہ گیر کا اسیر ہوگیا،

---

۱ تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۳۶ ۲ جغرافیہ سندھ صفحہ ۵۶ سنہ ۱۹۳۲ء ۳ طبقات اکبری و بدایونی و تحفۃ الکرام جلد سوم صفحہ ۶۳،

واپس آکر مصاحبوں کے مشورہ سے اس کے شوہر پر بڑی مہربانی کرنے لگا، خلافِ معمول جو اس پر مراحم خسروانہ شروع ہوئے تو اس نے لوگوں سے اس کی وجہ دریافت کی، مصاحبوں نے کہا کہ عمر دانار کا خیال ہے کہ تمھارے ساتھ اپنی بہن کی شادی کردے،

ایک دن مجلس شراب کی گرم ہوئی جس میں گنگا کا شوہر بھی شریک تھا، جب مستی کے آثار نمودار ہوئے تو مصاحبوں نے اس سے کہا کہ انار اپنی بہن سے تمھاری شادی کردینے کو تیار ہے، مگر تمھارے پاس پہلے سے ایک بیوی موجود ہونے کے سبب وہ متردد ہوگیا ہے، تم اپنی بیوی کو طلاق دے کر انار کے حوالہ کردو تاکہ جس سے مناسب سمجھے اس کی شادی کردے، تو پھر انار کو کوئی عذر نہ ہوگا، اس سادہ لوح نے گنگا کو طلاق دے دی، اور جب انار کی خواہش کے مطابق تمام باتیں ہوگئیں تو اس کو ذلت کے ساتھ مصاحبوں نے دربار سے نکال دیا، اور کہا کہ جب تو ایسی وفادار عورت کو بغیر کسی قصور کے محض حب جاہ کے لئے چھوڑ دیتا ہے تو پھر تیرا کیا بھروسہ، تو ہرگز اس لائق نہیں ہے، کہ تیرے ساتھ سردار کی لڑکی بیاہی جائے،

مرد تمیمی جب صبح ہوش میں آیا، اور رات کے واقعہ کا علم ہوا تو اس نے سر پیٹ لیا، اور فریادی بن کر دہلی سلطان علاء الدین خلجی کے پاس گیا[1]، علاء الدین نے ایک فوج سالار خاں سپہ سالار کے ماتحت عمر دانار کی گوشمالی کے لئے روانہ کردی، سومریوں کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اپنے اہل وعیال کو سندھ سے مکران کے علاقہ دار الامارہ کیچ روانہ کردیا، اور خود مع تمام سومرہ کے جنگ کے لئے آمادہ ہوگیا، سلطانی فوج قبضہ کرتی ہوئی محمد تور تک آگئی، تو ان لوگوں نے بھی خوب دادِ شجاعت دی، مگر آخر شکست کھا کر مکران کی طرف بھاگ نکلے اور ان کا سردار پسر سومرہ مارا گیا[2]، شاہی لشکر بھی تعاقب کرتا ہوا ان کے پیچھے چلا، لیکن مکران میں سمہ قوم کے سردار ابرہ (ایرانی) نے

---

[1] تحفۃ الکرام جلد سوم صد ۳۵ [2] ایضاً صد ۳۵،

شاہی لشکر سے مل کر ان کے اہل وعیال پر چھاپہ مارا، اور پھر متعدد جنگ کے بعد سومرہ منتشر ہو گئے اور غالباً بلوچستان کے پہاڑوں میں پناہ گزیں ہوئے، اور شاہی لشکر واپس آیا، پایہ تخت محمد طور تباہ ہو گیا، اور اینٹ سے اینٹ اس کی بج گئی، ان دونوں مغلوں کی آمد کا ہمیشہ خطرہ رہتا، اس لئے ملک غازی تغلق سرحدی حاکم ہمیشہ فوجی دورہ کرتا رہتا، اس خوف سے سومرہ قوم کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ پھر مجتمع ہو کر باقاعدہ حکومت کریں،

۷۱۶ھ میں علاء الدین کے بعد قطب الدین تخت نشین ہوا، لیکن اس کی عیش پرستی اور غفلت سے فائدہ اٹھا کر وزیر خسرو خان گجراتی نے ۷۲۰ھ میں خود تخت پر قابض ہو گیا،

محمد تغلق کا عہد۔

ملک تغلق غازی کو جب اس کی خبر ہوئی تو اس نے فوج کشی کا ارادہ کیا، اس وقت اس کے ماتحت تین حاکم تھے، ملتان، سندھ اور سیوستان، اس نے ملتان اور سندھ کے حاکم کو لکھا کہ فوج لے کر میری مدد کرو، لیکن ملتان کے حاکم مغلطی نے انکار کر دیا، غالباً وہ اس سے فائدہ اٹھا کر خود مختار ہونے کا خیال رکھتا تھا، ملک غازی نے سندھ کے حاکم بہرام ایبہ کو لکھا کہ فوج لے کر ملتان کے حاکم کو نکال دو، چنانچہ بہرام فوج لے کر ملتان گیا، حاکم ملتان مارا گیا، اور بہرام کی فوج غازی تغلق سے مل گئی جس نے خسرو خاں کو قتل کر کے دہلی پر قبضہ کر لیا، اور پھر خود بادشاہ ہو گیا، اور بہرام سندھ اور ملتان کا حاکم،

اس خلفشار اور خانہ جنگی سے سومرہ قوم نے پھر فائدہ اٹھایا جو لوگ ادھر منتشر ہو گئے تھے سب کو جمع کر کے سردار نے ٹھٹھہ پر قبضہ کر لیا، اور پھر محمد طور کو دوبارہ آباد کیا اور مثل سابق حکومت کرنے لگا، اور غالباً دہلی کی مرکزی حکومت سے بھی اس نے صلح کر لی، اور حسب دستور سابق ایک حاکم علی ان کا نگراں رہا،

۷۲۵ھ میں ملک غازی کا لڑکا سلطان محمد تغلق تخت نشین ہوا، اور اس کے ابتدائی عہد میں ملتان کے حاکموں نے بار بار بغاوت کی جس کے باعث عرصہ تک بدامنی رہی، اور سومرہ قوم کو ابھرنے

کا کافی موقع ملا،

الرور اور برہمن آباد کی تباہی سے سومرہ قوم کی آبادی زیادہ تر جنوبی سندھ اور دریا کے مغربی ساحل پر ہو گئی تھی، کیونکہ سیوستان کے پاس دریا ہٹ آنے سے زرخیزی اور شادابی بڑھ گئی تھی، اس کے علاوہ شاہی فوج سے شکست کھانے کے بعد جو لوگ مکران اور بلوچستان چلے گئے تھے، وہ بھی غالباً اسی طرف آ کر آباد ہو گئے، چنانچہ ۷۳۴ھ میں جب ابن بطوطہ سندھ آیا تو وہ سومریوں کے ایک بڑے آباد شہر میں مقیم ہوا جس کو اس زمانہ میں جنانی کہتے تھے، اور اس وقت سومریوں کا امیر ونار (انار یا عمر) تھا،[1]

ان دونوں انار سیوستان میں رہتا اور اس کے ساتھ امیر قیصر رومی (ہائی کمشنر) تھا، اس شہر کا باشندہ رتن نامی ایک ہندو حساب کتاب میں بڑا ہوشیار نکلا، کسی امیر کے توسط سے دربار شاہی تک رسائی پیدا کی، محمد شاہ تغلق نے اس کی لیاقت کو دیکھ کر راجہ کا خطاب اور سیوستان کا حاکم بنا دیا، راجہ ملک رتن جب سیوستان پہنچا تو انار اور قیصر رومی کو یہ بات سخت ناگوار گزری کہ ایک ہندو کو مسلمان پر حاکم بنا کر بھیجا، اس لئے ان دونوں نے مل کر اس کو قتل کر ڈالا، اور سلطان سے باغی ہو گئے، انار کو ملک فیروز کا خطاب دے کر لوگوں نے اپنا بادشاہ بنایا، اور شاہی خزانہ جس میں بارہ لاکھ اشرفی تھی، ان لوگوں نے لوٹ کر آپس میں تقسیم کر لی،

ملتان کے حاکم اعلیٰ عماد الملک سرتیز کو جب اس کی خبر ہوئی، تو وہ فوج لے کر اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے فوراً روانہ ہوا، ملک فیروز انار ڈرا، کیونکہ اس کے پاس صرف اٹھارہ سو سوار تھے، اس لئے اپنے رشتہ داروں اور ہمراہیوں کو لے کر اپنے قبیلہ کی طرف چلا گیا، تب لوگوں نے امیر قیصر کو اپنا سردار بنایا، جس کو عماد الملک نے شکست کے بعد گرفتار کر کے

[1] ابن بطوطہ جلد دوم ص۵، مصر،

قتل کرڈالا۔[1]

اب قابلِ تحقیق یہ امر ہے کہ ابن بطوطہ نے جس انار کا ذکر کیا ہے، وہ وہی انار (عمر) ہے جو علاء الدین کا ہمعصر تھا، یا کوئی دوسرا ہے، تحفۃ الکرام میں ہے کہ علاء الدین خلجی کے افسر سالار خاں کے ساتھ جنگ کرنے میں عمر سومرہ کا سپہ سالار سپر سومرہ مارا گیا، خود انار کی نسبت کچھ نہیں ہے، جس سے گمان ہوتا ہے کہ غالباً وہ زندہ رہ گیا، اور خسرو خاں گجراتی کے فتنہ سے اسی عمر سومرہ نے فائدہ اٹھا کر دوبارہ اپنی سلطنت قائم کرلی اور غالباً یہی انار (عمر) سومرہ ہے جو ابن بطوطہ کا ہمعصر ہے،

اس کی تائید ایک طرح سے معصومی کے بیان سے ہوتی ہے کہ اس نے اپنی فہرست میں انار کی مدتِ سلطنت ۳۵ سال لکھی ہے، لیکن یہ مدت اگر ہم تسلیم کرلیں، تو خاندانِ سومرہ کا خاتمہ تقریباً سنہ ۷۶۰ھ میں ہوتا ہے، جو کسی طرح صحیح نہیں، مگر اس سے اس قدر تو معلوم ہوا کہ انار (عمر) نے عرصہ دراز تک حکومت کی، اس لئے بہت ممکن ہے کہ علاء الدین اور تغلق دونوں کا ہمعصر ایک ہی انار (عمر) ہو،

ملک فیروز کا شاہی فوج سے مقابلہ نہ کرنا اور بھاگ کر اپنے قبیلہ میں چلے آنے سے بھی اس خیال کو تقویت ہوتی ہے، کہ عمر ایک دفعہ شاہی فوج سے شکست کھا کر اپنے ملک کی بربادی دیکھ چکا تھا، اس لئے قیصر رومی کے اثر سے وہ بغاوت میں شریک تو ہوگیا، مگر جب اس نے اپنی کمزوری محسوس کی تو وہ نہیں چاہتا تھا کہ دوبارہ اس کا ملک برباد ہو،

ملک فیروز انار (عمر) بھاگ کر "بھکر" پہنچا، اور خاموشی کے ساتھ اس نے چند سال حکومت کی، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دشمنوں نے اس کو چین سے بیٹھنے نہ دیا، اس کے علاوہ ہمہ قوم کا

---

[1] ابن بطوطہ جلد دوم ص ۶ (ملخص)، ابن بطوطہ نے اس سومرہ کا نام "دنار" ڈ سے لکھا ہے، لیکن عفیف سراج نے (ص ۱۹۲ کلکتہ میں) اسی نام کو الف سے "انڑ" لکھا ہے، میرے خیال میں انار (انڑ) صحیح لفظ ہے، کیونکہ انار دہلی میں آکر رہ رہ چکا ہے اس لئے عفیف نے اس کا تلفظ صحیح لکھا ہوگا، بخلاف ابن بطوطہ کے جس نے اس کا ذکر محض شبہۃً کیا ہے،

اثر اب بہت بڑھ گیا تھا، کیونکہ وہ مکران پر قابض ہوکر مغربی سندھ میں پھیل چکے تھے، اور جنوب کی طرف بھی آگئے تھے، غرض کاہ بن تماچی، ملک فیروز انار (عمر) اور علی شاہ کو بھکر سے گرفتار کر بہرام پور لایا، پہلے علی شاہ کو قتل کیا، اور تین دن کے بعد ملک فیروز انار کو دوسروں نے مار ڈالا[۲]

اس کی مدتِ حکومت ان وجوہات سے جیسا کہ اوپر میں نے تحریر کیا ہے، اگر ۲۵ برس تسلیم کرلیں تو اس کا سنہ وفات ۷۳۴ھ ہوگا، اس کے بعد بھونگر سوم اس کا جانشین ہوا، اس نے موقع سے فائدہ اٹھاکر کافی ترقی کی، دریاے سندھ کا مشرقی حصہ جو علاء الدین خلجی کے عہد میں نکل گیا تھا، اس نے پھر اس پر قبضہ کرلیا، کیونکہ ملتان میں بار بار کی بغاوت سے خلل پیدا ہوگیا تھا، پھر مغلوں کے حملوں نے بھی اس میں اضافہ کردیا، ادھر سلطان محمد تغلق اودھ، بنگال اور مالوہ کی بغاوت کے علاوہ قحط و وبا سے بحد پریشان تھا، اس لئے سندھ کی انتظامی حالت اچھی نہیں رہی، اور سومرہ قوم کو اس پر قبضہ کرنے کا کافی موقع مل گیا، اور چونکہ یہ سلطان کے باجگزار ہونے کا اقرار کرتے اس لئے کوئی پرسش ان سے نہ ہوتی،

بھونگر کی مدتِ حکومت معصومی نے دس برس لکھی ہے، اس حساب سے اس کی وفات ۷۴۴ھ میں ہوئی، اس عہد میں سومرہ قوم نے کافی ترقی کرکے اپنے ملک کو وسیع کرڈالا، اور اچھ تک اس کے قبضہ و اقتدار میں تھا، جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا، لیکن ان کا اصلی زوال انار سومرہ کے عہد سے شروع ہوگیا تھا، معاشرتی، تعلیمی اور اخلاقی حیثیت سے یہ قوم بہت نیچے گرگئی جیسا کہ آگے آئیگا،

حضرت مخدوم جہانیاںؒ اور سومرہ حاکم اچھ

فرشتہ نے سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاںؒ کے حالات میں اچھ کے سومرہ حاکم کے متعلق ایک حکایت لکھی ہے کہ "مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری ایک دن

[۱] تحفۃ الکرام جلد سوم ص [illegible] الخ؛

رمضان کے مہینہ میں مسجد میں معتکف تھے، اور مریدوں اور درویشوں کا ہجوم تھا، اُچھ کا حاکم جو سومرہ تھا، وہ آپ سے ملنے کے لئے آیا، غالباً کسی درویش سے کوئی ایسی حرکت ہوئی جو اس کے حاکمانہ خیال کے مطابق درست نہ تھی، اس لئے اس نے مسجد سے اس کو نکال دیا، سید موصوف کو جب اس کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ "سومرہ شاید دیوانہ ہوگیا ہے" سومرہ واقعی دیوانہ ہوگیا، اور شہر میں غل مچ گیا، اس کی والدہ یہ معلوم کرکے فوراً سید موصوف کے پاس حاضر ہوئی، اور بڑی عاجزی سے عرض کیا کہ میری پیرانہ سالی پر رحم فرما کر اس نوجوان کو معاف کردیں، غرض چند شرائط کے ساتھ اس کو معاف فرمایا، وہ ہوش میں آکر آپ کے قدموں پر گرا، اور آپ کا مرید ہوگیا[۱]،

یہ واقعہ کس سومرہ کے عہد میں ہوا، یہ ایک غور طلب مسئلہ ہے، شیخ رکن الدین ابو الفتح ملتانی راوی ہیں کہ سید مخدوم ہر سو ان ان کی خدمت سے فیضیاب ہو کر مکہ، مدینہ اور دیگر اسلامی ممالک کی سیاحت کو نکلے[۲]، اور ۷۴۲ھ میں وہ ہندوستان واپس آئے اور اُچھ میں مقیم ہوگئے، پس یہ واقعہ سیاحت کے بعد کا تو ہو نہیں سکتا، کیونکہ ۷۴۲ھ سے بہت پہلے سومرہ خاندان ختم ہوچکا تھا، اس لئے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس سے قبل کا واقعہ ہے،

شیخ رکن الدینؒ کا انتقال ۷۳۵ھ میں ہوا[۳] اس وقت سید موصوف کی عمر ۲۸ برس کی تھی کیونکہ ان کی ولادت ۷۰۷ھ میں ہوئی ہے، اور چونکہ شیخ رکن الدینؒ اپنی زندگی ہی میں ان کا سفر کرنا بیان کرتے ہیں اس لئے اغلب یہ ہے کہ ۲۸ برس کی عمر تک میں یہ واقعہ ہوا ہوگا، اس لحاظ سے یہ عہد انار دُعمرا کا آخری زمانہ یا بھونگر سوم کا ابتدائی عہد ہوگا، اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس عہد میں سومریوں کا قبضہ اُچھ تک تھا، اور امیر کی طرف سے کوئی حاکم یہاں رہتا ہوگا،

بھونگر کے بعد سومرہ قوم کا آخری حکمراں ہمیر، امیرا ہوا جس کا املا بعضوں نے غلطی سے

---

[۱] فرشتہ جلد دوم ص۴۱۶ نولکشور [۲] ایضاً ص۴۱۵ [۳] مراۃ الاسرار مولانا عبدالرحمن چشتی،

"حمیر" لکھا ہے، جو صحیح نہیں ہے، کیونکہ ہندی میں امیر کو ہائے ہوز سے لکھا جاتا تھا، جیسا کہ سلطان محمود غزنوی اور سلطان شہاب الدین غوری کے ہندی سکوں میں درج ہے،

تحفۃ الکرام میں اس کا نام "ارمائیل" لکھا ہے[1]، جو غالباً اس کا اصلی نام تھا، مگر پھر خیال گزرتا ہے کہ کہیں یہ امیر المومنین ہی کا تحریف شدہ لفظ تو نہیں ہے؟

گوجر رانی کا قصہ امیر ارمائیل کی نسبت تحفۃ الکرام میں ایک قصہ نقل کیا گیا ہے کہ ایک گوجر رانی نے جو اپنے باپ کے بعد خود حکمراں تھی، ایک قصر طلسمی طور پر تیار کیا، اور مشہور کیا کہ جو کوئی اس میں داخل ہو کر تخت پر جلوس کرنے کی جرأت کرے گا میں اسی سے شادی کروں گی، اس ہوس میں بہت لوگوں نے جان دی،

ایک دن ہمیر (امیر) تین مصاحبوں کے ساتھ شکار کرتے ہوئے رانی مومل کے قصر تک پہنچا، ان مصاحبوں میں ایک شخص رانا میدرہ اس کا برادرِ نسبتی بھی تھا، قصر کی تعریف سن کر پہلے دن خود امیر ارمائیل دیکھنے کے لیے گیا، مگر طلسمی آب کو دیکھ کر آگے جانے کی ہمت نہ پڑی، ناکام واپس آیا، دوسرے دن ایک مصاحب گیا اور تیسرے دن دوسرا گیا، لیکن سب ناکامیاب رہے، چوتھے دن رانا میدرہ جرأت کر کے قصر کے اندر تخت پر جا بیٹھا، رانی مومل نے اس کو شرف باریابی بخشا، رات گذار کر صبح کو واپس آیا، اور قصہ سب لوگوں کو سنایا، امیر سومرہ نے کہا کہ اب تو وہ تمہاری ہو چکی، مگر ذرا مجھے بھی ایک دفعہ دکھا دو، چنانچہ دوسری رات اپنے ساتھ لے گیا، امیر سومرہ کو یہ ناگوار گذرا کہ ایسی عورت اور یہ پا جائے، غرض میدرہ کو شہر میں لا کر نظر بند کر دیا، تاہم وہ ہر شب سانڈنی پر سوار ہو کر رانی مومل سے ملتا اور صبح کو واپس آجاتا،

ایک دن رانی مومل کسی رشتہ دار سے ملنے چلی گئی، رانا میدرہ حسبِ دستور جب گیا تو ملاقات نہ ہوئی، بدگمان ہو کر واپس آگیا اور پھر نہ گیا، رانی بیقرار ہو کر رانا میدرہ کے شہر میں آئی اور

---

[1] تحفۃ الکرام جلد سوم ص ۳۵،

اس کے محل سے متصل اپنا محل بنایا کہ شاید کسی وقت اس پر نظر پڑ جائے، مگر رانی نے کبھی کھڑکی نہ کھولی، جو اس کو دیکھ سکے، رانی آخر مایوس ہو کر دنیا سے چل بسی، رانا مہیدرہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے بھی اس کا ساتھ دیا اور جان شیریں جاں آفریں کے سپرد کی،[1]

محمد تغلق کا محاصرہ ٹھٹھہ

سلطان محمد تغلق کے عہد میں "طغی" نامی ایک غلام تھا جس نے بغاوت کر کے گجرات پر قبضہ کرنا چاہا تھا، مگر سلطان محمد تغلق کی فوج نے اس کو شکست دے دی اور وہ بھاگ کر سندھ پہنچا، سومریوں نے اس کو ٹھٹھہ میں پناہ دی، جب سلطان کو اس کی خبر ہوئی تو وہ ایک بڑی فوج لے کر "مانڈل" اور وہاں سے تھری تک آیا تھا کہ بیمار ہو گیا اس لئے خود مانڈل واپس آیا، جب صحت ہو گئی تو پھر تھری واپس ہوا، اور یہاں سے ٹھٹھہ کی طرف روانہ ہوا،

۱۳ ارمحرم ۷۵۲ھ میں سلطان ٹھٹھہ سے ۱۴ کوس پر آپہنچا، فوج حملہ کرنے کے لئے بالکل تیار تھی کہ یکایک سلطان علیل ہو گیا، ادھر سومریوں نے جو یہ آفت دیکھی تو اپنے میں مقابلہ کی طاقت نہ پاکر قلعہ بند ہو گئے، لیکن ۲۱ ارمحرم ۷۵۲ھ میں جب سلطان کا انتقال ہو گیا، اور ملک فیروز شاہ تغلق تمام فوج کے ساتھ دہلی چلا تو سومریوں کی جان میں جان آئی،[2] اور انھوں نے فوج کا تعاقب شروع کیا، اور دو تین دن تک خوب لوٹ مچائی، اور غالباً سومریوں کی سرحد سے نکل جانے پر یہ لوگ واپس آئے،

سومریوں کی حکومت کا خاتمہ

اس سے پہلے لکھا جا چکا ہے کہ سمہ قوم ان دنوں بڑی طاقتور ہو گئی تھی، مکران کے علاوہ مغربی سندھ سے جنوبی سندھ تک پھیل گئی تھی، اور گو اس وقت تک محکوم کی حیثیت رکھتی تھی، مگر ہر وقت حاکم بننے کے لئے تیار تھی، ادھر سومریوں کی اخلاقی حالت بہت خراب ہو چکی تھی، ارمائیل سومرہ کے ظلم سے بھی لوگ تنگ آگئے تھے[3]، کہ اسی زمانہ میں ایک واقعہ پیش آیا،

[1] تحفۃ الکرام جلد ۳ صفحہ ۱۱ [2] فرشتہ صفحہ ۱۴۴ جلد اول نولکشور [3] تحفۃ الکرام جلد سوم صفحہ ۳۵،

جس نے انقلاب حکومت کے لئے راستہ صاف کردیا، سومرہ قوم شراب کثرت سے استعمال کرتی اور گزک کے لئے بھینس کا گوشت ان کو بہت پسند تھا، ایک دن کسی سومرہ نے بھینس کا ایک پڑوا کسی سمہ کے گھر سے جبراً لے کر ذبح کر ڈالا، اور شراب وکباب سے اپنی محفل کو آراستہ کیا، سمہ اس وقت گھر میں نہ تھا، جب واپس آیا تو اس کی عورت نے اس واقعہ کی اطلاع دے کر اپنے شوہر کو غیرت دلاتے ہوئے کہا کہ سومریوں نے تو یہ خوب دستور مقرر کرلیا ہے کہ جس کا مال پائیں جبراً چھین لے جائیں، آج پڑوا اٹھالے گئے ہیں تو کیا تعجب کہ کل سمہ قوم کی عورتوں کو جبراً پکڑ لیجائیں،

سمہ کو اس سے بڑی غیرت آئی، اس نے کچھ لوگوں کو جمع کر کے متعدد سومری سرداروں کو قتل کردیا، اور پھر سب ریگستان کی طرف بھاگ نکلے، سومریوں نے ان کا تعاقب کر کے بہت کوشش کی کہ ان کو گرفتار کریں مگر ناکام رہے، غالباً سومری سمہ قوم کی طاقت سے واقف تھے، اس لئے خوفزدہ ہوکر ان سے صلح کرلینے کی سعی بھی کی لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا،[1]

ادھر سمہ نے ایک مقام پر جمع ہوکر مشورہ کیا اور اُنّر (انار) نامی ایک شخص کو سب نے مل کر سردار بنایا، اس نے اپنی مسلح قوم سے غالباً اچانک سومریوں پر حملہ کردیا، سومریوں کی شکست پر انار سمہ نے پایۂ تخت محمد تور اور ٹھٹھ وغیرہ پر قبضہ کرلیا، لیکن محمد تور کو شاہی لشکر نے لوٹ کر تباہ کردیا تھا، اس لئے اس کو منحوس سمجھ کر انار سمہ نے پایہ تخت بنانے کے لئے ایک اور شہر آباد کیا جس کا نام "ساموئی" رکھا،[2]

انار بن بابنیہ سمہ نے تھوڑے ہی دنوں میں سُنّی مسلمانوں کی مدد سے[3] امن قائم کر کے تمام سندھ پر قبضہ کرلیا، دریائے سندھ کے شمالی مغربی حصے جو ابھی تک ملک رتن کے آدمیوں کے پاس تھے، انار سمہ نے ان سے لے لیے، اور اس دن سے سمہ قوم کی مستقل حکومت سندھ میں قائم ہوگئی،

---

[1] تحفۃ الکرام جلد سوم ص۴۱ [2] ایضاً ص۴۹ [3] فرشتہ جلد دوم ص۳۱۹ نولکشور،

غرض سنہ ۷۵۲ھ میں سومرہ قوم کی حکومت تباہ ہوگئی،[1] اور یہ لوگ عام رعایا کی طرح رہنے
لگے، گو ان میں جماعت کے ساتھ ایک سردار کے ماتحت رہنے کی خو آخر تک باقی رہی جیسا کہ
آگے آرہے گا، مگر پھر ان میں سیاسی قوت کبھی نہ آئی جس سے یہ دوبارہ اپنی کھوئی ہوئی حکومت
واپس لیتے، بدقسمتی سے تمام دنیائے اسلام میں اسماعیلیوں کی مرکزی حکومتیں تباہ ہو چکی تھیں،
کیونکہ سنہ ۵۲۴ھ میں آمر باحکام اللہ کے انتقال پر اسماعیلیوں میں جو پھوٹ پڑی تو یمن کا حصہ خودمختار
ہوگیا، ہند اور سندھ اسی کے زیر نگرانی تھے[2] پس سنہ ۵۲۴ھ سے سندھ کا تعلق مصر سے جاتا رہا اور
کچھ ہی دنوں کے بعد مصر پر صلاح الدین ایوبی قابض ہوگیا، ادھر سندھ یمن کے داعیوں کے ساتھ
وابستہ ہوگیا، سنہ ۷۴۶ھ میں داعی سیدنا علی شمس الدین بن ابراہیم کے عہد میں خانہ جنگی اس درجہ ہوئی
کہ خزانہ خالی ہوگیا، اور سندھ جیسے دور دراز صوبہ کی خبرگیری نہ ہوسکی، پھر سیدنا داعی اعلی شمس الدین
ابن عبداللہ متوفی سنہ ۸۳۲ھ کے عہد میں ملا جعفر پٹنی کے سبب سے ایسی شورش ہوئی کہ تمام گجرات میں
ہلچل مچ گئی، سنہ ۶۵۴ھ میں ہلاکو خاں تاتاری نے نزاری سلطنت کو بھی تباہ کر دیا تھا، جس کے باعث
سیاسی طاقت جاتی رہی،

ان اسباب کی بنا پر ان کو کسی جگہ سے سیاسی مدد نہ مل سکی، بلکہ مذہبی دُعاۃ جو یمن سے
آتے تھے غالباً اس سے بھی محروم ہوگئے، کیونکہ دسویں صدی میں جو داعی گجرات میں ہوئے ان
کی یہ بات بوہروں کی تاریخ میں موجود ہے کہ عرصۂ دراز سے سندھ کی کوئی خبر نہیں سنی گئی، اس لئے
وہاں کا دورہ کرنا ضروری ہے۔[3]

---

[1] تحفۃ الکرام جلد سوم ص۹۱ بمبئی [2] اسماعیلی شیعہ بوہروں کی تاریخ میں بار بار سندھ اور ہند کے ماتحت ہونے
کا ذکر آتا ہے، اس لئے ان کا تعلق مستعلویہ طیبہ سے تھا، نزاریہ (حسن بن صباح کے فرقہ) سے نہ تھا، کیونکہ
نزاریوں کے سب سے پہلے داعی سندھ میں شمس الدین سبزواری متوفی سنہ ۷۵۷ھ بن آرہے ہیں (اسماعیلی ص۵ جنوری سنہ ۱۹۳۶ء بمبئی)
[3] کوکب فلک بمبئی بیان سیدنا داؤد۔

سومریوں پر محمود گجراتی کا حملہ

۸۷۶ھ میں سلطان محمود اول گجراتی کو یہ خبر ملی کہ کچھ کی سرحد پر سومرہ قوم ڈاکہ زنی کرتی ہے، اس لئے ان کی تنبیہ کے لئے وہ چھ سو سواروں کا دستہ لے کر یلغار کرتا ہوا جا پہنچا، سومریوں کی تعداد ۲۴ ہزار سواروں کی تھی، ان کو جب خبر ہوئی تو فوراً جنگ کے لئے آمادہ ہوگئے، وہ سمجھے کہ شاید کل فوج یہی ہے۔ مگر جب اصل حقیقت معلوم ہوئی تو وہ بہت خوفزدہ ہوئے اور مناسب سمجھا کہ جنگ سے پرہیز کریں، سلطان کو جب یہ معلوم ہوا تو اپنے حاجب (وزیر) کو بھیجکر اپنی خدمت میں طلب کیا، ان کے سردار جب حاضر دربار ہوئے تو ان کے حالات ان سے دریافت کئے، انھوں نے جواب دیا کہ ہم لوگ مسلمان ہیں مگر تعلیم نہ ہونے کے سبب اسلام کے مسائل سے بے خبر ہیں، اور اسی سبب سے ہم غیر مسلموں سے ربط و ضبط رکھتے ہیں، اور ان کے ساتھ شادی بیاہ بھی کرتے ہیں، یہ سن کر سلطان نے ان پر رحم کھایا، اور ان کو اپنی ملازمت کی ترغیب دی، انھوں نے بھی قبول کرلیا، چنانچہ سلطان کے ساتھ وہ جونا گڈھ آئے، سلطان نے ان کو آراضی کاشت کے لئے اور مکانات رہنے کے لئے عنایت فرمائے اور ایک معلم رکھ کر ان کی تعلیم کا مکمل بندوبست کیا[1]، غالباً جونا گڈھ میں آج جو سندھی نسل کے لوگ ہیں، ان کی بڑی تعداد انہی لوگوں کی ہے، جن میں سے متعدد خاندان زیور علم سے آراستہ ہو کر بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے، اور اب صدیاں گذرنے پر بالکل کاٹھیاواری ہوگئے ہیں؛ لیکن یہ تھوڑے سے لوگ تھے، ورنہ بڑی تعداد سندھ ہی میں مقیم رہی،

سومریوں کی ارغانیوں سے مخالفت

اب یہ لوگ زیادہ تر کاشتکاری اور شکار میں مصروف رہتے، سیاسی کاموں میں حصہ نہ لیتے اور پر امن زندگی بسر کرتے، لیکن تنظیم حسب سابق باقی تھی، چنانچہ ۹۶۲ھ میں حکومت سندھ دو حصوں میں ہوگئی تھی، سلطان محمود بھکر میں، اور عیسیٰ خاں ترخان

---

[1] لیکن فرشتہ نے یہ واقعہ ۸۷۹ھ کا لکھا ہے [2] ظفر الوالہ ص۲۲ دفتر اول لیدن،

ٹھٹھہ میں حکومت کرتے تھے، اس وقت بھی سومرہ قوم منظم تھی، ان کا ایک سردار محمد سومرہ نامی تھا جس کے ماتحت یہ لوگ کام کرتے، دینی حرارت بھی کافی تھی، کیونکہ آغا خانی امام کی طرف سے جب سید داؤد پیر وکیل (داعی) بن کر سندھ آئے تو یہی محمد سومرہ تھا جس نے انھیں سندھ میں ٹھہرنے نہ دیا، اور وہ مجبور ہو کر کچھ چلے گئے، پھر بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑا، اور ان کے دو بھائی (عاص دین اور جمروُدین) کو فتح باغ میں قتل کرا دیا[1]،

مندرجۂ بالا تحریر کے مطابق سومرہ حکمرانوں کی مدت سلطنت اور ناموں کی فہرست اس طرح ہوگی،

شمار	نام	مدت حکومت	سنہ وفات	کیفیت
١	سومرہ اول (یا راجہ سوم رائے)	سنہ ٤٠١ھ سے سنہ ٤٢٢ھ تک	سنہ ٤٢٢ھ	نسلِ سومرہ کا یہ پہلا حکمراں خاندان ہے،
٢	راجہ پال	٢٢ سال	سنہ ٤٤٤ھ	
٣	سومرہ دوم	٢	سنہ ٤٤٦ھ	یہ دوسرا خاندان ہے،
٤	بھونگر	١٥	سنہ ٤٦١ھ	اس کی حکومت زیرِ نگرانی وزرا ہوئی کیونکہ کل عمر ١ برس کی تھی،
٥	دودا (یا داؤد) بن بھونگر اول	٢٤	سنہ ٤٨٥ھ	مدت عمر ٢٦ سال، زیرِ نگرانی وزرا اس کی حکومت رہی،
٦	بائی (تاری یا تاری)	١٥	سنہ ٥٠٠ھ	یہ دودا کی لڑکی تھی،
٧	سنگھو رائے (سنگھر یا سنگھار) بن دودا	١٥	سنہ ٥١٥ھ	یہ لاولد تھا، بعض لوگوں نے اس کا نام (سنجرا) بھی لکھا ہے لیکن میرے نزدیک یہ کسی طرح صحیح نہیں ہے، ان کا نام یہ عربی یا ہندی ہو سکتا ہے، نہ کہ ایرانی، کیوں کہ ان کا تعلق عرب سے رہا، ایران سے کبھی نہیں ہوا،

[1] اسماعیلی ص ٦٥ بمبئی سنہ ١٩٣٦ء،

شمار	نام	مدت حکومت	سنہ وفات	کیفیت
۸	خفیف	۳۳ سال	۵۴۸ھ (۵۴۸)	نسل سومرہ میں سے یہ تیسرا خاندان ہے،
۹	أمار (عمر)	۲۳	۵۷۱ھ	عمر ۴۰ سال، شہاب الدین غوری سے جنگ کے اثنا میں مرگیا،
۱۰	دودا (یا داؤد) دوم	۸	۵۷۹ھ	یہ سومرہ کسی قلعہ کا حاکم تھا مگر آخر میں بادشاہ ہوگیا،
۱۱	بھٹو، دودا ابن بھونگر کی اولاد سے	۳۳	۶۱۱ھ	یہ سومرہ دوم کے خاندان سے ہے، اس کا نام پاتھو یا پھٹو بھی لکھا ہے،
۱۲	کھن رائے (کنہرا)	۶	۶۱۷ھ	بعض لوگوں نے اس کا نام خیرا لکھا ہے،
۱۳	جے سنگھ (جلبی یا جیسہ)	۳	۶۲۰ھ	
۱۴	محمد تور	۱۵	۶۳۵ھ	یہ سومرہ نسل سے ہے اور اپنے خاندان کا بانی ہے،
۱۵	کھن رائے (کنہرا) دوم	۴	۶۳۹ھ	
۱۶	دودا (یا داؤد) (سوم)	۱۲	۶۵۱ھ	غالباً یہ لاولد تھا،
۱۷	بانی	۱۵	۶۶۶ھ	
۱۸	گنیش رائے (چنیسر)	۱۸	۶۸۴ھ	غالباً یہ کسی قلعہ کا حاکم یا وزیر تھا جو بانی کے بعد سلطنت پر قابض ہوگیا، جیسے خسرو خاں خلجی عہد میں ہوگیا تھا،
۱۹	بھونگر (دوم)	۱۵	۶۹۹ھ	یہ سومرہ دوم یا محمد تور کے خاندان سے معلوم ہوتے ہیں،
۲۰	خفیف (دوم)	۸	۷۰۷ھ	

شمار	نام	مدت حکومت	سنہ وفات	کیفیت
٢١	دودا (یا داؤد) (چہارم)	۵ سال	۶۱۲ھ	
٢٢	وتوراسے	۰	۰	یہ کسی ضلع کا حاکم یا باغی تھا جس نے تمام بالائی مشرقی سندھ پر قبضہ کر لیا تھا، غالباً یہ بھونگر دوم کے خانداں سے تھے۔
٢٣	عمّار (عمر) دوم	٢۵	۶٣٧ھ	
٢۴	بھونگر (سوم)	١٠	۶۴٧ھ	
٢۵	امیر (ہمیر) ارمائیل	۵	۶۵٢ھ	سومرہ خاندان کا آخری تاجدار حکمران ہے



سومریوں کے متفرق حالات

۱- سومرہ قوم میں بعض رسمیں بہت عجیب تھیں جن کا ذکر تاریخوں میں خاص طور پر کیا گیا ہے، میں بھی ناظرین کی ضیافت طبع کے درج کرتا ہوں،

ان رسوم میں سے ایک رسم "داغ" کی تھی، یعنی بادشاہ (حاکم) اپنے بھائیوں اور دوسری رعایا کے لڑکوں کو داغ دیتے تھے، اور یہ علامت غلامی کی تھی، خود ان کا قول بھی یہی تھا کہ ہم سردار، اور یہ سب ہمارے غلام ہیں[1]،

لباس میں خصوصیت سے ان کے سردار پگڑی باندھتے، مگر دوسروں کو اس کی اجازت نہ تھی، عوام کے لئے حکم تھا کہ دھجیوں سے (بنے ہوئے کپڑوں کی) پگڑی استعمال کریں، چنانچہ اس کا رواج سندھ کے زیریں حصہ میں جو مارواڑ اور راجپوتانہ سے متصل ہے ابھی تک موجود ہے،

ان میں ایک رسم یہ بھی تھی کہ ہاتھ اور پیر کے ناخن سیتے اور کہتے کہ ہم سرداروں اور دوسروں میں اس قدر فرق (امتیاز) کافی ہے، اسی طرح یہ لوگ شراب کے بھی بہت عادی تھے بھینس کے گوشت کے ساتھ شراب خواری ان میں اس درجہ عام ہو گئی تھی کہ دوسری قوم کا بھی خیال نہ کرتے، علماء کے فقدان اور مرکز سے دور ہونے کے سبب سے ان میں علم کا چرچا نہ رہا تھا، اور اسی باعث ان کے عوام بالکل جاہل ہوتے، لیکن فوجی قابلیت ہونے کے باعث فوجی خدمت اچھی طرح انجام دیتے، جیسا کہ زوالِ سلطنت کے بعد بھی محمود بیگڑہ کے مقابل ۴۲ ہزار فوج لانے سے معلوم ہوتا ہے،

[1] تحفۃ الکرام جلد سوم صد ۴۱،

عام طور پر ان کا وقت کاشتکاری میں گزرتا تھا،

ایک دلچسپ رسم یہ تھی کہ کپڑا ایک دفعہ استعمال کرنے کے بعد سوفرہ کے امیر پھر دوبارہ استعمال نہیں کرتے، اور ایسا کرنے کو بہت بڑا عیب خیال کرتے تھے، یہی خیال عورت کے متعلق بھی تھا، کہ ایک دفعہ بچہ جننے کے بعد پھر عورت قابل استعمال نہیں سمجھی جاتی تھی،

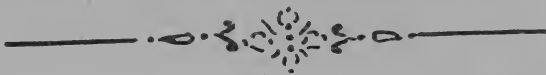
اتفاق سے ایک دفعہ ایک عورت جس کو اپنے شوہر سے بے انتہا محبت تھی، حاملہ ہو گئی، جب ولادت کے دن قریب آئے تو اس کو بڑی فکر ہوئی، وہ اسی سوچ میں تھی کہ اسے ایک تدبیر سوجھی، اس نے ایک چادر جو ایک دفعہ استعمال میں آچکی تھی، دھوبی کو دے کر تاکید کی کہ خوب اچھی طرح دھوئے، جب دھوبی واپس لایا تو اس کو بڑی احتیاط سے رکھ چھوڑا، کچھ دنوں کے بعد جب اس کا شوہر غسل سے فارغ ہوا تو وہی چادر استعمال کے لئے دی، اب وہ نرم اور چمکیلی بھی ہو گئی تھی، اس کو بہت پسند آئی، استعمال کر کے بہت خوش ہوا، اس نے دریافت کیا کہ کیا سوتی تھان کی چادر ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ وہی چادر ہے جس کو تم ایک دفعہ استعمال کر کے رد کر چکے ہو، تم لوگ اس قدر تنگ دل اور کم حوصلہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو ٹھکرا دیتے ہو، بات اس نے لگتی ہوئی کہی، اس لئے اس کے شوہر نے اس کو قبول کر لیا، اس نے خود بھی اس عادت کو ترک کر دیا، اور دوستوں سے بھی اس کا ذکر کیا انھوں نے بھی اس تجربہ سے فائدہ اٹھایا

عورت نے دیکھا کہ یہ تدبیر تو کارگر ہوئی، چنانچہ کچھ دنوں کے بعد عورت نے پھر اس کا ذکر اپنے شوہر سے چھیڑا، اور اثنائے گفتگو میں اس نے کہا جس طرح کپڑا دھونے کے بعد بھی اچھا اور قابل استعمال رہتا ہے یہی حال عورت کا ہے کہ بعد ولادت تندرست ہونے پر وہ پہلے ہی کی طرح اچھی اور قابل استعمال رہتی ہے، چونکہ اس کی پہلی بات صحیح ثابت ہو چکی تھی، اس لئے اس نے اس کا بھی تجربہ کرنا چاہا، چنانچہ ولادت کے بعد اس کو علیحدہ نہیں کیا، اور تندرست ہو جانے

پر اس کے قول کو صحیح پایا، اس نے اس کا تذکرہ بھی اپنے دوستوں سے کیا، انھوں نے بھی اس کی آزمایش کی اور درست پا کر اس رسم بد سے تائب ہوئے، آخر یہ رواج اس قوم سے اٹھ گیا[1]
یہ لوگ رنگین کپڑے کی بہ نسبت سفید کپڑے کو زیادہ پسند کرتے، غیر سومرہ (اسماعیلی) میں یہ لوگ شادی نہیں کرتے، چونکہ حلال وحرام کے متعلق دوسرے اسلامی فرقوں سے اختلاف رکھتے ہیں، اس لئے دوسرے کے ساتھ بہ نظر احتیاط کھانا نہیں کھاتے[2]، مردہ مچھلی نہیں کھاتے جیسا کہ عام مسلمان کھاتے ہیں، بلکہ زندہ مچھلی بسم اللہ کے ساتھ ان کے ہاتھ میں مرے تب اس کو کھاتے ہیں۔

---

[1] تحفۃ الکرام ص۱۴ جلد سوم بمبئی [2] سفرنامۂ ابن بطوطہ جلد دوم مصر ص۶،



(حصۂ دوم)

سندھ کی تمدنی تاریخ

سندھ میں کوئی بلند پہاڑ نہ ہونے کے سبب بارش کا وہ سلسلہ جو دوسرے ملکوں میں ہے یہاں نہیں ہے، اسی سبب سے یہاں کی زمین مختلف قسم کی کہی جا سکتی ہے۔

(۱) شمال کا وہ علاقہ جو سندھ کی عام سطح سے بلند واقع ہے، سندھ کی زبان میں اس کو سرو (یا بلند) کہتے ہیں، چونکہ یہاں پانی بکثرت ملتا ہے، اس لئے ہر قسم کی پیداوار ہوتی ہے۔

۲۔ وسطی علاقہ، یعنی وہ زمین جس پر دریائے سندھ بہتا ہے، چونکہ اس علاقہ کو بھی پانی بافراط ملتا ہے، اس لئے یہ علاقہ بہت ہی زرخیز ہو گیا ہے۔

۳۔ ریگستانی علاقہ، جو سندھ کے مشرق اور جنوب مشرق میں واقع ہے، یہاں پانی کی بڑی قلت رہتی ہے، اسی سبب سے اس علاقہ کی پیداوار بہت کم ہے،

۴۔ کوہستانی علاقہ۔ اس علاقہ میں پہاڑوں کے سبب گرمی اور سردی بہت پڑتی ہے اور قابلِ کاشت ہموار زمین بہت کم ہے،

۵۔ نشیبی علاقہ، جس کو سندھ میں لاڑ کہتے ہیں، پانی بھرے رہنے کے باعث وہاں کی آب و ہوا مرطوب ہے، مگر سیرابی کے سبب سے قابلِ کاشت زمین بہت ہے،

سیاسی اعتبار سے سندھ کی تقسیم دوسری صدی کے آخر میں اس طرح تھی کہ سندھ کے تین حصے ہو گئے تھے، اول ملتان کا علاقہ جس کی جنوبی حد ارور سے ملتی تھی، اور مشرقی حد پنجاب سے،

یہاں مسلمانوں کی حکومت تھی،

دوسرا علاقہ شمال میں ارور (روہڑی) سے شروع ہو کر جنوب میں منصورہ (برہمن آباد) پر ختم ہوتا، مغرب میں دریائے سندھ اور مشرق میں جیسلمیر (راجپوتانہ) اس کی حد تھی، اس پر کبھی مسلم اور کبھی غیر مسلم کی حکومت ہوتی،

تیسرا علاقہ منصورہ کی حد سے شروع ہو کر جنوب جانب دہانہ تک، مشرق میں راجپوتانہ اور بیابان کچھ پر اس کی حد ختم ہوتی، پھر دریائے سندھ کے اس پار مغربی جانب کا کل علاقہ یعنی جنوب میں دیبل سے لے کر شمال میں جیکب آباد تک اور مغرب میں بلوچستان بلکہ مکران تک اس کی حد تھی، طوران اور بدھ کا علاقہ بھی اکثر منصورہ کے ماتحت ہی سمجھا جاتا،

زراعت ان تینوں علاقوں میں زراعت کے سبب ہر جگہ سرسبزی اور شادابی نظر آتی ہے چنانچہ جس قدر عرب سیاح سندھ آئے ہیں سب نے اس کا اعتراف کیا ہے،

یوں تو سندھ کے مختلف اضلاع میں ہر قسم کی پیداوار ہوتی تھی، مگر مندرجۂ ذیل اشیاء کی پیداوار زیادہ تھی، غالباً اسی سبب سے تقریباً ہر سیاح نے اس کا تذکرہ کیا ہے،

کافور، نیل، بید، کیلا، ناریل، قسط (کٹ)، نیزہ، کھجور، نیشکر، لیموں، آم، بادام، اخروٹ، نرکل، گیہوں، چاول،

اس کی تفصیل یہ ہے کہ کافور اور نیل کی پیداوار سندھ کے اطراف میں تھی[1]، اور غالباً بڑے پیمانہ پر تھی، کیونکہ اس کی برآمد باہر ملکوں میں بکثرت ہوتی، چنانچہ جنگ عظیم (۱۹۱۴ء) سے قبل تک ریاست خیرپور میں اس کی کاشت ہوتی تھی[2]، اسی طرح کاہل میں کیلا اور ناریل بہت ہوتا تھا، اور یہ سندھ کا آخری شہر تھا جس کے بعد سے ہندوستان (کاٹھیاواڑ و گجرات) کی سرحد شروع ہو جاتی[3]

[1] کتاب البلدان لابن فقیہ ص ۱۶ لیڈن [2] جغرافیۂ سندھ ۱۹۲۶ء لاہور [3] نزہتہ القلوب ص ۵۹ ۳ لیڈن

بدھ کا علاقہ ملک سندھ کا وہ حصہ ہے جو دریائے سندھ سے شمال مغرب میں تھا، اس میں ایک مقام جس کو آج کل "کشمور" (یا کشمر) کہتے ہیں وہاں قسط ہندی، نیزہ اور بید کی پیداوار خوب ہوتی تھی کیونکہ یہاں سے دور ملکوں میں بھیجا جاتا تھا، یہ خطہ زرخیز ہے اور پانی کے افراط کے باعث یہ چیزیں اچھی طرح ہوتی تھیں، خصوصاً قسط ہندی کی کاشت بافراط تھی، قسط ہندی ایک قسم کی لکڑی ہوتی ہے جو دوا میں کام آتی ہے۔ اس کو "کٹ" کہتے ہیں

منصورہ (برہمن آباد) کے علاقہ میں کھجور، گنا، لیموں، آم بہت ہوتے تھے، اور پیداوار کی کثرت سے بہت ارزاں فروخت ہوتے، کیونکہ یہ ملک بڑا شاداب اور زرخیز تھا، البتہ سیب، امرود، شفتالو، انگور منصورہ میں نہ ہوتے تھے، غالباً ان کے لیے زمین مناسب نہ تھی، [۱] پانی کا استعمال کنواں اور دریا دونوں سے کرتے ہیں،

وے ہند جو کبھی خود مختار اور کبھی باجگزار رہا ہے، یہاں کی زمین خصوصاً پھلوں کے لئے بیحد مفید تھی، اور اسی سبب سے یہاں پھل اور ترمیوہ کی بڑی بہتات رہتی، نرکل خوب پیدا ہوتا ہے، چنانچہ اکثر سیاحوں نے اس کو لکھا ہے، کنوج میں چاول اور گیہوں ہوتا تھا، اور حیدرآباد سے نیچے لار کی زمین خصوصیت سے چاول کے لئے زیادہ مشہور رہی ہے،

باغیچے گو اس ملک میں باغوں کی کثرت نہ تھی، پھر بھی جہاں جہاں زرخیزی تھی باغیچے بکثرت تیار کیے گئے،

چنانچہ "وے ہند" میں مختلف میووں کے باغ لگائے گئے تھے، بعض اخروٹ کے بعض بادام کے، بعض کیلے کے، اس کے علاوہ ایسے بھی باغ تھے جہاں ترمیوے جیسے نارنگی، سیب وغیرہ پیدا کئے جاتے، نرکل کے درختوں کا جنگل بھی تھا، اور غالباً لوگ اپنے باغوں کی باڑھ اسی سے

---

[۱] المسالک والممالک ابن خرداذبہ ۱۸۸۹ء لیڈن [۲] سفرنامہ ابواسحاق اصطخری ۱۸۷۰ء لیڈن

دیتے تھے، جیسا کہ آج کل بھی کہیں کہیں دیکھا جاتا ہے[1] بشاری نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ یہاں تر و تازہ بکثرت باغ ہیں جو مسطح زمین پر پھیلے ہوئے ہیں ..... یہاں کے درخت لمبے لمبے ہوتے ہیں اور پھل اچھے، ..... تمام شہر اخروٹ اور بادام کے درختوں سے ڈھکا پڑا ہے، کیلا اور دوسرے تر میووں کی کثرت ہے،

باغوں کے لئے قنوج بھی ایک مشہور جگہ تھی، کیلے کی پیداوار بہت زیادہ تھی اور اسی لئے بہت ہی ارزاں ہوتے تھے، اسی باعث تقریباً ہر سیاح نے اس کو محسوس کیا ہے[2]، بشاری لکھتا ہے کہ باغوں سے یہ شہر گھرا ہوا ہے، یعنی شہر کے چاروں طرف باغ ہی باغ ہے ..... یہاں کی ہوا خوشگوار ہے، باغ بڑے پاکیزہ ہیں، پایہ تخت کے امراء گرمیوں میں اسی جگہ رہتے ہیں،

ملتان بھی اپنے ہمسایہ ملکوں سے پیچھے نہ تھا، یہاں بھی ناریل، کیلا اور کھجور کے بہت باغ تھے[3]، کھجور کے درختوں کی کثرت تو آج تک موجود ہے، راقم الحروف جب ملتان میں تھا تو اس کو عینی مشاہدہ کا بارہا اتفاق ہوا، لیکن یہ کھجور عرب جیسے نہ تھے، ان کے پھلوں میں رس کم تھا، شاید اس زمانہ میں جب کہ ان درختوں کی دیکھ بھال اچھی طرح ہوتی تھی، پھل بھی اچھے آتے ہوں،

قزدار (قصدار) جو طوران (سندھ کا ایک ضلع) کا پایہ تخت تھا، یہاں کی زمین انگور کے لئے بڑی مناسب تھی، اسی سبب سے انگور کے باغوں کی کثرت تھی، انار کے باغ بھی یہاں زیادہ تھے، اور اس کے علاوہ دوسرے سرد میوے بھی تھے جن کی پیداوار غالباً کمتر تھی[4]،

تجارت | سندھ میں تجارت کو بھی بڑا فروغ تھا، کاٹھیاوار، گجرات، مالابار، مدراس، بنگال وغیرہ میں عربوں کی جو تجارت تھی، وہ اس قدر کامیاب نہ تھی جس قدر سندھ میں اس کو عروج حاصل تھا، اس کا اصلی سبب یہ ہے کہ ان ممالک میں عرب تاجروں کی تجارت صرف بندرگاہ اور

[1] سفرنامہ بشاری مقدسی ص ۴۸۰ لیڈن [2] ایضاً [3] ایضاً [4] سفرنامہ ابن حوقل بغدادی ص ۲۲۶ لیدن،

پایہ تخت تک محدود رہتی تھی، اور ملکی تاجران سے مال لے کر تمام ملک میں پھیلاتے تھے، بخلاف سندھ کے، جو عربوں کا مفتوحہ ملک تھا، اس میں ایک سرے سے لے کر دوسرے کنارے تک برابر تجارتی اغراض سے سفر کرتے رہتے، اور اس طرح وہ بہت زیادہ فائدہ اٹھاتے تھے،

سندھ کا علاقہ خشکی کے ذریعہ دوسرے ملکوں سے ملا ہوا ہے، اس سبب سے قافلے برابر آتے رہتے، اور اس کے دو راستے تھے، ایک تو قندھار ہو کر خراسان، دوسرا بلوچستان مکران ہو کر ایران جاتا۔

ابوزید سیرافی لکھتا ہے کہ "ہندوستان کا ملک خراسان سے ملا ہوا ہے، اور قافلے متواتر سندھ سے خراسان تک جاتے ہیں، اور اسی طرح خراسان سے ہندوستان تک، اور یہ دونوں ہند اور سندھ کے قافلے زابلستان (قندھار) کے مرکز پر مل جاتے ہیں[1]، یہاں سے خراسان چلے جاتے"

خشکی کا راستہ

خشکی سے عرب تاجروں کا قافلہ عراق سے کرمان ہوتے ہوئے یا تو تیز مکران کی بندرگاہ میں پہنچتا، اور وہاں سے پایہ تخت کیز (کیچ) چلا جاتا، اور کیز سے فنزپور (پنجپور یا پنجگور) اور جو شخص بندرگاہ یا پایہ تخت نہ جانا چاہے تو وہ کرمان سے کسر کند (قصر قند) [illegible] راستے پہ پھل بند، اصفقہ، پھل پورہ، راسک، درک ہوتے ہوئے پنج گور آجاتا، یہاں سے قزدار اور پھر کیز کان (قلات) ہو کر قندھار جاتا، یہ مکران سے طوران کا راستہ ہوا جس کا پایہ تخت قزدار تھا،

اب جو قافلہ بدھ کے ملک میں جانا چاہے تو وہ پایہ تخت بدھ قنداویل (گنداوی) قزدار ہی سے چلا جاتا، قنداویل سے سیبی (قدیم سیوی) اور وہاں سے شال (کوئٹہ) ہوتے ہوئے قندھار، یہی قافلہ اگر سندھ جانا چاہتا تو گنداوی سے سیوستان ہو کر منصورہ اور وہاں سے ملتان پہنچتا، پھر جو قافلہ مکران سے براہ راست سندھ جانا چاہے تو وہ قصر قند یا تیز سے پایہ تخت کیز (کیچ) آتا،

---

[1] کتاب الہند والسند ص۲۰ پیرس،

اور کیز سے کلوان، راہوق، ارمائیل (ارمن بیلہ) قنبلی کے راستہ دیول (دیبل) بندرگاہ سندھ آجاتا، اور یہاں سے نیرون، مخاپوری، مسواہی، بہرج، سیوستان ہوکر گنداوی جاتا، اور جو دریا کو عبور کرنا چاہتے تو دیول سے نیرون، مخاپوری، اور یہاں دریاے سندھ کو عبور کرکے منصورہ پایہ تخت سندھ پہنچتے، پھر یہاں سے بلڑی، کالڑی، انڑی، ارور، بسمد، ملتان تک چلے جاتے، اور اس کے بعد کسی کا جی چاہتا تو کنوج کا بھی چکر لگا آتا، مگر زیادہ تر ملتان ہی سے واپس ہو جاتے، اب اگر کوئی قافلہ ہندوستان جانا چاہتا ہے تو وہ منصورہ سے برہمن آباد، بانیہ، کاہل، سندان ہوتے کھنبایت چلا جاتا،

بحری راستہ | خشکی کی طرح سمندر میں بھی عرب تاجر ہر جگہ نظر آتے ہیں، وہ بغداد سے اٹھتے اور چین تک چلے جاتے، سندھ چونکہ نزدیک تر ملک تھا اس لیے اس جگہ آمدورفت زیادہ تھی، وہ بغداد یا ملک کے دوسرے حصہ سے بصرہ یا سیراف آتے، وہاں سے جزیرہ خارک جو پچاس فرسخ ہے، پہنچ جاتے، پھر یہاں سے اسی فرسخ پر جزیرہ لاوان، یہاں سے سات فرسخ پر جزیرہ ایرون پھر، فرسخ پر جزیرہ خین، پھر، فرسخ پر جزیرہ کیس (قیس) پھر ۸ پر جزیرہ ابن گاوان، اور پھر پر ہرمز تھا، اس جگہ سے سات دن کے فاصلہ پر وہ مقام آتا تھا جس کو "تارا" کہتے تھے، یہی وہ جگہ تھی جو سندھ (مکران) اور فارس کی حد تھی، آج کل کے نقشہ میں یہ جگہ نہیں ملتی، البتہ "لاشار" ایک مقام ہے جو فارس اور مکران کی حد پر واقع ہے، جہاں سے قصر قند کی سرحد نظر آتی ہے،

پھر جو شخص مکران کے بجاے براہ راست سندھ جانا چاہے تو وہ ہرمز سے سیدھا دیبل (دیول) بندرگاہ سندھ پر جا اترتا، اور وہاں سے نیرون، پھر نیرون سے ملک بدھ میں یا منصورہ چلا جاتا، اور پھر اگر ہندوستان (گجرات دکن) جانا ہوتا تو کھنبایت، بھروچ، سوپارہ ہوکر نکل جاتا[1]

---

[1] المسالک والممالک لابن خرداذبہ ص ۶۱،

غیر ممالک میں آمد و رفت کے لئے جس طرح مکران میں صرف ایک ہی بندرگاہ "تیز" تھا، اسی طرح سندھ کا واحد بندرگاہ دیول (دیبل) تھا، اس کے علاوہ چھوٹی چھوٹی متعدد بندرگاہیں تھے، مگر بڑے جہاز وہاں نہیں جا سکتے تھے، اس زمانہ میں یہاں کے جہاز بصرہ ہوکر بغداد تک جاتے تھے، بلکہ بعض مدائن بھی جا نکلتے تھے[1]،

تجارتی مرکز سندھ میں تجارتی منڈیاں متعدد تھیں، جہاں ملکی اور غیر ملکی تاجر اپنے اپنے تجارتی مال لاکر جمع کرتے، اور جب فروخت کا موقع آتا تو بیچ کر نفع اٹھاتے،

سندھ کے اندر جس میں مکران شامل ہے سب سے پہلی منڈی کیز دیکچ اہے، اس کے بعد سندھ کا بندرگاہ دیول ہے، جہاں ملکی اور غیر ملکی تاجر ہمیشہ مجتمع رہتے، اور بڑی مقدار میں برآمد کے لیے مال جمع رکھتے،

ابن حوقل لکھتا ہے کہ یہ تجارت کی بہت بڑی منڈی ہے، اور یہاں مختلف قسم کی تجارتیں ہوتی ہیں[2]، یہ صوبہ کا بندرگاہ ہے، یہاں زراعت کم ہوتی ہے، وہ ایک خشک شہر ہے، صرف تجارتی اہمیت اس کو حاصل ہے۔

اصطخری کہتا ہے کہ دیبل (دیول) سندھ کا بڑا بندر اور تجارتی مرکزی شہر ہے، سمندر کے پاس دریائے سندھ کے مغربی جانب یہ شہر آباد ہے؛ آس پاس نہ کوئی زراعت ہے، نہ کوئی درخت ہے، یہ ایک بنجر زمین ہے، جو صرف تجارت کے سبب آباد ہے[3]۔

(۳) منصورہ، سندھ کا یہ تیسرا تجارتی مرکز (منڈی) تھا، پایہ تخت ہونے کے سبب سے اس کی تجارت رونق پر تھی، ۳۷۵ھ میں بشاری آیا ہے، وہ لکھتا ہے کہ "اس شہر کے لوگ ہوشیار اور ذہین ہوتے ہیں، ان میں مروت اور اسلام کا بڑا حصہ ہے، علم اور تجارت کا یہ مرکز ہے[4]"!

---

[1] الاعلاق النفیسہ ص ۹۵ لیڈن [2] سفرنامہ ابن حوقل ص ۲۳۰ یورپ [3] سفرنامہ اصطخری حالات سندھ ص ۱۷۱ لیڈن [4] احسن التقاسیم ص ۴۷۹ لیڈن،

منصورہ کے متعلق ایک ایرانی جغرافیہ نویس (۳۷۲ھ) لکھتا ہے کہ "منصورہ ایک بڑا شہر مثل جزیرہ کے ہے، جس کے چاروں طرف دریائے سندھ ہے، بہت ہی سستا اور آباد جگہ ہے، تاجروں کا مرکز ہے[1]۔

(۴) چوتھی منڈی ارور ہے جس کو الور بھی کہتے ہیں، یہ سندھ کا قدیم پایہ تخت تھا، یہ بہت بڑا اور آباد شہر تھا، یہاں بھی تجارت کی بڑی منڈی تھی، سندھ کے بڑے شہروں میں سے اس کی سرحد پر سب سے آخری بڑا شہر تھا،

ابن حوقل تحریر کرتا ہے کہ "سندھ کے بڑے شہروں میں سے ایک ارور ہے، طول و عرض میں ملتان کے برابر ہے، اس کی دو شہر پناہ ہیں، یہ بھی دریائے سندھ کے مشرقی جانب آباد ہے لیکن اس کا شمار منصورہ کے حدود میں ہے۔ بہت ہی ارزاں اور خوشحال شہر ہے، تجارت کی بھی گرم بازاری رہتی ہے[2]۔

(۵) ملتان عرب تاجروں کی آخری منڈی ہے، البشاری مقدسی لکھتا ہے کہ "یہ شہر منصورہ سے زیادہ آباد ہے، اور بہت زرخیز ہے، تجارتی کاروبار میں یہ لوگ بڑے خوش معاملہ ہیں، نہ تو یہ جھوٹ بولتے ہیں، اور نہ ناپ و تول میں کمی کرتے ہیں، یہ بڑا آسودہ شہر ہے اور تجار خوشحال، تجارت کی گرم بازاری بھی خوب ہے[3]۔

قنوج بھی جو گنگا کے کنارے آباد تھا، ان شہروں میں سے ہے جس کو تجارتی منڈی ہونے کا فخر حاصل ہے، یہ بڑا خوشحال شہر تھا، البشاری (۳۷۵ھ)، اس کی بڑی تعریف کرتا ہے، کہتا ہے کہ یہ بڑا زرخیز شہر ہے، یہاں گوشت، روٹی، شہد، میوہ خصوصاً کیلا بڑا سستا ملتا ہے، پانی لذیذ، صورتیں اچھی، شہر وسیع اور فائدہ مند منڈی ہے،

[1] حدود العالم ص۱۳ طہران [2] ابن حوقل کا سفرنامہ ص۲۲۶ لندن [3] سفرنامہ البشاری ص۴۸۱ لیڈن،

لیکن ابن حوقل لکھتا ہے کہ یہ بیابان (کے قریب) میں ہونے کے سبب یہاں غیر ملکی تاجر بہت کم جاتے ہیں، زیادہ تر کاروبار ملکی تاجروں کے ہاتھ میں ہے، اور چونکہ یہاں زیادہ تر آبادی ہندوؤں کی تھی اس لئے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہاں کی تجارت پر پورا قبضہ انہی غیر مسلموں کا ہوگا۔

تجارتی منڈیوں میں سے بدھ کا پایہ تخت قندابیل (گندادی) بھی ہے، اس کے آس پاس گاؤں ہی گاؤں تھا، اور اس ملک کا زیادہ تر حصہ میدانی علاقہ ہے،

ابن حوقل لکھتا ہے کہ وہ شہر جہاں بدھ لوگ تجارت کرتے ہیں اور اپنی ضروریات کی چیزیں خرید فروخت کرتے ہیں، وہ گندادی (قندابیل) ہے[1]،

تجارتی منڈیوں میں قزدار (قصدار) کا بھی شمار ہے، اگرچہ یہ کوئی بڑی منڈی نہ تھی مگر عرب تاجروں کا قافلہ یہاں بھی آتا تھا خصوصاً جب طوران والوں نے بدھ کے پایہ تخت گندادی کو فتح کر لیا تو اس کی اہمیت زیادہ ہو گئی،

سندھی تاجروں کے خارجی مرکز

سندھی تاجروں کے خارجی مرکز بھی متعدد تھے، بندرگاہ دیبل سے جو مال مغرب کو جاتا وہ یا تو بصرہ، سیراف ہوتے ہوئے بغداد براہ راست جاتا، ورنہ دیبل سے سیراف، پھر بصرہ، بعدہٗ بغداد، اس کے علاوہ افریقہ کی سمت اگر جانا ہو تو ہندوستانی مال کی منڈی عدن ہوتا[2]،

ان مقامات میں عرب تاجر ہندوستان سے مال لے جا کر جمع رکھتے اور دوسرے ممالک کے تاجران مقامات سے مال لے کر اپنے اپنے ملکوں میں ہندوستانی مال فروخت کرتے،

برآمد

عرب تاجر سندھ سے مال خوب برآمد کرتے تھے، اور یہاں کے مختلف قسم کے مال باہر لیجا کر کثیر فائدہ اٹھاتے، خود ملکی لوگوں نے بھی ان عرب تاجروں سے نفع اٹھانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا

[1] سفرنامہ ابن حوقل ص ۲۲۶ بیان صوبہ سندھ لنڈن ص ۵۲ [2] المالک و المسالک ابن خردازبہ ص ۶۱،

اسی باعث سے عرب سیاح ان منڈیوں کی نسبت لکھتے ہیں کہ فائدہ مند منڈی ہے۔

اب میں ان چیزوں کی فہرست تحریر کرتا ہوں جس سے اس ملک کی برآمد کا حال معلوم ہوجایگا۔

مقام	پیداوار
منصورہ	نیشکر (گنا)
مکران، ماسکان، قزدار	فانیذ (سفید شکر)[1]
مکران	گنا، کھجور[2]
طوران	شکر سفید، اس جگہ کی شکر ماسکان سے بہت بہتر ہوتی تھی۔
سندان	چاول،
ہند	جڑی بوٹی (دوائیں)[3] ہند سے مراد وہ مقامات ہیں جو سندھ سے متصل ہیں،
اطراف سندھ	کافور، ہیل، کٹ (ایک قسم کی دوا) بانس، نیزہ، بید[4]
کامروپ	عود ہندی
کاہل	ناریل، کیلا[5]

حیوانات میں سے مندرجۂ ذیل جانور برآمد کئے جاتے ہیں:۔

گندھاوی	بنجانی اونٹ خصوصاً دوکوہان والے[6]،
ہند	ہاتھی، جو سندھ کے بندرگاہ سے باہر بھیجے جاتے[7]،
سندھ	بھینس[8] اور گورخر
"	مرغی، مور[9]

[1] اصطخری ص۱۷۳ لیڈن [2] ابن حوقل کا سفرنامہ ص۲۲۶ لیڈن [3] احسن التقاسیم مقدسی ص۴۸۱ لیڈن [4] کتاب البلدان لابن فقیہ ص۱۶

[5] نزہۃ القلوب ص۲۵۹ طبع یورپ [6] اصطخری ص۱۷۳ لیڈن [7] بشاری ص۴۸۱ [8] تنبیہ الاشراف ص۳۵۵ [9] کتاب البلدان ص۱۷،

مقام	پیداوار
دریائے سندھ	گھڑیال

صنعتی چیزوں میں سے ذیل کی اشیا برآمد ہوتیں،

مقام	پیداوار
دیبل	تبتی مشک، دنیا میں یہ چوتھے نمبر کا مشک سمجھا جاتا تھا[۱]،
ملتان	مشک، غالباً خراسان کی طرف سے آتا ہوگا،
ہند	سرکہ، شراب (جو چاول یا ناریل سے بناتے تھے)
سندان	کپڑا، شہد
سندھ	فرش فروش، سندھ کے علاقہ میں تیار ہوتے تھے، غالباً سندھ کے بندرگاہ سے یہاں کا مال برآمد ہوتا تھا،
منصورہ	جوتا، ہاتھی کے دانت، یہ دونوں چیزیں کھنبائت سے منصورہ آکر برآمد ہوتی تھیں، اسی لئے اس جوتے کو کنبائی جوتا کہتے تھے[۲]،
سندھ	سونا، سندھ کے طلائی سکے باہر بہت جاتے، ایک دینار کی قیمت تین مثقال تھی[۳]،

درآمد غیر ممالک سے سندھ میں کیا کیا چیزیں آتی تھیں اس کے متعلق کسی کتاب سے تصریح نہیں ملتی، البتہ البشاری مقدسی نے کمایا ہوا چمڑا اور آٹے کا ذکر کیا ہے، اسی طرح بصرہ سے کھجوریں بھی آتی تھیں[۴]، سندھ میں گھوڑے بھی عرب سے آتے تھے[۴]،

مندروں کے لئے عود لائے جاتے، جس میں سے کامروپ کا عود سب سے بہتر ہوتا تھا اور غیر ممالک میں بڑی قیمتوں پر بکتا، ایک من کی قیمت دو دو سو دینار تک ہوتی[۵]،

۱؎ کتاب البلدان ص۳۱۵ ۲؎ البشاری ص۴۸۱ ۳؎ تقویم البلدان ابوالفداء، ص۳۴۹ ۴؎ کامل ابن اثیر جلد ۵ ص۵۵ ہ[illegible] ۵؎ کتاب الہند
[illegible] ص۱۲۹ پیرس،

تجارتی محصول — سندھ میں تجارتی محصول کے متعلق کوئی تفصیلی بیان نہیں دیا جا سکتا، لیکن بشاری نے جو ایک سرحد کا حال لکھا ہے اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ تقریباً اسی قسم کا محصول عام تجارتی مال پر لگایا جاتا ہوگا، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ

جب طوران میں تجارتی مال کی برآمد یا درآمد ہو تو مقررہ قاعدہ یہ ہے کہ فی اونٹ کے بوجھ پر چھ درم (عہ۶) لیا جائے گا، لیکن آٹے پر فی بوجھ ۱۲ درم (سے ۱۲) ہے، اور اگر ہندوستان سے درآمد ہو تو فی بوجھ بیس درم (صہ) لیا جاتا ہے، البتہ سندھ کے مال پر محصول افسر کے اندازہ پر موقوف ہے، کمائے ہوئے چمڑہ پر فی چمڑہ ایک درم (ماہر) ہے، اس طرح ملتان تک مال لے جانے میں ایک سو پچاس درم خرچ ہوتے تھے،[1]

حیوانات کی نسلی ترقی — عربوں نے سندھ میں جہاں زراعت، تجارت وغیرہ کو ترقی دی، وہاں حیوانوں کی نسلی ترقی میں بھی کافی حصہ لیا، لیکن ان کی نظر ان جانوروں تک محدود رہی جو ضروریات زندگی کے لئے زیادہ ضروری تھے،

عرب کی طرح سندھ کی زمین بھی زیادہ تر ریگستانی ہے، اس لئے افریقہ اور عرب کے مثل اونٹ یہاں بھی بکارآمد جانوروں میں سے تھا، اس لئے اس کی طرف سب سے زیادہ توجہ مبذول کی گئی چنانچہ گندھاوی کے علاقہ کا اونٹ انتخاب کر کے اس کی پرورش اور اس سے نسل لینے کا کام انجام دیا گیا، پھر خراسانی اونٹوں سے ملا کر ایک خاص قسم کا اونٹ پیدا کیا گیا جس کو تجنت یا بجاتی اونٹ کہتے تھے، یہ مضبوط، خوبصورت اور دو کوہان والا ہوتا تھا... یہ بڑا قیمتی ہوتا، بڑے بڑے امرا اور شاہزادے اور شاہانِ وقت اس کو خرید کر کے استعمال میں لاتے،[2]

ضروریاتِ زندگی میں سب سے زیادہ ضروری چیز گائے اور بیل ہے، کیونکہ سندھ اور ہندوستان

---

[1] احسن التقاسیم ص۴۸۲ لیڈن [2] سفرنامہ اصطخری حالات سندھ ص۱۰ لیڈن،

میں زراعت کے لئے جس قدر یہ جانور مفید ہیں دوسرے جانور ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے، دوسرے گائے کا دودھ عورت کے دودھ سے بہت زیادہ مشابہ ہوتا ہے، اس لئے اس کی پرورش اور اس کی نسلی افزایش و ترقی کا اس ملک کے لوگوں نے ہمیشہ خیال رکھا،

عرب حکمرانوں کو بھی تجربہ کے بعد جب انکی افادیت کا یقین ہوا تو انھوں نے بھی اسکی طرف خاص توجہ کی۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عرب فاتحین نے ابتدا میں کثرت سے اس کا گوشت استعمال کیا جس کے باعث اس کی نسل کے منقطع ہو جانے کا اندیشہ پیدا ہو گیا، اس لئے خاص طور پر گورنمنٹ کو اس قسم کا حکم جاری کرنا پڑا کہ کوئی شخص گائے ذبح نہ کرے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب حجاج بن یوسف ثقفی مشرقی ممالک کے اعلیٰ حاکم کو اس کی اطلاع دی گئی تو اس نے فوراً اس کی ممانعت کا حکم جاری کیا، تاکہ اس کی نسل کی حفاظت کا پورا پورا خیال رکھا جائے[1]،

گجرات کی طرح سندھ کی بھینس بھی بہت اچھی ہوتی تھی، اور زیادہ سے زیادہ دودھ دیتی، اسی لئے عربوں نے اس کے متعلق بھی خاصی کاوش کی، اور اس کی پرورش کا اچھی طرح خیال رکھا،

آل مہلب جو عرصہ تک سندھ کے حاکم رہے، ان کو یہ جانور بہت پسند تھا، اس لئے وہ اس کی پرورش اور افزایش نسل کی طرف نہ صرف سندھ میں زیادہ متوجہ رہے بلکہ اپنے وطن عرب (بصرہ) میں بھی لے گئے، مسعودی لکھتا ہے کہ

مہلب کے خاندان نے ہند سے بھینس منگوا کر بصرہ میں رکھی تھی، جب یزید بن مہلب قتل ہو گیا تو خلیفہ یزید بن عبد الملک نے ان کو شام کی سرحد پر منتقل کر دیا جنکی نسل آج تک موجود ہے، ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایک زمانہ میں سندھ میں بڑا قحط پڑا تو یہاں کے جاٹ کرمان اور فارس ہوتے ہوئے بصرہ تک پہنچ گئے، پھر یہاں مقیم ہو کر طاقتور ہو گئے، چنانچہ شام کی سرحد تک

[1] کتاب الہند بیرونی ص۲۷ لیڈن،

ان کا غالبانہ اثر ہو گیا، شام میں اس ملک کی جو بھینسیں نظر آتی ہیں وہ انہی کی یادگار ہیں[۱]،

گھوڑا بھی ان جانوروں میں سے ہے جس کی ضرورت اس زمانہ کی زندگی میں سخت ترین تھی، اسی لیے عرب اپنے ملک میں گھوڑوں کی پرورش بڑے اہتمام سے کرتے تھے،

سواری کے علاوہ جنگ کے موقعوں پر سب سے زیادہ گھوڑا کارآمد ہوتا ہے، اسی سبب سے مسلمان باوجود حلال ہونے کے اس کو ذبح نہیں کرتے، ہندوستان میں شروع ہی سے اچھے گھوڑے نہیں ہوتے تھے، پست قد اور معمولی قسم کے ٹٹو یہاں کی اصل پیداوار ہے، اور وہی باربرداری اور سواری وغیرہ کے کام میں لائے جاتے تھے، ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری تک کے سیاح لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں اچھے گھوڑے نہیں ہوتے[۲]، ضیاء برنی (آٹھویں صدی) نے بھی جانوروں کی جو فہرست دی ہے اس میں کسی اعلیٰ قسم کے ہندوستانی گھوڑوں کا ذکر نہیں ہے[۳]، اور ہندوستانی گھوڑوں (ٹٹو) کی قیمت بہت ادنیٰ لکھی ہے، اس وجہ سے تمام ہندوستان میں ان کی بڑی مانگ تھی، اور بڑی بڑی قیمتوں پر یہ فروخت کیے جاتے تھے، بلکہ جہاں موقع ملتا تھا، یہاں کے راجہ اور رعایا غیر ملکی تاجروں (عرب) کے گھوڑے لوٹ لیا کرتے تھے[۴]، جیسا کہ راجہ شیم راج (گجرات) کے اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے، جس نے سومناتھ بندر میں عربوں کے دس ہزار گھوڑے لوٹ لئے تھے[۵]، پس ایسی فضا میں یہ بات قدرتی تھی کہ عرب گھوڑوں کی حفاظت اور پرورش پر سب سے زیادہ متوجہ ہوتے،

ان حاکم عربوں کا میلان دیکھ کر سندھ میں گھوڑوں کی پرورش اور افزائش نسل کا خاص خیال پیدا ہو گیا، چنانچہ اس کا اثر آج تک سندھیوں میں موجود ہے، کہ گھوڑے سے خاص محبت رکھتے ہیں اور ان کے آرام کو سب سے زیادہ ضروری سمجھتے ہیں،

---

[۱] تنبیہ والاشراف ص۲۰۹ [۲] کتاب الہند والسند ص۲۰ پیرس [۳] تاریخ فیروزشاہی برنی بیان علاء الدین کلکتہ

[۴] سفرنامۂ مارکوپولو سفر گجرات اردو [۵] پیراجین اتہاس بیان شیم راج گجراتی،

ان گھوڑوں کی افزائش نسل یہاں تک ہوئی کہ سندھ سے کچھ اور کاٹھیاوار تک پہنچ گئی، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر (گیارہویں صدی ہجری) کے زمانہ تک یہ گھوڑے قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، جیسا کہ اس عہد کی تاریخی کتابوں سے پتہ چلتا ہے[1]، اور سچ پوچھو تو آج تک سندھی اور کچھی گھوڑوں کو لوگ زیادہ پسند کرتے ہیں،

ہندوستانی جانوروں میں سب سے عجیب جانور ہاتھی ہے، عرب اس کی بھی دیکھ بھال کافی طور سے کرتے تھے، کیونکہ یہ سواری کے علاوہ جنگی کاموں میں بھی بہت کارآمد ہوتا تھا، اس سے رتھ کھینچنے کا بھی کام لیا جاتا، اس کی پیٹھ پر بوجھ لاد کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے،

پرندوں میں عربوں کو مور بہت پسند تھا، اس لئے اس کو نہ صرف یہاں پالا، بلکہ عراق اور شام بھی لے گئے[2]، اور اس کی نسل کی افزائش میں کوشش کرتے رہے، گو کہ ہندوستان جیسا رنگ روپ اور قد و قامت اس کا نہ رہا[3]،

عرب اس کے گوشت کو بہت پسند کرتے تھے، یہاں تک کہ بعض عرب جب سندھ آئے تو جب تک سندھ میں مقیم رہے برابر اسی کا گوشت کھاتے رہے، اور کہا کرتے کہ واللہ عمر بھر میں ایسا لذیذ گوشت نہیں کھایا[4]،

مور کی طرح مرغی بھی عرب بہت پسند کرتے تھے، چنانچہ سندھی مرغیاں بکثرت یہاں سے لے جاتے[5] اور نفع کے خیال سے یقین کیا جا سکتا ہے کہ اس کی پرورش کا خاص خیال رکھتے ہونگے،

تعمیرات موجودہ عہد میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عربوں کو تعمیرات کا مطلق شوق نہ تھا، لیکن یہ کسی طرح درست نہیں ہے، صحیح طور پر خالص عربوں کی حکومت سندھ میں ۲۴۰ھ تک یعنی

---

[1] خلاصۃ التواریخ جلد اول دیباچہ قلمی [2] مسعودی جلد اول ص۲۷۹ لیڈن [3] مروج الذہب جلد دوم ص۴۳۸ لیڈن [4] اخبار الحکماء ص۲۱۵ مصر [5] کتاب البلدان ابن فقیہ ص۱۶،

صرف ۱۵ برس رہی، اس کے بعد سندھ کے عربوں کی حکومت شروع ہو گئی جنھوں نے ۱۶ھ یعنی ۱۷۶ سال تک سلطنت کی، اور ان دونوں کی مجموعی تعداد (۳۲۶) یعنی سوا تین سو برس ہوئی،

اقوام عالم کے تمدن پر جب آپ نظر کریں تو ان کی تعمیرات میں جو عام چیزیں دیکھیں گے وہ معابد، مقبرے، مسافر خانے، حمام، پل، قلعے، مدارس، شفاخانے، عدالتیں، محلات شاہی اور عام مکانات ہوں گے، آج کل محکمۂ آثار قدیمہ کے تحت بھی زیادہ تر تعمیری چیزیں یہی نظر آتی ہیں،

عربوں نے جو جو شہر آباد کئے یا قدیم شہروں کو جو رونق دی، بد قسمتی سے آج وہ سب برباد ہو چکے ہیں، اس لئے اس کا صحیح نقشہ آپ کے سامنے پیش نہیں کیا جا سکتا، محکمۂ آثار قدیمہ نے انگریزی سلطنت کی ابتدا میں اس طرف توجہ کی تھی، لیکن بہت جلد اس کا خاتمہ ہو گیا، ورنہ اگر ان پرانے شہروں کی کھدائی باقاعدہ ہو تو عربوں کے تمدن کے دفینے بہت کثرت سے دستیاب ہوں،

عرب ایک مذہبی قوم تھی، اس لئے وہ جہاں جاتی، خواہ فاتح بن کر یا تاجر، سب سے پہلے وہ اپنے لئے ایک عبادت گاہ ضرور بناتی، وہ میدان جنگ میں ہوتی اور عرصہ تک وہاں رہنا پڑ گیا تو وہ اپنی یہ یادگار اس جگہ بھی چھوڑ جاتی،

سنہ ۱۵ھ اور سنہ ۱۵۶ھ کے درمیان ہشام تغلبی نے ایک زبردست بیڑا بھروچ کے بندر گندھار پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا تھا، اور کامیابی کے بعد کچھ دنوں قیام کرنا پڑا تو وہاں بھی سب سے پہلی جو عمارت بنائی گئی وہ ایک مسجد تھی،[1]

عربوں نے جب سندھ فتح کرنا شروع کیا، تو سب سے پہلے جو بڑا شہر ان کے قبضہ میں آیا وہ دیبل تھا، دیبل میں بھی عربوں کی سب سے پہلی عمارت ایک جامع مسجد تھی، جو محمد بن قاسم فاتح سندھ نے تیار کرائی، یہ جامع مسجد بہت بڑی تھی جس میں کم از کم محمد بن قاسم کی فوج تقریباً دس ہزار آ جاتی

---

[1] الکامل جلد ۲ ص ۶ لیڈن،

تھی، اس کے علاوہ نوآبادی جو بسائی گئی ان کے مکانات بھی تعمیر کئے گئے،[1]

اس کے متعلق صحیح طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کیسی تھی، لیکن عربوں کی پہلی صدی کی تعمیرات خوش قسمتی سے ابھی دنیا میں موجود ہیں، ان سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ان کا طرز بھی ویسا ہی ہوگا، یعنی لمبی لمبی دالان جن کی چھتیں کثیر التعداد ستونوں پر قائم ہوں گی، اسی جگہ جماعت کے ساتھ لوگ نماز ادا کرتے ہوں گے،

اس کے بعد صحن وسیع پیمانہ پر ہوگا جس کے بیچ میں وضو کرنے کے لئے حوض اور ایک گوشہ میں بلند مینار جس پر چڑھ کر اذان دی جاتی تھی یہ مینارے کچھ بہت زیادہ بلند نہ ہوتے تھے، بلکہ ان کی بلندی متوسط درجہ کی ہوتی،

صحن کے شمال اور جنوب میں مسافروں کے رہنے کے لئے حجرے ہوتے، مشرقی جانب مسجد سے باہر جانوروں کے لئے طویلے، ان کے پانی پینے کے حوض اور مسافروں کے غسل کے لئے حمام تیار کئے جاتے،[2]

عربوں نے دیبل فتح کرنے کے بعد جب نیرون پر قبضہ کیا تو اس جگہ بھی ایک جامع مسجد تیار کی، اور کہا جا سکتا ہے کہ اس کا طرز تعمیر بھی غالباً دیبل ہی کی جامع مسجد کی طرح ہوگا،[3]

اسی طرح ارور اور ملتان میں بھی فتح کے بعد ایک ایک جامع مسجد تیار کی، ملتان پر جب اسماعیلی عربوں کا تسلط ہوا تو انھوں نے بھی ایک جامع مسجد اپنی الگ تیار کی،[4] مامون الرشید کے عہد میں جب فضل بن ماہان نے سندان میں اپنی حکومت قائم کی، تو وہاں بھی ایک بڑی جامع مسجد تیار کی،[5]

کنوج میں عرب مسلمانوں کی حکومت نہ تھی، مگر عرب مسلمانوں کی بڑی تعداد وہاں مقیم تھی،

---

[1] بلاذری ص۴۳۷ لیڈن [2] تمدن عرب ص۲۱۷ حیدرآباد دکن [3] تحفۃ الکرام جلد سوم ص۱۵ بمبئی [4] چچ نامہ ص۸۲ قلمی و کتاب الہند ص۵۷ لیڈن [5] فتوح البلدان ص۴۲۶،

اس لئے وہاں بھی عربوں نے ایک جامع مسجد بنا ڈالی جو بشاری مقدسی کے عہد ۳۷۵ھ تک قائم تھی،[1]

شہروں کی آبادی عربوں نے سندھ میں متعدد شہر آباد کئے، جن میں سے آج کوئی بھی آباد نہیں ہے، لیکن تاریخوں میں ان کے تذکرے ہر جگہ موجود ہیں، سب سے پہلی نو آبادی جو عربوں نے سندھ میں بسائی وہ دیبل (دیول) کے مقام پر ایک محلہ یا گاؤں تھا، جہاں چار ہزار عرب خاندان کے گھر آباد کئے گئے، افسوس ہے کہ اس خاص مقام کا کوئی نام تاریخوں میں نہیں ملتا ہے، مگر یقین نہیں آتا کہ عربوں نے اس کا کوئی خاص نام نہ رکھا ہو،

محفوظہ محمد بن قاسم کے واپس جانے کے بعد جلد جلد والیان سندھ کے تغیر سے جو بدنظمی سندھ میں پیدا ہو گئی اس کا سب سے برا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کا ایک حصہ ہاتھ سے نکل گیا، اس لئے بقیہ مقبوضات کو محفوظ رکھنے کے لئے بڑی ضرورت اس بات کی محسوس ہوئی کہ دریائے سندھ کے مشرقی جانب کوئی ایسی جگہ ایک نو آبادی کوفہ کی طرح بسائی جائے، جو عربوں کے لئے مرکز کا کام دے، اور بوقتِ ضرورت وہاں پناہ بھی لے سکیں، اسی خیال کو مدنظر رکھ کر حکم بن عوانہ والیِ سندھ نے غالباً ۱۱۱ھ میں دریائے سندھ کے جنوب مشرق میں ایک شہر محفوظہ آباد کیا، اور اسی کو اس نے اس علاقہ کا پایہ تخت قرار دیا، شہر کے ساتھ ایک قلعہ کی بھی تعمیر ہوئی، چنانچہ اس کے تیار ہونے پر فوج بھی اس میں آگئی،[2]

منصورہ اندرونی معاملات جب درست ہو گئے اور والیِ سندھ کو اطمینان ہو گیا تو اب اس نے بیرونی امور کی طرف توجہ کی، اس نے اپنے ماتحت افسروں میں سے عمر کو جو محمد بن قاسم فاتح سندھ کا لڑکا تھا، سواروں کی فوج دے کر دریائے سندھ کے شمالی مشرق کی جانب روانہ کیا تاکہ وہ مقبوضات جن پر دشمنوں نے قبضہ کر لیا ہے، پھر ان سے چھین کر واپس لائے،

---

[1] احسن التقاسیم ص ۴۸۰ [2] بلاذری ص ۴۴۵ مصر،

چنانچہ وہ ان سے لڑ کر کامیاب ہوگیا، اور برہمن آباد کا سارا علاقہ ان سے واپس لے لیا، ان فتوحات کی خوشی میں عمر نے مناسب سمجھا کہ برہمن آباد سے متصل ایک ایسا شہر آباد کرے جو وسط میں ہونے کے باعث شمال اور جنوب دونوں جگہ کی نگرانی کر سکے،

اسی خیال کو مدنظر رکھ کر برہمن آباد سے چھ میل مغرب جانب ایک جزیرہ میں محمد بن عمر نے ایک شہر کی بنیاد رکھی، اور چونکہ وہ دشمنوں پر فتحیاب ہو کر آیا تھا، اس لئے محض نیک شگون کے خیال سے اس نے اس کا نام "منصورہ" رکھا، اور پھر چند ہی سال کے بعد یہ شہر ترقی کر کے اس درجہ پر پہنچ گیا، کہ سندھ کا پایہ تخت ہوگیا[۱]،

شہر منصورہ طول وعرض میں میل در میل تھا، اس کو دریائے سندھ کی ایک شاخ گھیرے تھی، جس سے ایک جزیرہ نما کی شکل نکل آئی، آبادی تمام تر مسلمانوں کی تھی، بڑا شاداب شہر تھا، ہر جگہ باغ لگے تھے، کھجور، نیشکر، لیموں اور آم کے درخت بکثرت تھے[۲]،

یہاں کی عمارتیں لکڑی اور مٹی کی تھیں، یہاں کی جامع مسجد عمان کی طرح بہت بڑی تھی، جو پتھر اور اینٹ سے بنی تھی، جس میں سارج اور ساگوان کے بڑے بڑے ستون تھے،

یہاں کے بازار بڑے پر رونق اور آباد تھے، تجارت کی بڑی گرم بازاری تھی، اور اسی بازار کے وسط میں منصورہ کی جامع مسجد تھی، جس کا ذکر اوپر ہوا[۳]، منصورہ کے چاروں طرف شہر پناہ بھی تھی، جس کے باعث دشمنوں کے اچانک حملوں سے شہر والے محفوظ رہتے[۴]،

اس شہر پناہ میں چار دروازے رکھے گئے تھے، ایک کا نام "باب البحر" تھا، اور دوسرے کا "باب طوران" اور تیسرے کا "باب سندان" اور چوتھے کا "باب ملتان"،

ان دروازوں کے نام غالباً ان سمتوں کے سبب سے رکھے گئے تھے، جو شہر کی جس سمت

۱؎ بلاذری ص۴۳۹ مصر ۲؎ المسالک والممالک لاصطخری بیان سندھ ۳؎ البلدان ص۳۶ ۴؎ احسن التقاسیم ص۴۷۹ ۵؎ تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص۳۷۸

میں وہ واقع ہیں، چنانچہ اس کی مثال دوسرے قدیم شہروں میں بھی پائی جاتی ہے، جیسے ملتان کی شہر پناہ میں جو دروازے ہیں، ان میں اس دروازہ کا نام جو لاہور کی طرف ہے "لاہوری دروازہ" ہے، اسی طرح "دہلی دروازہ"، "کشمیری دروازہ" وغیرہ، اس سے ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ "باب طوران" مغرب جانب تھا، "باب سندان" جنوب کی طرف، "باب ملتان" شمالی رخ پر، اور مشرق میں باب البحر تھا،

یہاں مسجد کے ساتھ حمام اور مسافرخانے بھی تھے، جیساکہ اس عہد میں اس کا عام رواج تھا، امراء کے عالیشان مکانوں کے علاوہ خود بادشاہ کا شاندار محل تھا، جہاں وہ خود قیام کرتا تھا، قلعہ کے اندر فوجوں کے لئے بارکیں بنی ہوئی تھیں، جن میں پچاس ہزار تک فوج رہتی تھی، دس ہزار گھوڑوں کے لئے خاص اصطبل تھا، اور اسّی ہاتھیوں کے لئے فیل خانہ تیار کیا گیا تھا، یہ اسّی ہاتھی جنگی تھے، اور بہت ممکن ہے کہ ان کے علاوہ خاص سواری کے لئے الگ ہاتھی ہوں[1]،

منصورہ میں محکمۂ قضاۃ کے لئے عدالتیں بھی قائم کی گئیں، جہاں قاضی بیٹھ کر انصاف کرتا تھا، کاغذات سرکاری (ریکارڈ) اور محکمہ کے عملہ کے لئے مکانات تعمیر کئے گئے،

یہاں ایک سرکاری مدرسہ بھی تھا، جو قاضی القضاۃ ابو محمد منصوری کی نگرانی میں کامیابی سے چل رہا تھا[2]، اور چونکہ قاضی صاحب موصوف خود بڑے پایہ کے عالم تھے، اور اچھی اچھی متعدد کتابیں بھی ان کی تصنیفات میں سے تھیں، اس لئے ان کے پاس ایک بڑا کتبخانہ بھی ہوگا،

منصورہ ساتویں صدی کے وسط تک موجود تھا[3]، اور اس صدی کے آخر میں غالباً برہمن آباد کے ساتھ زلزلہ سے تباہ ہوگیا جس طرح آج سے چند سال قبل برٹش بلوچستان کا صدر فوجی مقام کوئٹہ زلزلہ سے برباد ہوا، لیکن فوجی اغراض کے سبب سے گورنمنٹ نے اس کو دوبارہ آباد کر لیا ہے، بخلاف منصورہ کے کہ اس کو پھر آباد ہونا نصیب نہ ہوا،

---

[1] مروج الذہب جلد اول ص ۳۷۷، ص ۳۷۸ لیڈن [2] احسن التقاسیم ص ۴۸۱ لیڈن [3] طبقات ناصری ص ۲۳ کلکتہ،

محفوظہ کے متعلق سوائے اس بیان کے جس کا ذکر اوپر ہوا، اور کوئی بات تاریخ میں مذکور نہیں ہے، لیکن قیاس چاہتا ہے کہ عربوں نے اس شہر کو بھی اسی طرز پر آباد کیا ہوگا جیسا کہ منصورہ کیا گیا یعنی اس شہر میں فصیل بھی ہوگی قلعہ بھی ہوگا، عالیشان جامع مسجد بھی بنائی گئی ہوگی، اسی کے ساتھ حمام اور مسافر خانے ہوں گے، البتہ منصورہ پایہ تحت ہونے کے باعث اس کو تجارتی اور علمی جو اہمیت حاصل تھی اس سے محفوظہ محروم ہوگا،

بیضاء یہ بھی ایک شہر تھا، جس کو عمران برمکی نے بوقان کے پاس ضلع بودھیہ میں آباد کیا تھا، یہ علاقہ دریائے سندھ کے مغربی جانب تھا، اور آج بلوچستان میں داخل ہے، اس علاقہ میں زیادہ تر جاٹ آباد تھے، جو بڑے سرکش تھے،

۲۲۰ھ میں جب عمران برمکی سندھ کا حاکم ہوا تو اس طرف کے جاٹوں نے بڑا سر اٹھایا، عمران یہ دیکھ کر بڑی تیزی سے فوج لئے قیقان دقلات میں آپہنچا، اور ان کو شکست دے کر امن قائم رکھنے کے لئے ایک شہر بسایا، اور اس میں مستقل چھاؤنی قائم کی، تاکہ ہر وقت وہاں فوج تیار رہے اور بوقت ضرورت کام آئے،[1]

افسوس ہے کہ اس شہر کے متعلق بھی ہماری معلومات بہت ناقص ہیں، بلاذری کی فتوح البلدان کے سوا جس سے میں نے اوپر کا بیان لیا ہے، اور کسی تاریخی کتاب میں اس شہر کا حال مذکور نہیں ہے، بلاذری کے بعد جس قدر سیاح سندھ آئے ان کے سفرناموں میں بھی اس کا ذکر نہیں، جغرافیہ کی کتابوں میں باوجود تلاش کے اس کا کچھ پتہ نہ چلا،

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کو کچھ فروغ نہ ہوا، اس کی حیثیت صرف ایک چھاؤنی کی تھی، اور غالباً بوقان ہی کی آبادی میں وہ جذب ہوگئی،

---

[1] فتوح البلدان ص۴۴۶ لیڈن،

جندرور

سنہ ۳۴۰ھ میں ایک اور نیا شہر نظر آتا ہے جو ملتان سے ½ میل شمال مشرق کو آباد کیا گیا تھا،[۱] کیوں کہ اس سے قبل (سنہ ۳۰۲ھ تک) ملتان کے بادشاہ کا پایہ تخت ملتان ہی تھا، اور اسی جگہ وہ رہتا تھا، لیکن چوتھی صدی کے ابتدائی سالوں میں غالباً یہ شہر آباد کیا گیا،

اس شہر کے نام کا املا مختلف طریقہ سے لکھا پایا، جندرور، جنداور، جندراور وغیرہ، لیکن جہاں تک لفظ کا تعلق ہے اصل میں "جندرور" معلوم ہوتا ہے، کیونکہ قدیم زبان میں "رور" کے معنی وہی ہوتے تھے، جو آج "پور" کے معنی ہیں، اور اس کی مثال بہت کثرت سے ملتی ہے، مثلاً ساور، کہ دراصل منگل رور تھا، کثرتِ استعمال سے منگلور ہوگیا، اسی طرح بغرور، الرور وغیرہ،

جندرور درحقیقت عربی اور ہندی دو لفظوں سے مرکب ہے، جیسے فیروزپور کہ دو لفظ فارسی اور ہندی سے بنا ہے، "جند" کے معنی لشکر اور "رور" کے معنی آباد، یعنی فوج کے رہنے کی جگہ، یا فوجی آبادی،

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء میں یہ فقط فوجوں کے لئے ملتان سے باہر ایک چھاؤنی بنائی گئی تھی، لیکن آہستہ آہستہ اس کی آبادی اور رونق بڑھتی گئی، یہاں تک کہ ملتان کا حاکم بھی اسی جگہ رہنے لگا، اور پھر یہ صدر مقام ہوگیا،

ظاہر ہے کہ جہاں بادشاہ رہتا ہو تو اس کے لئے محل تیار کئے گئے ہوں گے، فوجی سپاہیوں کے واسطے بارکیں بنی ہوں گی، جنگی ہاتھیوں کے لئے فیل خانے ہوں گے، گھوڑوں کے رہنے کا اصطبل بھی ہوگا، پنج وقتہ نماز کے لئے ایک یا کئی مسجدیں ضرور بنی ہوں گی، مسجدوں کے ساتھ حمام اور مسافرخانوں کا ہونا لازمی ہے، جیسا کہ اُس زمانہ میں دستور تھا، اس کے علاوہ بیشمار گاؤں آباد کئے گئے جن میں سے بعض خالص عربوں کے تھے، اور بعض گاؤں سندھیوں اور عربوں سے مخلوط آباد تھے

[۱] کتاب الاقالیم ص ۱۷۵ لیڈن

تھے، ایسے گاؤں کیز کانان اور گندھاویل کے درمیان زائد تھے[1]

قدیم شہروں کی ترقی

جدید شہروں کی آبادی کے علاوہ قدیم شہروں کو ترقی دینے کی بھی عربوں نے بڑی کوشش کی، دیبل کی بندرگاہ گو سندھیوں کے زمانہ میں بڑا شہر سمجھا جاتا تھا، لیکن عربوں نے اس کو فتح کرکے جو ترقی دی، اس کا اندازہ صرف اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ۲۸۰ھ میں جو زلزلہ وہاں آیا وہ اس قدر سخت تھا کہ تمام دیبل تباہ ہو گیا، اس کے ملبہ کے نیچے سے ڈیڑھ لاکھ آدمی فقط مردے نکالے گئے، مجروح اور زندوں کا شمار ان کے علاوہ ہے[2]

اس سے شہر کی آبادی کا آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کس قدر اس کی آبادی بڑھ گئی تھی، لیکن کچھ ہی برسوں کے بعد عربوں نے اس کو پھر آباد کر ڈالا، اور پہلے سے زیادہ اس کی آبادی ہو گئی، کیونکہ خاص شہر کے علاوہ آس پاس کا علاقہ بالکل بنجر واقع تھا، نہ کوئی زراعت ہوتی تھی، نہ کوئی درخت، باغ، تھا،[3] لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد جب عربوں نے اس طرف توجہ کی تو آس پاس بیشمار آبادی ہو گئی، چنانچہ بشاری نے لکھا ہے کہ دیبل ساحلی شہر ہے، جس کے ساتھ تقریباً ایک سو گاؤں آباد ہیں، اس سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ دیبل کے آس پاس کی آبادی کس قدر ترقی کر گئی تھی،

خاص منصورہ کی سلطنت میں شہروں کے علاوہ صرف گاؤں کی تعداد تین لاکھ تھی، اس کے کھیت، باغ اور گاؤں سب قریب قریب اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے،

اسی طرح ملتان کی آبادی کے علاوہ وہاں کے گاؤں کی تعداد بھی کچھ کم نہ تھی، باوجود دشمنوں میں ہر وقت گھرے ہونے کے بھی اس کی وسعت اس قدر تھی کہ ایک لاکھ بیس ہزار گاؤں موجود تھے،

مسعودی لکھتا ہے کہ "یہ بہت سرسبز اور شاداب ملک ہے، ہر جگہ شہر اور گاؤں آباد ہیں"[4]

اسی پر سارے ملک کو قیاس کرنا چاہئے کہ عربوں نے اپنے مفتوحہ ممالک کو ترقی دینے اور

---

[1] کتاب الاقالیم ص۱۸۱ لیڈن [2] الکامل جلد ۷ ص۲۲۳ لیڈن [3] سفرنامہ اصطخری حالات سندھ ص۱۸۱ [4] مروج الذہب جلد اول ص۳۷۸ لیڈن

آباد کرنے کی کوشش میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا، اور ہر طرح سے اس کو سرسبز و شاداب بنا کر جنت کا نمونہ کر دیا تھا،

صنعتی ترقیاں صنعتی ترقیوں میں بھی سندھ عربوں کے عہد میں ہندوستان کے دوسرے صوبوں سے کسی طرح پیچھے نہیں رہا،

شکر سازی اس میں سب سے زیادہ نمایاں شکر سازی ہے، اس کی منڈیاں ماسکان، قزدار، مکران اور طوران ہیں۱، ان مقاموں میں اس کے بڑے بڑے کارخانے تھے، جہاں سے یہ شکر تیار ہو کر دوسرے ملکوں میں جاتی، ان میں سے ماسکان کی شکر زیادہ مشہور تھی، غالباً زیادہ صاف، سفید اور دانہ دار ہوتی ہوگی، لیکن کچھ دنوں کے بعد طوران نے اس کے مقابلہ میں زیادہ ترقی کی، اور اس کی شکر اول نمبر کی شمار ہونے لگی، اور ماسکان دوسرے نمبر پر ہو گیا۲،

صندوق سازی دریائے سندھ کے شمال مغرب میں، (جیکب آباد) ایک مقام کشمور (یا کشمر) ہے، جہاں صندوق سازی کے کارخانے قدیم زمانہ سے چلے آرہے ہیں، یہاں لکڑی اور چمڑے کا صندوق بہت اعلیٰ درجہ کا تیار ہوتا تھا، یہ چھوٹے اور بڑے ہر قسم کے ہوتے تھے، ان میں بعض اس قدر بڑے ہوتے تھے کہ آٹھ آٹھ سو من قسط (ایک دوا کا نام ہے) اس میں سما جاتا تھا، پھر اس پر روغن قار مل کر اس کی پالش کرتے تھے۳،

بیلمانیہ بھیلمان جو محمد بن قاسم کے مفتوحہ ممالک میں سب سے آخری شہر ہے، وہاں تلوار بڑی اعلیٰ درجہ کی تیار ہوتی تھی، اور کثیر تعداد میں عرب جاتی تھی، اس کا نام ہی عربوں نے "بیلمانیہ" رکھ دیا تھا۴، اس میں کیا وصف تھا، اس کے متعلق خاص بات تو معلوم نہیں ہے لیکن عام ہندی تلواروں کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ اس کی آب اور کاٹ دونوں چیزیں قابل تعریف ہوتیں،

---

۱ سفرنامہ ابن حوقل مطبوعہ لنڈن بیان سندھ ۲ احسن التقاسیم ص۴۸۱ لیڈن ۳ عجائب الہند ص۱۰۲ لنڈن ۴ نفحۃ الطرب ص۲۱۲ بیروت،

پاپوش سازی سندھی جوتے بھی بہت مشہور تھے، اور ان کی مانگ بغداد میں سب سے زیادہ تھی، لیکن دراصل یہ جوتے کھنبایت میں تیار ہوتے تھے، اور اسی لئے اس کا نام کھنباتی تھا، غالباً سندھ اس کی منڈی تھی، جہاں سے عرب بھیجا جاتا تھا،

تانبہ تانبہ کا کام بھی اس ملک میں اچھا ہوتا تھا، یہ تانبہ اجمیر کی کان سے نکال کر تاب وتی (کھنبایت) جاتا، اور پھر بحری راستہ سے سندھ اور ملتان آتا، اس کے مختلف قسم کے برتن یہاں تیار ہوتے تھے، خاص ملتان میں اس کا بہت بڑا اور بارونق بازار تھا، یہ بازار ملتان شہر کے بیچ میں واقع تھا اور اسی کے ساتھ ہاتھی کے دانت کا بازار تھا،[1]

ہاتھی کے دانت کا کام بھی ملتان میں بہت اعلیٰ ہوا کرتا، یہاں سے مال تیار ہو کر غیر ممالک میں بکثرت جاتا، اس میں مختلف قسم کی چیزیں ہوتیں، چھوٹے بڑے صندوقچے، ڈبیہ، چھری چاقو، اور ہتھیاروں کے دستے وغیرہ ہوتے، اس کی چوڑیاں بھی بنائی جاتیں جن کو ہندو عورتیں بکثرت استعمال میں لاتیں، چنانچہ ملتان اور کاٹھیاوار میں اس وقت تک اس کے کارخانے موجود ہیں،

پون چکی دریائے سندھ کے مغربی جانب قندھار کے علاقہ میں پون چکی کا عام رواج تھا،[2] یہ چکیاں کنوؤں پر لگا دیتے تھے، اور ہوا کے زور سے جب اوپر کا چکہ گھومنے لگتا، تو اس کے ذریعہ سے نیچے کے چکے کو حرکت ہوتی، اور پانی کے لئے جو برتن لگا ہوتا اس میں پانی بھر کر اوپر کودہ آجاتا، اور پانی انڈیل کر پھر واپس چلا جاتا، انقلاب زمانہ سے پون چکی کا تو رواج جاتا رہا، مگر پانی نکالنے کا بقیہ طریقہ آج بھی پنجاب اور سندھ میں موجود ہے،

کپڑے اور فرش صوبہ سندھ میں کپڑے اور فرش بھی تیار ہوتے تھے، لیکن غالباً سندان کے مقابلہ میں یہاں کے کپڑے اچھے نہیں ہوتے، لیکن فرش بہت ہی اعلیٰ تیار ہوتے تھے اور غالباً اس کی شہرت اسی سبب سے تھی، اور بہت ممکن ہے کہ غیر ممالک کو بھی برآمد کئے جاتے ہوں،

[1] سفرنامہ اصطخری بیان سندھ و ابن حوقل، [2] مسعودی جلد اول لیڈن،

سندھ کے علماء

علماء

سندھی علماء میں سب سے پہلا نام مولانا اسلامی کا لیا جا سکتا ہے، یہ دیبل کے رہنے والے تھے، محمد بن قاسم کے عہد میں مسلمان ہوئے، اور سفارت کے عہدہ پر ممتاز ہو کر راجہ داہر کے پاس بھیجے گئے تھے، اگرچہ راجہ کو صلح پر کسی صورت سے راضی نہ کر سکے، مگر اس کے دربار میں جس جرات اور ہمت سے گفتگو کی ہے، اس سے ان کی دانشمندی اور قوت ایمانیہ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے[1]،

موسیٰ بن یعقوب ثقفی قاضی ارور ان لوگوں میں سے ہیں کہ باوجود عرب ہونے کے بھی ان کو سندھی کہا جا سکتا ہے، کیونکہ انھوں نے اپنی پوری زندگی سندھ ہی میں بسر کی، بہت بڑے عالم اور فقیہ تھے[2]، ارور کے قاضی اور سندھ کے قاضی القضاۃ تھے، ان کا خاندان شمس الدین التمش کے زمانہ تک موجود تھا، چنانچہ سنہ ۶۱۳ھ میں کمال الدین اسمٰعیل بن علی بن محمد ثقفی ایک بڑے عالم اپنے وقت کے اسی خاندان سے الور میں بعہدۂ قضاء موجود تھے، چچ نامہ انہی کے بزرگوں کی لکھی ہوئی عربی زبان میں تھی، جس کو ابن علی کوفی نے فارسی میں ترجمہ کیا[3]،

محمد بن ابی الشوارب قاضی منصورہ بھی انہی لوگوں میں سے ہیں جو عراق سے سنہ ۲۸۳ھ میں سندھ آکر آباد ہو گئے[4]، بہت بڑے عالم تھے، عراق میں عموماً اور خاص کر بغداد میں لوگ ان کی بڑی قدر کرتے تھے، خلیفۂ بغداد اور عباسی شاہزادے ان کی صحبت سے فائدہ اٹھاتے، اور بوقت ضرورت ان کی حاجت براری بھی کرتے، غالباً ان کے بعد ان کے بیٹے علی بن محمد

[1] چچ نامہ ص ۶ قلمی [2] ایضاً ص ۸ [3] ایضاً ص ۱۱ [4] الکامل ص ۳۲ جلد ۷ لیڈن،

ابن ابی الشوارب منصورہ کے قاضی ہوئے، ان کا خاندان بھی چوتھی صدی کے ابتدائی سالوں تک رہا، جیسا کہ مسعودی نے لکھا ہے[1]

ایک اور عراقی صاحب علم تھے، جن کی تعلیم و تربیت اور پرورش بچپن سے منصورہ (سندھ) میں ہوئی تھی، اس لئے عربی کے ساتھ سندھی زبان پر بخوبی عبور تھا، ۲۷۰ھ میں الور کے راجہ نے امیر منصورہ سے اسلام کی حقیقت سمجھنے کے لئے جب ایک شخص کی استدعا کی تو امیر نے آپ ہی کا انتخاب کیا، آپ نے سندھی میں عقائد اسلام کو نظم کرکے راجہ کے پاس بھیجدیا، جس کو اس نے بہت پسند کیا، پھر حسب طلب یہ خود اس کے دربار میں پہنچے، تو اس کو باقاعدہ قرآن کا ترجمہ سندھی زبان میں پڑھایا، اور اس کی فرمائش سے قرآن کا ترجمہ دیا تفسیرا سندھی زبان میں تحریر کیا، اور یہ مسلمانوں کی پہلی تصنیف سندھی زبان میں ہے، اور ہندوستان میں قرآن کا پہلا ترجمہ بھی یہی تھا،[2]

ملتان میں بھی ایک شاعر رہتے تھے ان کا نام ہارون بن عبداللہ ملتانی ہے، یہ بنی ازد کے موالی میں سے تھے، ان کے اشعار تاریخی کتابوں میں مذکور ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ ان کا خاندان ملتان ہی میں آباد ہو گیا تھا، کیونکہ ان کے نام کے ساتھ ہی ملتانی مشہور ہے، جیسا کہ ابودلف نے اپنے سفرنامہ میں تحریر کیا ہے،[3]

چوتھی صدی کے آخر میں (۳۷۵ھ) ایک اور خاندان اہل علم کا منصورہ میں موجود تھا، یہ ابومحمد منصوری کا تھا، خود بہت بڑے عالم اور اپنے مذہب ظاہری (داؤد ظاہری) کے امام تھے، اور متعدد کتابوں کے مصنف بھی تھے، ان کا پایہ علم میں بہت بلند تھا، اسی لئے منصورہ کے قضاۃ کا عہدہ ان کے سپرد کر دیا گیا تھا،[4] ان کے نام کے ساتھ منصوری کے لفظ سے خیال ہوتا ہے

[1] تاریخ مسعودی جلد اول صفحہ ۳۷۷ لیڈن [2] عجائب الہند صفحہ ۳ لیڈن [3] ابن مہلہل بحوالہ سیر البلاد و اقلیم دوم قلمی [4] احسن التقاسیم صفحہ ۴۸۱ لیڈن

کہ غالباً ان کا وطن منصورہ ہی تھا، اسی لئے ان کو منصوری کہا گیا،

ایک اور خاندان اہلِ علم کا الور (ارور) میں آباد تھا، جن کے نفوس قدسیہ سے آج تک لوگ فیضیاب ہو رہے ہیں، یہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کا قبیلہ ہے، جو دوسری صدی ہجری میں سندھ آکر آباد ہو گیا، آپ کا قبیلہ ہباری اسدی (قریشی) ہے، غالباً کچھ دنوں کے بعد سکھر کے علاقہ میں محمد تور نامی قصبہ میں جا بسا، اور پھر پانچویں صدی کی ابتداء میں وہاں سے منتقل ہو کر ملتان چلا آیا، جہاں آج تک ان کا خاندان موجود ہے[1]،

مہندس | اس جگہ مہندس (انجینیر) بھی تھے، جو مکانوں قلعوں کے علاوہ پل بنانے اور نہریں کھودنے سڑکیں درست کرانے کا کام انجام دیتے تھے[2]،

ابو معشر سندھی | اب ان بزرگوں کے حالات تحریر کئے جاتے ہیں جو سندھ سے باہر جا کر شہرۂ آفاق ہوئے ان میں سب سے پہلا نام ابو معشر سندھی کا ہے، ان کا نام نجیح بن عبد الرحمٰن ہے، دوسری صدی ہجری میں سندھ سے جنگی قیدیوں کے ساتھ حجاز لائے گئے، متعدد خاندانوں میں لطور غلام کے رہے لیکن ہر جگہ علمی چشمہ سے برابر سیراب ہوتے رہے، اور آخر علم حدیث، مغازی اور فقہ میں باکمال بن کر دنیا کے سامنے ظاہر ہوئے،

ان کے اساتذہ میں محمد بن کعب قرظی، ہشام بن عروہ اور نافع وغیرہ مشہور اشخاص ہیں، اور تلامذہ میں سے محمد بن ابی معشر، ابو نعیم، وکیع، محمد بن عمر واقدی، امام سفیان ثوری جیسے بلند پایہ اشخاص کا شمار ہوتا ہے، ان کی روایت جامع ترمذی میں بھی موجود ہے، آخر عمر میں ان کا حافظہ کمزور ہو گیا تھا، سندھی ہونے کے باعث بعض عربی الفاظ کا تلفظ صحیح نہیں کر سکتے تھے، چنانچہ "کعب" کو "قعب" کہا کرتے تھے،

---

[1] عرب و ہند کے تعلقات ص۳۵۵ [2] بلاذری ص۴۲۶ لیڈن،

ان کا رنگ گندمی اور جسم فربہ تھا، مدینہ میں ہمیشہ قیام رہتا، خلیفہ مہدی عباسی جوان کا بڑا قدر داں تھا، ۱۶۱ھ میں بغداد لے آیا، اور درس حدیث کا کام ان کے سپرد کر دیا، رمضان ۱۷۰ھ میں وفات پائی اور بغداد کے مقبرہ کبیر میں مدفون ہوئے[1]،

ان کے بعد ان کے لڑکے ابو عبد الملک محمد بن ابی معشر بھی علم حدیث میں بڑے پایہ کے عالم ہوئے، بغداد ہی میں ان کا بھی قیام رہا، اپنے والد کی کتاب المغازی کے راوی ہیں، ابو یعلی الموصلی نے ان سے روایت کی ہے، ۹۹ برس کی عمر پاکر ۲۴۴ھ میں وفات پائی،

امام اوزاعی اور امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت دونوں کی ولادت شام اور عراق میں ہوئی، لیکن ان کے بزرگ سندھی تھے،

حافظ ابو محمد خلف بن سالم حدیث کے مشہور حافظ تھے، غلاموں کے سلسلہ میں آل مہلب سندھ سے عراق دکوفہ لائے، یہاں حدیث کی تعلیم پاکر نام آور ہوئے، پھر بغداد چلے گئے اور محلہ مخرم میں مستقل اقامت اختیار کر لی، ان کے اساتذہ میں یحییٰ بن سعید قطان اور ابو نعیم مشہور لوگ ہیں، اور ان کے تلامذہ میں حاتم، ابو القاسم بغوی، احمد بن علی آبار اور عثمان دارمی جیسے صاحب کمال اصحاب کا شمار ہے، امام نسائی نے ان کی روایت اپنی کتاب میں درج کی ہے ۲۲ رمضان ۲۳۱ھ میں ۶۹ سال کی عمر پاکر بغداد میں وفات پائی[2]،

ابو نصر سندھی کا نام فتح بن عبد اللہ ہے، آلِ حکم کے غلاموں میں تھے، آزادی کے بعد حدیث، فقہ اور علم کلام کی تعلیم حاصل کی، حدیث کے اساتذہ میں حسن بن سفیان مشہور شخص ہیں، ان کا لقب فقیہ اور متکلم تھا، شاگردوں کا مجمع ہر وقت رہتا، چنانچہ ایک دفعہ راستہ میں ایک بدمست عرب پڑا تھا، ان کو دیکھ کر اس نے کہا اے غلام میں تو زمین پر پڑا ہوں،

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۲۱۲ [2] خطیب بغدادی ص ۳۲۹ جلد ۸،

اور تو اس شان کے ساتھ جا رہا ہے؟ آپ نے جواب دیا، کہ اس کا سبب یہ ہے کہ میں نے تمھارے بزرگوں کا وطیرہ اختیار کیا، اور تم میرے باپ دادوں کے طریقے پر چل رہے ہو،[1]

ابو العطاء سندھی کا نام افلح بن یسار تھا، باپ بیٹے دونوں سندھ سے بنو اسد کے ذریعہ غلاموں کے زمرہ میں کوفہ پہنچے، ابو العطا کو ادب اور شعر و شاعری کا بڑا ذوق تھا، چنانچہ اس نے اس میں کمال پیدا کیا، اس کا جدید آقا عنترہ بن سماک نے اس کو آزاد کر دیا، لیکن جب اس کی بڑی شہرت ہوئی اور امراے دولت کے درباروں سے بڑے بڑے صلے ملنے لگے، تو آقا نے اس کی آزادی کی قیمت چار ہزار وصول کی، افلح سندھی نے بھی باقاعدہ آزادی کے بعد اس کی بڑی ہجو کی،

سندھی ہونے کے سبب یہ بھی عربی کے بعض حروف کا تلفظ صحیح نہیں کرتا تھا، چنانچہ وہ حرف "ز" جیم کی جگہ استعمال کرتا، مثلاً "ہجوت" کو "ہزوت" کہتا، اسی سبب سے سلیمان بن سلیم ایک امیر سے ایک غلام حاصل کیا جس کا نام اس نے عطاء رکھا، اور اس کو متبنیٰ بنا کر خود اپنی کنیت ابو العطا رکھی، چنانچہ وہ اسی نام سے تاریخوں میں مشہور ہوا،

شعر خود کہتا مگر عطا لوگوں کو پڑھ کر سناتا، ایسے لوگوں کو اس زمانہ میں "راوی" کہتے تھے، یہ عطا راوی عرصہ تک زندہ رہا، بنی امیہ اور عباسیہ کی جنگ میں مارا گیا، یہ اموی شعرا میں سے ہے، النصر بن یسار اس کا بڑا اعرابی تھا، عباسیوں کے عہد میں دربار منصور میں گیا تھا، مگر دشمنوں کا مداح سمجھ کر نکال دیا گیا، اسی منصور کے عہد میں اس نے وفات پائی،[2]

اس کے علاوہ اور بہت سے صاحب علم سندھی ہوئے ہیں جن کی تصنیفات اس میں مشہور تھیں، مثلاً اسحاق متوفی ۲۳۵ھ جو عہد عباسیہ کا مشہور مغنی تھا، اس کا ایک وراق

۱؎ کتاب الانساب للسمعانی ... معجم البلدان جلد ۵ ص ۱۵ باب سین ۲؎ کتاب الاغانی ج ۱۶ ص ۸۳ مصر،

سندھی ابن علی تھا جس نے ایک کتاب مغنیوں کے حالات میں لکھی تھی، اس زمانہ میں اس کا نام "کتاب الشرکۃ" تھا، یہ کتاب دس جزو پر مشتمل تھی،

اسحاق کے مرنے پر سندھی نے بغداد کے محلہ "طاق الزبل" پر وراقی کی ایک دکان کرلی تھی، اور اسی پیشہ سے گذر اوقات کرتا تھا،

اسی طرح شعراء میں سے ایک ابو ضلع سندھی ہیں، جو سندھی غلاموں میں تھے، لیکن شعر و شاعری کا بڑا ذوق تھا، ان کی ایک تصنیف تیس ورق کی ابن ندیم کے وقت تک موجود تھی، انھوں نے ہندوستان کی مدح میں ایک قصیدہ بھی لکھا ہے،

منصور ہندی ایک اور غلام تھے، جن کو علمی ذوق تھا، ان کے مالک کا نام حفصویہ تھا، انھوں نے بھی شعر و ادب کی ایک کتاب تصنیف کی تھی جس کا ذکر ابن ندیم نے کیا ہے،

ابن حاجب النعمان نے اپنی کتاب میں ایک اور فاضل کا ذکر کیا ہے، جو کاتب بھی تھے اور ادب و شعر کا بھی ذوق رکھتے تھے، ان کا نام سندھی بن صدقہ ہے، ان کی ایک تصنیف پچاس ورق کی تھی جس کا ذکر بھی اسی کتاب میں مذکور ہے،

تیسری صدی کے بعد ایک صاحب علم و فضل کشاجم سندھی بن شاہک تھے، جن کی ایک کتاب ایک سو ورق کی نظم میں تھی، اور ایک دوسری تصنیف ادب میں بھی تھی[1]،

ابو نصر فتح بن عبد اللہ سندھی بھی مشہور مصنف گذرے ہیں، جن کے باپ خالص سندھی تھے،

علوم و فنون کی ترقی میں سندھی عربوں نے کس قدر حصہ لیا، اس کے متعلق کوئی تفصیلی بیان اس وقت تک راقم الحروف کی نظر سے نہیں گذرا، البتہ تاریخوں اور سفرناموں میں جستہ جستہ جو واقعات مذکور ہیں، ان سے ہم نتیجہ نکال سکتے ہیں،

---

[1] الفہرست ص ۲۳۲ مصر، الیضاً ص ۲۳۴، ص ۲۳۶، ص ۲۱،

تفسیر ابھی ایک عراقی کا ذکر ہو چکا ہے، جس نے بچپن سے سندھ میں پرورش پائی اور سندھی زبان پر اس کو کافی عبور حاصل تھا، اس نے راجہ الور (ارور) کی فرمائش سے قرآن کی ایک تفسیر سندھی میں لکھی تھی، یہ ہندوستانی (سندھی) زبان میں پہلی تفسیر اور دوسری تصنیف ہے،

عقائد اسی مصنف نے ایک اور کتاب نظم میں والی منصورہ عمر بن عبد اللہ کے حکم سے لکھی تھی جس میں عقائد اسلام کو سندھی زبان میں اس خوبی سے نظم کیا تھا کہ پڑھنے والے پر ایک خاص قسم کا اثر ہوتا تھا چنانچہ جب یہ نظم راجہ ارور نے پڑھی تو بہت پسند کی، اور خود شاعر کو اپنے دربار میں طلب کر کے عرصہ تک اس سے مستفیض ہوتا رہا[1]، یہ شخص سندھی زبان کا پہلا شاعر ہے، اور اس کی نظم سندھی زبان کی پہلی تصنیف ہے،

حدیث حدیث کا چرچا بھی اس ملک (منصورہ) میں زیادہ رہا، چنانچہ اکثر یہاں قاضی اہل حدیث ہوتے، قاضی ابو محمد منصوری حدیث کے بہت بڑے عالم اسی جگہ قاضی تھے، اور اپنے وقت کے امام سمجھے جاتے تھے، یہ بہت سی کتابوں کے مصنف تھے[2]، چونکہ حدیث کا ذوق زیادہ تھا، اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ ان کی کتابیں زیادہ تر حدیث ہی میں ہوں گی،

فقہ حنفی داؤد ظاہری کے مذہب کے ساتھ تمام سندھ میں فقہ حنفی پر عمل ہوتا تھا، کوئی گاؤں اور قصبہ ایسا نہیں تھا، جہاں حنفی مذہب کے مقلد نہ ہوں، سندھ میں کوئی شافعی، مالکی، حنبلی نہ تھا، معتزلہ اور اشاعرہ کے مناظروں کا بھی یہاں وجود نہ تھا، جس کے سبب سے یہاں کے مسلمان ہر طرح سے سکون اور اطمینان کی زندگی بسر کرتے تھے[3]،

شاعری شاعری کے متعلق کوئی خاص تفصیل تو تاریخوں میں مذکور نہیں ہے، لیکن جو واقعات بعض بعض مقاموں پر مذکور ہیں، ان سے پتہ چلتا ہے کہ عربوں نے دونوں زبانوں میں شعر کہے

---

[1] عجائب الہند ص۳ لیڈن [2] احسن التقاسیم ص۴۸۱ لیڈن [3] ایضاً،

اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ ایک منصورہ کے رہنے والے عرب نے سندھی زبان میں عقائدِ اسلام کو نظم کیا تھا، اسی طرح ہارون ملتانی بھی اپنی شجاعت اور بہادری کے کاموں کو نظم کیا کرتا تھا، ابو العطاء سندھی اور ابو ضلع سندھی دو ایسے مشہور شاعروں کا ذکر اوپر ہو چکا ہے جن پر سندھ بجا طور پر فخر کر سکتا ہے،

اس نے ہندوستان کی مدح میں جو قصیدہ لکھا ہے، اس کے کچھ اشعار بطور نمونہ کے مندرجۂ ذیل ہیں:۔

لقد انکر اصحابی وما ذالك بالامثل   اذا امدح الهند وسهم الهند فی المقتل

میرے دوستوں نے انکار کیا اور یہ بہتر نہیں ہے جب کہ ہندوستان اور اس کے تیر کی میدان جنگ میں تعریف کیجا رہی ہو،

لعمری انها ارض اذا القطر بها ینزل   یصیر الدر والیاقوت والدر لمن یعطل

میری جان کی قسم! یہ وہ سرزمین ہے کہ جب اس میں پانی برستا ہے، تو وہ موتی اور یاقوت اس سے اگتے ہیں جو ان چیزوں سے خالی و محروم ہیں،

فمنها المسك والکافور والعنبر والمندل   واصناف من الطیب لیستعمل من یتفل

اس کی خاص چیزوں میں مشک، کافور، عنبر، عود اور قسم قسم کی خوشبوئیں ان لوگوں کے لئے ہیں جو گندے رہتے ہیں،

وانواع الافاویه وجوز الطیب والسنبل   ومنها العاج والساج ومنها العود والصندل

اور قسم قسم کے عطریات، جاپھل، سنبل، ہاتھی کے دانت، ساگوان، عود اور صندل ہیں،

وان التوتیا فیها کمثل الجبل الاطول   ومنها الببر والنمر ومنها الفیل والدغفل

اس میں توتیا، بڑے پہاڑ کے برابر ہیں اور شیر ببر اور چیتے، ہاتھی اور اس کے بچے ہوتے ہیں،

ومنها الکرك والببغاء والطاوس والجوزل   ومنها الشجر الرانج والساسم والفلفل

یہاں کلنگ، طوطے، مور اور کبوتر ہیں، ناریل، آبنوس اور سیاہ مرچ کے درخت ہیں،

(۷) سیوفہ ما لحاملہا استغنت عن الصیقل — وادملح اذا اهتزت اهتزبہ الجحفل

بیاں کی تلوار ایسی ہے کہ اسکو کبھی صیقل کی حاجت نہیں ہوتی، اور نیزے اسطرح کے ہیں کہ جب وہ ہلیں

تو فوج ان کے ساتھ ہل جائے،

فھل ینکر ھذا الفضل الا الرجل الاخطل[1]

تو کیا بیوقوف کے سوا کوئی دوسرا ان خوبیوں کا انکار کرسکتا ہے؟

گاہ گاہ عرب کے شعراء بھی سندھ آتے تھے، چنانچہ ابو تمام کا ہمعصر مشہور شاعر ابو عبادہ ولید بن عبید البحتری متوفی ۲۸۴ھ بھی سندھ آیا تھا[2]، اور اس نے کچھ عرصہ تک ملتان میں قیام کیا، اس بڑے شاعر سے سندھی عربوں نے کافی فائدہ اٹھایا ہوگا، اور اس کی واپسی کے وقت تلامذہ اسکو الوداع کہنے کے لئے دور تک ساتھ ہوں گے،

بحتری کس سنہ میں ملتان آیا، کچھ صحیح طور پر نہیں معلوم ہے، لیکن کہا جاسکتا ہے کہ جب کہ اس کی عمر تقریباً چالیس پینتالیس سال کی ہوگی، تو آیا ہوگا، کیونکہ انہی ایام میں عمر بن عبد العزیز ہباری منصورہ کا والی بنا تھا، وہ اپنی ناموری اور سیاسی خیال سے عراق والوں کی بڑی آؤبھگت کیا کرتا تھا، چنانچہ عراق والے اس کے بڑے مداح تھے،[3]

شعرائے عرب بھی کبھی کبھی سندھ کے حاکموں کے پاس اپنے قصیدے بھیجتے اور ضروری امور کی طرف توجہ دلا کر حاجت برآری کی درخواست کرتے، چنانچہ فرزدق نے بھی ایک دفعہ تمیم بن زید عتبی والی سندھ کے نام ایک غریب عورت کی سفارش کی تھی،[4]

مدارس عربوں کے دورِ حکومت میں مدرسوں کے متعلق تاریخ میں کوئی تذکرہ نظر نہیں آتا، صرف لبشاری مقدسی نے اپنے سفرنامہ میں ذکر کیا ہے، کہ منصورہ میں قاضی ابو محمد منصوری کا

---

[1] آثار البلاد قزوینی ص ۸۵ [2] معجم البلدان ص ۱۵ باب س [3] سفرنامہ ابن حوقل لیدن ص ۲۲۶ [4] بلاذری ص ۴۴۳ مصر،

ایک مدرسہ بھی ہے جس میں وہ خود بھی درس دیتے ہیں[۱]، لیکن یہ بات کسی طرح قرینہ قیاس نہیں ہے کہ تین سو برس کی حکومت میں تمام صوبہ سندھ اور ملتان میں کوئی مدرسہ سرکاری یا غیر سرکاری قائم نہ کیا گیا ہو، غالب گمان یہی ہے کہ اس زمانہ کے رواج کے مطابق مدارس زیادہ تر مسجدوں میں ہوتے ہوں گے، جیساکہ سیاح مذکور نے منصورہ کے حال میں لکھا ہے کہ وہ شہر علم اور تجارت کا مرکز ہے،

زبان سندھ اور ملتان کی اصلی زبان جس میں وہاں کے سندھی عوام بات کرتے تھے، وہ متعدد تھی، بھاٹیہ (بھیرہ) سے لے کر سندھ کے بالائی حصہ تک تو "اردو ناگری" کا رواج تھا، یعنی نصف ناگری، کیونکہ یہ مختلف زبانوں سے مل کر بیچ میل زبان بن گئی تھی، اسی زبان میں یہ لوگ خط وکتابت کرتے تھے، اور کتابیں بھی لکھی جاتی تھیں،

جنوب سندھ کے ساحلی علاقوں میں ملگاری زبان کا زیادہ رواج تھا، اسی ملگاری میں تمام قسم کا لکھنا پڑھنا ہوتا تھا، لیکن منصورہ اور برہمن آباد (بمبنوا) میں ایک اور زبان رائج تھی جس کو "سین دب" (سندھی) کہتے تھے[۲]،

یہ ملک کے اصلی باشندوں کی زبان تھی، لیکن عربوں کی زبان جو عدالت، تجارت اور تعلیم کے موقعوں پر استعمال کرتے تھے، وہ سندھ کے مختلف حصوں میں مختلف رہی ہے، تیسری صدی تک یہاں صرف دو زبان استعمال ہوتی رہی، عوام اپنی ملکی زبان بولتے اور خواص عربی اور ملکی دونوں سے واقفیت رکھتے[۳]،

چوتھی صدی کے وسط میں بھی یہی حال رہا کہ ملتان اور منصورہ کے لوگ ملکی اور عربی زبان میں گفتگو کرتے تھے، لیکن مکران میں مکرانی اور فارسی رائج تھی[۴]،

---

[۱] احسن التقاسیم ص ۴۸۱ لیڈن [۲] کتاب الہند للبیرونی ص ۸۲ لیڈن [۳] مروج الذہب جلد اول ص ۳۷۷ تا ۳۷۸ لیڈن [۴] سفرنامہ ابن حوقل بغدادی ص ۲۲۶ لیڈن،

چوتھی صدی کے آخر میں دیلمیوں کے عروج سے سندھ پر اثر پڑا، اور فارسی زبان کا رواج شروع ہوگیا، چنانچہ سنہ ۳۷۵ھ کے قریب بشاری جب ملتان آیا ہے، تو یہاں فارسی زبان رائج ہوچکی تھی، اور یہاں کے باشندے اس کو سمجھنے لگے تھے، اسی طرح مکران میں بلوچی یا مکرانی کا استعمال تھا، (لیکن خواص پر فارسی کا اثر تھا) لیکن منصورہ کی ریاست میں ابھی تک عربی اپنا قدم جمائے تھی، تاجر سندھی اور عربی ہی کے ذریعہ اپنا کاروبار چلاتے تھے،[1]

۱؎ بشاری ص ۴۸۱ لیڈن،

سندھ میں رفاہِ عام کے کام

عربوں نے اپنے زمانہ میں رفاہِ عام کے متعلق کیا کیا کام انجام دئے، اس کے متعلق بعض واقعات ایسے مذکور ہیں جس سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے، کہ انھوں نے اس کے متعلق بہت کچھ کیا ہوگا، اگرچہ معمولی بات سمجھ کر مورخوں نے اس کو قلمبند نہیں کیا، مسلمانوں کے رفاہِ عام کے کاموں میں سب سے پہلی چیز مساجد نظر آتی ہیں، چنانچہ عربوں نے تمام بڑے بڑے شہروں میں عالیشان مسجدیں تیار کیں جیساکہ اوپر مذکور ہوا،

اسی طرح سے ہم دیکھتے ہیں کہ بوقت ضرورت نہریں بھی تیار کی گئیں، جن سے ضروری کام انجام دئے گئے،[1]

دریائے سندھ پر عربوں نے پل بھی بنایا تھا، تاکہ عوام کو بھی اس پار جانے میں آسانی ہو، اور بوقتِ ضرورت فوجی سامان اور سپاہی بھی جلد سے جلد دریا کے اس پار پہنچ سکیں، اس پل کا نام "سکرالمید" رکھا تھا،[2] اور سکھر کے پاس تھا، سکھر کے نام کو دیکھتے ہوئے خیال گذرتا ہے کہ عجب نہیں یہ سکھر ہی کی خرابی "سکھر" نہ ہو، اور اب جب کہ نہ وہ قدیم پل رہا، نہ مید، فقط یادگار کے طور پر لفظ "سکھر" رہ گیا،

سیاسی اور انتظامی خیال سے جیل خانے بھی تعمیر کئے گئے ان میں سے ایک جیل خانہ وسیع پیمانہ پر دیول (دیبل) میں تیار کیا گیا، شہر میں محمد بن قاسم کے وقت سے جو مندر ویران

---

[1] فتوح البلدان ص۴۴۲ لیڈن [2] ایضاً،

چلا آرہا تھا، والی سندھ عنبسہ ضبی نے ۲۲۳ھ میں اس کے مینار کو گرا کر چھت سے پاٹ دیا اور اسی طرح اس بیکار اور ویران عمارت کو جیل خانہ میں تبدیل کر دیا[1]، پھر ہر شہر میں الگ الگ چھوٹے چھوٹے جیلخانے بھی موجود تھے[2]،

اس کے علاوہ ہر شہر میں اور دوسری سرکاری عمارتیں بھی جو قابلِ مرمت تھیں اوسی ضمن میں درست کر لی گئیں،

سرائے (مسافر خانے) مدارس، حمام کے متعلق اوپر گذر چکا کہ وہ مسجدوں کے ساتھ ہی تعمیر ہوا کرتے تھے، اور ممکن ہے کہ تیسری اور چوتھی صدی کے آخر میں ان کے لئے علیحدہ عمارتیں بنتی ہوں، لیکن تاریخ میں ان میں سے کسی کا ذکر نظر سے اس وقت تک نہیں گذرا،

یہی حال شفا خانہ، یتیم خانہ، کتبخانہ، لنگر خانہ اور اوقاف کا ہے کہ تین سو برس کی مدتِ حکومت میں ان میں سے کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا، یہ کسی طرح اس کا یقین نہیں آتا، لیکن کیا کیا جائے کہ تاریخ کی زبان اس معاملہ میں بالکل خاموش ہے،

ڈاک رفاہِ عام کے کاموں میں ڈاک کا بھی انتظام ہے، شاہی مراسلات کے لئے ڈاک کا انتظام پیک (قاصد) کے ذریعہ تو زمانۂ قدیم سے رائج ہے، چنانچہ راجہ چچ کے زمانہ میں بھی اس کا پتہ چلتا ہے، کہ اکھم لوہانہ نے راجہ چچ سے جنگ کرتے وقت اپنے نامہ بر کے ذریعہ حلیفوں سے خط و کتابت برابر جاری رکھی[3]،

عربوں کی ابتدائی حکومت میں ڈاک کا بڑا معقول انتظام تھا، ممالکِ مشرقیہ کا حاکم اعلیٰ حجاج بن یوسف ثقفی بصرہ اور کوفہ کے درمیان شہر واسط میں رہتا، اور محمد بن قاسم کبھی الور (اروڑ) کبھی برہمن آباد یا ملتان میں، مگر دونوں کے درمیان برابر خط و کتابت رہتی، ہر تیسرے دن

---

[1] یعقوبی جلد ۲ ص ۵۸۵ لیڈن [2] القناص ۳۸۹ [3] چچ نامہ ص ۲۱ قلمی،

خط لکھا جاتا جو ساتویں دن دونوں کو مل جاتا، افسوس ہے کہ اس کے متعلق کوئی تفصیل مذکور نہیں ہے کہ یہ ڈاک کس طرح جاتی تھی، لیکن پہلی صدی میں بنو امیہ نے سانڈنی اور گھوڑوں کی ڈاک کا معقول انتظام کیا تھا، اغلب ہے کہ یہی نظام یہاں بھی قائم کیا ہوگا،

عباسیوں کے عہد میں اس سے زیادہ ترقی ہوئی، اور ان کا مفصل حال ملتا ہے، اس زمانہ میں باقاعدہ گھوڑوں کی ڈاک بٹھا دی گئی تھی، ان گھوڑوں کا جگہ جگہ تبادلہ ہوتا، اور مرکزی مقام میں گھوڑوں کی بہت تعداد تیار رکھی جاتی، ڈاکیہ پانچ دن کی راہ ایک دن میں طے کرتا، اس سے آپ تیز رفتاری کا اندازہ لگا سکتے ہیں،

ڈاک بغداد سے بصرہ اور بصرہ سے اہواز، اور اہواز سے شیراز، پھر شیراز سے سیرجان اور یہاں سے نرماشیر، پھر فہرج پھر کسر کند، اس کے بعد مکران کی بندرگاہ تیز پہنچتی، تیز سے کیز دیچ، اور وہاں سے ارمائیل، یہاں سے دیبل، دیبل سے نیرون، نیرون سے منصورہ، پھر منصورہ سے الور، اور یہاں سے ملتان،

غرض بصرہ سے ملتان تک کی کل مسافت تقریباً چودہ سو سے کچھ زیادہ ہے، اور اوپر بیان ہو چکا کہ ڈاکیہ پانچ دن کی مسافت ایک دن میں طے کرتا، اور یہ بھی لکھا جا چکا کہ واسط سے سندھ تک حجاج کا ڈاکیہ سات روز میں ڈاک پہنچاتا تھا، اور عہد عباسیہ میں اس کو باقاعدہ کرکے اور ترقی اس محکمہ کو دی، ان سب باتوں کو مدنظر رکھکر جو حساب لگایا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکیہ (گھوڑے سوار) روزانہ دو سو میل طے کرتا تھا، عربوں کی تمدنی ترقی کا اندازہ آپ اسی سے لگا سکتے ہیں،

عام انتظامی حالت

سندھ اس وقت تک ایک ہی صوبہ سمجھا جاتا رہا، جب تک کہ مرکزی حکومت سے یہاں حاکم آتے رہے جس میں سندھ کے مشرقی اور مغربی دونوں علاقے شامل تھے،

لہ تحفۃ الکرام مطبوعہ بمبئی جلد سوم،

بدھ اور کیکانان کا علاقہ کبھی براہ راست گورنمنٹ سندھ کے ہاتھ میں رہا، اور کبھی ماتحت ریاست،

یہاں کا حاکم برہمن آباد اور منصورہ میں رہتا، حاکم کے ماتحت فوجی اور انتظامی دونوں طاقتیں ہوتیں، انتظامی امور کے بھی دو حصے تھے، مالی اور عدالتی، مال کے متعلق ایک خاص محکمہ تھا، اس کے افسر کو دیوان کہتے تھے، ہر قسم کے معاملات اسی دیوان سے تعلق رکھتے تھے، مالگزاری، جزیہ، خراج، جنگی قیدی، لوٹ کے مال کا حساب وکتاب سب اسی کے ماتحت ہوتا،[1]

عدالتی امور قاضی کے ماتحت ہوتے، دار العدالت کے علاوہ تعلیمی محکمہ کا بھی نگراں قاضی ہی ہوتا تھا، پایہ تخت کا قاضی بغداد سے آتا، اس کی نامزدگی خلیفہ کی طرف سے ہوتی،[2] چوتھی صدی کے وسط تک یہی رہا، اس کے بعد غالباً یہ رسم جاتی رہی، لیکن ارور کا قاضی نسلاً بعد نسل محمد بن قاسم کے وقت سے چلا آرہا تھا، جو بلبن کے عہد تک تھا،[3] والی کے ماتحت متعدد حکام ہوتے، ضلع کے مرکز میں رہتے، دیبل، نیرون، سیوستان، سیسبی، کیزکانان، قزدار، منصورہ، ارور اور ملتان حاکم نشین جگہ تھی، محمد بن قاسم کے عہد سے ان مقاموں میں مستقل حاکم رہتے، جو والیِ سندھ کے ماتحت کام انجام دیتے، ان کو عامل کہتے تھے، سندھ میں اس وقت بھی عاملوں کا خاندان موجود ہے، جو خوشحال اور تعلیم یافتہ ہے، اور زیادہ تر غیر مسلم ہے،

تاریخ میں کوئی واقعہ نظر سے ایسا نہیں گذرا جس سے یہ معلوم ہو کہ پولیس کا بھی کوئی معقول انتظام تھا، لیکن خفیہ پولیس (یا پرچہ نویس) مرکزی حکومت کی طرف سے مقرر ہوتی، اور ہر قسم کے ملکی حالات کی رپورٹ بھیجکر اپنے فرائض انجام دیتی،[4]

مکران اور سندھ کے حاکم بھی مقامی جاسوس مقرر کرتے، اور یہ زیادہ تر بردہ فروش تاجروں سے کام لیتے، اور اسی لئے تاجروں کے واسطے یہ حکام زیادہ آسانیاں اندرون ملک میں بہم پہنچاتے،

---

[1] یعقوبی جلد دوم صفحہ ۳۸۹ [2] الکامل صفحہ ۲۳۲ جلد ہفتم لیڈن [3] چچ نامہ صفحہ قلمی [4] تاریخ الخلفاء سیوطی صفحہ ۳۱۳ کلکتہ،

قدیم دستور کے مطابق صوبے ٹھیکے پر دئے جاتے تھے، یعنی والی ایک خاص رقم سالانہ خلیفہ کو ادا کرتا رہے، چنانچہ سندھ اور مکران پانچ پانچ لاکھ درہم پر یہاں حاکموں کو دئے گئے[1]، اس کے علاوہ اور باقی آمدنی حاکم صوبہ اپنے تمیز اختیاری سے خرچ میں لاتا، صوبہ کے اخراجات کے علاوہ خود حاکم اور اس کے متعلقین کے ذاتی مصارف بھی اسی میں شامل ہیں،

آمدنی کے ذرائع

آمدنی کے ذرائع مندرجۂ ذیل تھے:۔

(۱) زمین کی مالگزاری (۲) غیر مسلموں سے جزیہ (۳) مسلموں سے زکوٰۃ (۴) درآمد اور برآمد کا محصول (۵) جنگ میں لوٹ کا مال،

جب سندھی عربوں نے خود مختاری حاصل کی تو ان کے انتظام میں کوئی فرق نہیں آیا، البتہ ان کا دربار عربی اور ہندی مخلوط قسم کا ہونے لگا، شاہی دربار میں ایک وزیر ہوتا، اور دوسرا امیر الامراء کے مرتبہ پر فائز ہوتا،

سواری کے لئے گھوڑے کے علاوہ بادشاہ ہاتھیوں پر بھی سوار ہوتا، اور جلوس کے ساتھ باہر نکلتا، کبھی رتھ پر بھی سوار ہوتا، جس کو ہاتھی کھینچتے[2]، کانوں میں ہندوؤں کی طرح بالے ڈالتا، گلے میں قیمتی ہار ہوتا، سر میں لمبے لمبے بال ہوتے، سندھی اس کو مہاراج کہتے،

خزانچی کا بھی ایک عہدہ تھا، لیکن اس عہدہ پر خالص سندھی نسل کے لوگ رکھے جاتے، کیونکہ جس خوبی سے اس کو یہ انجام دیتے تھے، دوسرے اس سے عاجز رہتے، صرافی کے معاملہ میں ان کی یہ خوبی اس قدر مشہور تھی کہ بصرہ، کوفہ، بغداد، سیراف وغیرہ میں بھی ان کی مانگ تھی، چنانچہ ان مقاموں کے بڑے تاجروں اور امیروں کے خزانچی زیادہ سندھی ہی ہوتے تھے،

غیر مسلم راجہ کی ریاست میں جو مسلمان آباد ہو جاتے ان کے مقدمات کا فیصلہ کوئی غیر مسلم

[1] المسالک والممالک لابن خردازبہ ص ۵۵ لیڈن [2] مسعودی جلد اول ص ۳۷۷ لیڈن ،

نہیں کرتا، بلکہ مسلمانوں ہی میں سے ایک شخص کو یہ عہدہ راجہ عنایت کرتا، اور اس عہدہ کا نام "ہنرمند" تھا، یہ ہنرمند راجہ کے ماتحت ہوتا، لیکن خود راجہ حتی الامکان اس کے فیصلوں میں کوئی مداخلت نہیں کرتا، جیساکہ وسے ہند اور قنوج کے حالات میں سیاحوں نے لکھا ہے،

منصورہ والے لباس تو بالکل عراقیوں کی طرح پہنتے، لیکن بادشاہ کا لباس ہندو راجاؤں کے مثل کرتہ اور ازار ہوتا، باقی حصۂ ملک میں ہندو اور مسلمان ایک ہی لباس استعمال کرتے، لیکن تاجر کرتہ اور لنگی پہنتے، جیساکہ تمام فارس اور ایران میں رائج تھا، زلفیں لوگ عام طور پر رکھتے،[1]

اس زمانہ کا دستور تھا کہ ہر گاؤں میں مسافر کو ایک دن رات کا کھانا دیتے، اور اگر بیمار ہو تو تین دن تین رات، قیام وطعام کے علاوہ اس کی خدمت بھی کرتے،[2]

دریا کنارے کے باشندے دریا کا پانی پیتے، لیکن دریا سے دور یا بڑے بڑے شہر کے لوگ کنووں کا پانی استعمال میں لاتے، بعض جگہ تالاب، برسات کا جمع ہوا پانی، اور پٹے ہوئے حوضوں کا پانی بھی کام میں لاتے تھے،

منصورہ اور اس کے جنوب کی زمین میں گرمی بہت پڑتی تھی، اور ساتھ ہی مچھروں کا بڑا زور تھا، اور بدقسمتی سے آج بھی ان مقاموں کا یہی حال ہے، خصوصاً برسات کے موسم میں اس جگہ رہنا دشوار ہو جاتا ہے، نشیب ہونے کے باعث یہاں کی زمین بڑی مرطوب ہے، اس لئے مچھر اور بیماریوں کا گھر ہے،

۱-سکے ۲-اوزان ۳-مسافت	سندھ میں اپنا سکہ تھا، جو سونے اور چاندی دونوں سے ڈھالا جاتا، مگر گندھاری اور طاطری سکہ بھی یہاں رائج تھا، جو زیادہ تر تجارتی کاروبار میں کام آتا، یہ طاطری سکہ

سماٹرا کے راجہ کا تھا جس کی تجارت اس عہد میں بہت ترقی کر گئی تھی،

---

[1] بشاری مقدسی کا سفرنامہ ص۴۸۲ لیڈن [2] چچ نامہ قلمی ص۹۱،

طاطری مختلف وزن کا ہوتا، کبھی ۱⅔ درہم کے برابر اور کبھی ۱½ درہم عراقی کے مساوی ہوتا
قندھاری (گندھاری) عراقیوں کے پانچ درہم کے مساوی شمار کیا جاتا، چوتھی صدی کے آخر میں
جب اسماعیلیوں کا قبضہ ملتان پر ہو گیا، تو وہاں ایک اور سکہ رائج ہوا جس کو "قاہریہ" کہتے تھے
یہ مصر کے فاطمی ائمہ کے نام سے قاہرہ میں بنایا جاتا تھا، یہ عراق کے پانچ درہم کے برابر ہوتا[۱] سونے
کے سکہ کو دینار کہتے، یہ خالص سونے کا ہوتا تھا، ہندوستان کے تین دینار کے مساوی سمجھا جاتا،[۲]

جواہرات تولنے کا من عام من سے مختلف ہوتا تھا، یہ ایک من ۵ یا ۵½ سیر کے برابر ہوتا،[۳]
عربی مثقال ۴½ ماشہ کا، اور ایرانی چار ہی ماشہ کا مثقال استعمال کرتے تھے،

غلہ کا من منصورہ، ملتان، قندھار اور طوران میں جو رائج تھا، وہ "مکی من" کے مساوی تھا،
لیکن جس پیمانہ سے ناپا جاتا اس کو "کیجی" کہتے، اس میں چالیس من گیہوں سما جاتا، اس کا رواج زیادہ تر
کیج (مکران) اور طوران میں تھا، ملتان میں ایک دوسرا پیمانہ تھا جس کا نام مطل تھا، اس میں ۲۱ من گیہوں آتا تھا،[۴]

سندھ اور ہندوستان میں مسافت کی پیمائش کو قدیم زمانہ سے "کوس" کے لفظ سے تعبیر کرتے
تھے، عربی میں میل کے ذریعہ، اور ایران میں فرسنگ کے ساتھ، عربوں نے اسی فرسنگ کو معرب
کرکے "فرسخ" کر دیا ہے، جو تین میل عربی کے برابر ہے، لیکن سندھی فرسخ بڑا ہوتا تھا، یعنی ۸ میل کا
ایک سندھی فرسخ ہوتا، یہ تفاوت اسی ہندی کوس کے سبب سے ہوا جو عربی میل سے بہت بڑا ہوتا تھا،

آلاتِ جنگ اور فوج

آلات جنگ میں تلوار، نیزہ، تیر و کمان، خنجر، زرہ وغیرہ تو عام چیزیں تھیں، اور یہی
چیزیں عربوں کے حریف کے پاس بھی تھیں، بلکہ جنگی ہاتھیوں کے سبب سے ایک گونہ
ان کو زیادہ اطمینان تھا، لیکن ہر زمانہ میں کوئی قوم دوسری قوم پر فقط اپنی بہادری ہی سے فتح

۱؎ المسالک والممالک لاصطخری ص۱۷۳ لیڈن و سفرنامہ ابن حوقل ص۲۲۶ لیڈن ۲؎ اخبار السند والہند ص۱۲۶-۲۷ پیرس
۳؎ فرشتہ کے حواشی ص۲۱ جلد سوم حیدر آباد ۴؎ احسن التقاسیم ص۴۸۱-۴۸۲،

نہیں پاتی جب تک کہ علم اور آلات جنگ میں اپنے حریف سے بڑھ کر نہ ہو، عربوں کا بھی یہی حال تھا، عرب اپنے حریف سے متعدد چیزوں میں فوقیت رکھتے تھے، مثلاً ان کے گھوڑے زیادہ قدآور بہت زیادہ چست اور انسانوں کی طرح وہ بھی جنگ آزمودہ تھے، مگر سندھیوں کے پاس ویسے گھوڑے نہ تھے، اور آج بھی عربوں کے جیسے گھوڑے دنیا میں نہیں ہوتے،

عربوں میں فتوحات کا ایک خاص ذوق تھا، اس لئے جنگی تدبیروں سے وہ بہت زیادہ کام لیتے، لیکن سندھیوں میں یہ جذبہ موجود نہ تھا، اس لئے حملہ یا مدافعت کے وقت اپنی کثرت کے بھروسہ پر جنگی تدبیروں کی پرواہ نہ کرتے،

آلات حرب میں عربوں کے پاس ایک چیز ایسی تھی جس سے سندھی بالکل ناواقف تھے، یہ آلہ منجنیق ہے[1]، جو درحقیقت گوپھن کی ترقی یافتہ شکل تھی، اس کے ذریعہ سے بڑے بڑے پتھر پھینک کر شہر پناہ کی دیواروں کو توڑ ڈالتے، ہاتھی سوار اور جانوروں کو زخمی کر ڈالتے، جنگ داہر میں محمد بن قاسم کے پاس ۵ منجنیقیں تھیں جن پر پانچ پانچ سو آدمی کام کرتے تھے،

ایک دوسری چیز عربوں کے پاس "دبابہ" تھا[1]، اس کو قدیم زمانہ کا "ٹینکی" سمجھو، اس سے وہی کام لیتے تھے جو کام آج کل ٹینکی سے لیا جاتا ہے، یہ گاڑی مختلف شکلوں کی بنائی جاتی، کوئی اونٹ کوئی بھیڑ، کوئی سادہ مکان کے طرز کی ہوتی، اس میں مسلح آدمی بیٹھ جاتے، اور سوراخوں سے تیر اندازی کرتے جاتے، اور گاڑی بھی قلعہ کی دیوار کے پاس آہستہ آہستہ پہنچ جاتی، جب دیوار سے متصل ہو جاتی، تو دیوار میں رخنہ کر کے اندر گھس جاتے،

عربوں کے پاس "آتش بازی" کا بھی سامان تھا، جس میں زیادہ خطرناک "روغن نفت" تھا، یہ روغن پچکاریوں کے ذریعہ گھوڑوں، سواروں، ہاتھی کے عماری اور ہاتھی پر ڈالتے، اور پھر اس میں

[1] بلاذری ص ۴۳۶ [2] فتوح البلدان ص ۴۷۹ مصر،

آگ لگا دیتے، شعلے بھڑک اٹھتے، اور جلا کر خاک سیاہ کر دیتے، جانداز زخمی ہو کر اور سوزشِ زخم سے گھبرا کر بھاگ نکلتے محمد بن قاسم نے داہر کی جنگی ہاتھیوں کی فوج کو اسی سے شکست دی تھی،[1]

عربوں نے سندھ پر قبضہ کرنے کے بعد اپنی فوج میں جنگی ہاتھیوں کا بھی اضافہ کر دیا، ان کے پاس ایک وقت بڑی تعداد میں ہاتھی ہوتے، ان کی سونڈوں پر ایک قسم کی خمدار تلواریں بندھی ہوتیں جس کو "کرتل" کہتے تھے، اور سارے جسم پر زرہ پڑی ہوتی، اس لئے تلوار، نیزہ اور تیر کا اثر جسم پر بہت کم ہوتا، اور وہ سونڈ کے کرتل سے گھوڑوں اور سواروں کو زخمی کر ڈالتا، پھر ہاتھی کے بچانے کے لئے ہر ہاتھی کے ساتھ پانچ سو پیادے ہوتے، چوتھی صدی کی ابتدا میں منصورہ کے بادشاہ کے پاس اس قسم کے اسی ہاتھی تھے جن میں سے دو ایسے نامور تھے جن کا جواب ہندوستان میں نہ تھا[2]

فوجی نظام[3] یہ تھا کہ پیادہ پلٹن الگ ہوتی جس پر ایک افسر مقرر ہوتا[4]، اور سواروں کا رسالہ جدا ہوتا[5] شتر سوار علیحدہ مقرر کئے جاتے، اور ہاتھیوں کے گروہ پر جداگانہ افسر ہوتا،

جنگ کے وقت سب سے آگے ہاتھی کی فوج ہوتی، اس کے پیچھے پیادہ، اس کے بعد سوار، فوج کی ترتیب اس طرح ہوتی، کہ فوج کے مختلف حصے علیحدہ علیحدہ سمت میں مقرر کئے جاتے یعنی بیچ میں سپہ سالار فوج ہوتا، اس کو قلب کہتے، اس کے دائیں طرف کے حصہ کو "میمنہ" اور بائیں کو "میسرہ" اور آگے کو مقدمہ، اور اس سے آگے کو ساقہ اور پیچھے کو محفوظہ،

آتش باز (نفت انداز) حریف کے جنگی ہاتھیوں کے مقابل، اور منجنیق انداز پیادہ اور سواروں کے درمیان ہوتے،

عرب فوجوں کا دستور تھا کہ جہاں ڈیرہ ڈالتیں اس کے چاروں طرف حفاظت کے لئے

---

[1] چچ نامہ قلمی ص۸۶ [2] مروج الذہب جلد اول ص۳۷۹ لیڈن [3] دار المصنفین میں اسلامی عہد کے فوجی نظام اور آلات و اسلحۂ جنگ پر ایک مستقل کتاب زیر ترتیب ہے جو عنقریب شائع ہو گی [4] مروج الذہب جلد اول ص۳۷۹ لیڈن [5] یعقوبی جلد ۲ ص۳۴۰ لیڈن،

خندق کھود ڈالتیں تاکہ دشمن اچانک نہ آپڑے، اس تدبیر سے انھوں نے ہر جگہ فائدہ اٹھایا[۱]، خشکی کی باربرداری کے لئے زیادہ تر اونٹ کام میں لاتے، اور تری میں کشتیوں اور جہازوں سے کام لیتے تھے، چنانچہ انہی جہازوں پر محمد بن قاسم کا سامانِ جنگ بصرہ سے دیول آیا تھا[۲]، خشکی کے علاوہ بحری جنگ کا بھی ان کے پاس سامان ہوتا تھا، اس کے لئے چھوٹی چھوٹی کشتیوں سے لے کر بڑے بڑے جہاز بھی ان کے پاس موجود تھے جنید نے انہی کشتیوں پر بیٹھ کر ارور کے راجہ سے جنگ کی تھی[۳]، اور انہی بڑے بڑے جہازوں پر سوار ہو کر والیِ سندھ نے گجرات پر حملہ کیا تھا[۴]،

جاسوسی | جاسوسوں کا بھی بندوبست تھا، تاکہ حریف کی تدبیروں اور نقل و حرکت کی اطلاع ملتی رہے، محمد بن ہارون والیِ مکران، محمد بن قاسم ثقفی، اور جنید والیِ سندھ نے اس کا بڑا مکمل انتظام کیا تھا،

فوجی بھرتی میں عربوں نے کوئی تفریق نہیں کی، شروع میں تو محمد بن قاسم کے ساتھ خالص عرب تھے، لیکن محمد بن قاسم ہی کے زمانہ میں جاٹوں کی بھرتی شروع ہوگئی، چنانچہ سدوسان (سیستان) کے چار ہزار جاٹ بھرتی ہو کر عربی لشکر کے ساتھ میدانِ جنگ میں عربوں کے دوش بدوش راجہ داہر سے لڑتے رہے[۵]، جنید نے بھی نہ صرف سندھی فوج قائم رکھی، بلکہ اس کو ترقی دی، سندھی باغیوں سے جنگ کے وقت ان فوجوں سے بڑا کام لیتا، کیرج کی فتح انہی کی بدولت حاصل ہوئی، اسی طرح فضل بن ماہان کی فوجوں میں بھی دیسی فوج شامل تھی، چنانچہ اس کی وفات کے بعد جب اس کے دونوں لڑکوں میں خانہ جنگی شروع ہوئی، تو اسی دیسی فوج کے ذریعہ ایک بھائی نے دوسرے پر غلبہ حاصل کیا[۶]،

---

۱ بلاذری ص۴۴۲ مصر ۲ ایضاً ۳ ایضاً ص۴۴۲ ۴ ایضاً ص۴۴۱ ۵ چچ نامہ قلمی ص۶۷ ۶ بلاذری ص۴۵۱ مصر،

فوجی طاقت

عربوں کی فوجی طاقت کا صحیح اندازہ مشکل ہے، محمد بن قاسم کے پاس آخر وقت میں پچاس ہزار فوج تھی، جنید کے پاس غالباً اس سے بھی زیادہ فوج تھی، کیونکہ سندھ میں امن رکھنے کے لئے جس قدر فوج مطلوب تھی، اس کے علاوہ اس قدر کافی فوج تھی، کہ سندھ سے براہ خشکی گجرات اور مالوہ تک کی زمین اپنے روند ڈالی، پھر جب سندھ کے متعدد ٹکڑے ہوگئے، اور ہر حصہ پر الگ الگ حکمران ہوگئے تو فوجیں بھی سب کی علیحدہ ہوگئیں،

چوتھی صدی کی ابتدا میں منصورہ کی جو ریاست تھی، اس کے پاس چالیس ہزار پیادے، پانچ ہزار سوار، اور اسی ہاتھی تھے[1]، اسی طرح ملتان، طوران، مکران، بودھیہ وغیرہ کی ریاستوں کی فوجیں بھی ہوں گی، جن کی تفصیل اگرچہ تاریخوں میں نہیں ملتی ہے، لیکن بعض حالات کی بنا پر اندازہ لگایا جا سکتا ہے، کہ متحدہ فوجوں کی تعداد ایک لاکھ سے کہیں زیادہ ہوگی،

سندھیوں کے ساتھ عربوں کا برتاؤ

عرب اس راز سے خوب واقف تھے کہ ملکی لوگوں کو جس قدر زیادہ خوش رکھا جائے گا، اسی قدر ان کی سلطنت کی جڑ مضبوط ہوگی، اسی لئے انھوں نے سندھیوں کو ہر طرح رکھا، چنانچہ ابتدا ہی سے عربوں نے ان پر بھروسہ کرکے بڑے بڑے عہدے ان کے سپرد کئے،

راجہ داہر کے وزیر، سی ساگر کو وزارت کے عہدہ پر برقرار رکھا، نوبہ بن ہارن کو دہلیلہ کی قلعداری عطا کی، کسکا نامی کو جو راجہ کے خاندان سے ایک لائق شخص تھا، وزیر مال بنا کر مبارک مشیر کا خطاب دیا، برہمن آباد فتح ہونے کے بعد چار معزز سندھیوں کی ایک کمیٹی بنا کر شہر کی دیوانی عدالت ان کے سپرد کی گئی، اور قلعہ کی حفاظت کے لئے چار برہمن منتخب ہوئے، جو اپنے ماتحت سندھی سپاہیوں کے ساتھ ایک ایک دروازے پر مامور ہوئے، اسی طرح ارور کا حاکم نوبہ بن داس

[1] مسعودی جلد اول ص۳۷۳ لیڈن،

کو بنایا، نیرون کی حکومت پر بھدرکن (بودھی) کو ہی مستقل طور پر رکھا،

عرب اپنے ملکی انتظام میں سندھیوں سے برابر مشورہ لے کر اس پر عمل کرتے، اور ان پر کافی بھروسہ کرتے، چنانچہ موکہ بن لبسایا، وزیر سی ساکر اور مبارک شمیر کے مشوروں سے عرب فاتح نے بڑا فائدہ اٹھایا، عربوں کے آخر زمانہ تک، مالی محکمہ سندھیوں ہی کے سپرد رہا،

فوجی عہدے بھی ان کو ملتے رہے، جنگ داہر اور ملتان میں دیسی فوجوں کی افسری سندھیوں کے سپرد تھی، جنید کے زمانہ میں بھی دیسی فوجوں کا افسر ایک سندھی "اشندرا بید" نامی شخص تھا جس کو راجہ کا خطاب دے رکھا تھا،

ٹکس | تاریخوں کے مطالعہ سے جہاں تک معلوم ہوسکا ' یہ ہے کہ ٹکس صرف تین قسم کے تھے، زمین کا ٹکس، جنگی ٹکس (جزیہ) تجارتی ٹکس، بوقت ضرورت تاجروں کو سرکار سے مالی امداد بھی دی جاتی تھی، تاکہ اپنا کاروبار چلا سکیں، تجارتی ٹکس بہت ہلکا تھا، اور مالگذاری وہی لیجاتی جو راجہ کے عہد میں تھی،

کاشتکاری کی مالگزاری وصول کرنے کے لئے سندھی مقرر تھے، اور ان کی ملازمت موروثی تھی، گاؤں کی مالگذاری کا تحصیلدار گاؤں ہی کا مکھیا (چودھری) ہوتا تھا،

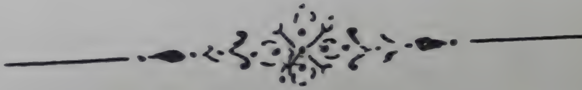
مذہبی آزادی | مذہبی آزادی بھی عام طور پر سب کے لئے یکساں تھی، سندھ کی عام رعایا کا مذہب بدھ تھا، ان کے وہار (خانقاہ) ہر جگہ قائم تھے، امن قائم ہوجانے کے بعد مسلمانوں نے ان میں کوئی مداخلت نہیں کی، برہمنوں کے ساتھ بڑی غیر معمولی رعایت عرب حاکموں نے کی، برہمن آباد کا مندر ان کو واپس کردیا گیا، اور سرکاری طور پر ان کو وظیفے دیئے گئے، مالگذاری کی رقم میں سے تین فیصدی ان برہمنوں کو دیا جاتا،

ملتان کے مندر سرکاری نگرانی میں رکھے گئے، تاکہ آمدنی اور خرچ کا حساب مکمل رہے، اس کی

آمدنی سے برہمنوں کے وظیفے، پجاریوں کے اخراجات، اور مندر کے تمام ضروری مصارف لیے جاتے، اس سے ہر برہمن اپنی جگہ پر مطمئن تھا،

رواداری

مشرقی ممالک کے حاکم اعلیٰ کو جب معلوم ہوا کہ کاشت کے لئے بیل کا وجود ضروری ہے اور اس وقت اس کی بڑی کمی پڑ گئی ہے، تو فوراً سرکاری طور پر اعلان کر دیا گیا کہ گائے کا ذبح کرنا ممنوع ہے۔۔۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ملکی اور مذہبی معاملہ میں عرب حاکموں کو کس قدر خیال تھا۔



ضمیمہ

کچھ عرصہ ہوا کہ طہران (ایران) سے ایک کتاب جغرافیہ کی شائع ہوئی ہے جس کا نام "کتاب حدود العالم من المشرق الی المغرب" ہے، اصل تصنیف ۳۷۲ھ کی ہے، اور جو نسخہ روس کے کتبخانہ میں دریافت ہوا، اس کا سنہ کتابت ۶۵۶ھ ہے، اسی کو ایک روسی مستشرق بارتلڈ نے لینن گراڈ سے ۱۹۳۰ء میں شائع کیا ہے،

ناظرین کی ضیافت طبع کے خیال سے اس کا ضروری خلاصہ درج کیا جاتا ہے، لیکن اس کتاب سے چند اہم تاریخی معلومات جو حاصل ہوئے، ان کا تذکرہ بھی میں ضروری سمجھتا ہوں،

(۱) اس کتاب سے قبل جس قدر جغرافیے، سفرنامے اور تاریخ پر کتابیں ملتی ہیں، کسی میں لاہور کا ذکر نہیں ہے، یہ سب سے پہلی کتاب ہے جس میں لاہور اور جالندھر کا ذکر ملتا ہے،

(۲) اس کتاب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ملتان کی اسلامی ریاست کی طاقت جو مسعودی (۳۰۳ھ) کے زمانہ سے برسرعروج ہوئی، تو وہ ۳۷۲ھ تک قائم رہی، چنانچہ ملتان سے لے کر جالندھر تک کا ملک اس کے زیرنگیں رہا، اور گو لاہور کا شہر اسلامی سلطنت میں شامل تھا، مگر اس کی کوئی زیادہ اہمیت نہ تھی، بلکہ اس سے زیادہ اہمیت سرحدی شہر ہونے کے سبب جالندھر کو حاصل تھی،

(۳) اسی کتاب سے پتہ چلتا ہے کہ راجہ قنوج، راجہ جے پال اور امیر ملتان کی سرحدیں جالندھر کے حدود پر ختم ہوتی تھیں، خود جالندھر راجہ قنوج کے ماتحت تھا،

(۴) راجہ قنوج کا ملک کابل کی سرحد تک تھا جس میں لمغان اور وسے ہند شامل تھے،

(۵) راجہ جے پال جو پنجاب اور سرحد کا حاکم تھا، وہ در اصل راجہ قنوج کے ماتحت تھا،

لیکن بعد کو راجہ قنوج کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر خود مختار ہوگیا،

(۶) بیرونی نے لکھا ہے کہ جے پال کا برہمن خاندان شاہ کابل (ترک) کا وزیر تھا جس نے موقع پاکر تخت حاصل کیا، لیکن کابل چھوڑ کر کب ہندوستان آیا، اس کی کوئی تاریخ صحیح طور پر نظر سے نہیں گذری،

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پانچویں صدی عیسوی میں جب ہنون اور گوجروں نے کابل پر قبضہ کیا، تو یہ لوگ سندھ پھر ہندوستان چلے آئے، اور اس آندھی کے فرد ہونے پر پنجاب سے لے کر سرحد کابل تک قابض ہوگئے، لیکن ایک عرصہ کے بعد جب گوجر قنوج پر قابض ہوئے تو پنجاب کا بھی رخ کیا، اور غالباً مغلوب ہو کر جے پال کے خاندان نے اطاعت قبول کرلی،

(۷) خود جے پال کے ماتحت دو قومی راجہ تھے، جو نسلاً بعد نسل تخت نشین ہو کر سرحد کی حفاظت کرتے تھے، اس میں سے ایک بھیرہ کا راجہ اور دوسرا دے ہند کا تھا،

(۸) اس کتاب سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک (۳۷۲ھ) غزنہ کی نوخیز سلطنت نے عالم اسلام میں کوئی اہمیت حاصل نہیں کی تھی، اور خود غزنہ بھی اس عہد میں کوئی مشہور شہر نہ تھا یا کم از کم اس کی کوئی وقعت اس زمانہ میں نہ تھی، اسی لئے مصنف نے کسی جگہ نہ تو غزنہ کا ذکر کیا ہے، نہ سبکتگین کا،

(۹) سب سے اہم بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ ۳۷۲ھ تک ملتان میں سامہ بن لوی کا خاندان برسر حکومت تھا، اور انقلاب سلطنت اس کے بعد ہوا، اس لئے جلم بن شیبان کی حکومت ۳۷۲ھ کے بعد سے لینی چاہیے،



ہندوستان اور اس کے شہروں کا بیان

(سنہ ۳۷۲ھ)

حدود اربعہ | مشرق میں چین اور تبت، جنوب میں بحر اعظم (بحر ہند) مغرب میں دریائے سندھ، شمال میں

شکستان (سکم) خان (ترکستان) اور تبت کا کچھ حصہ ہے،

حالات | یہ ملک بڑا سرسبز اور آباد ہے، جس میں بیشمار راجے (حکمراں) ہیں، اس ملک میں بیشمار شہر

پہاڑ، بیابان، دریا اور ریگستان ہیں، یہاں قسم قسم کی خوشبو پیدا ہوتی ہے، مثلاً مشک، عنبر، عود،

کافور وغیرہ، اسی طرح مختلف اقسام کے بیش قیمت پتھر نکلتے ہیں، مثلاً یاقوت، الماس، مرجان،

موتی وغیرہ، دوائیں بھی بکثرت ہوتی ہیں، اور عجیب عجیب قسم کے کپڑے یہاں بنے جاتے ہیں،

جنگل و بیابان میں مختلف قسم کے جانور بھی بہت ہیں، جیسے ہاتھی، کرگ (گینڈا) طوطا، مور،

کرکری، شارک وغیرہ، شمالی ہند کا حصہ ہندوستان کے آباد ترین ملکوں میں سے ہے۔ تمام ہندوستان

میں نبیذ کو حرام اور زنا کو جائز سمجھتے ہیں، یہاں سب بت پرست ہیں،

۱۔ قامرون (کامروپ) ایک ایسا ملک ہے، جو ہندوستان کے مشرق میں واقع ہے،

یہاں کے بادشاہ کو قامرون (راجہ کامروپ) کہتے ہیں، یہاں گینڈا بہت ہوتا ہے، سونے کی کان

بھی ہے، تر عود اور اسلحہ تیز کرنے کا پتھر بہت ہی اعلیٰ ہوتا ہے،

۲۔ صنف، ایک بڑا شہر ہے، جو راجہ کامروپ کے ماتحت ہے، یہاں سے عود باہر جاتا ہے

جس کو عود صنفی کہتے ہیں،

۳۔ مندل، راجہ کامروپ کے ماتحت ایک چھوٹا شہر ہے، جہاں سے عود بہت نکلتا ہے، اور اس کو عود مندلی کہتے ہیں، اور یہ دونوں شہر دریا (برہمپتر) کے کنارے واقع ہیں،

۴۔ فنصور۔ یہ ایک بڑا شہر ہے، اور تجارت کی منڈی ہے، یہاں کافور کی پیدائش بہت ہے بندرگاہ بھی ہے، اس شہر کے بادشاہ کو "سطوہا" کہتے ہیں[1]، اس کی علاحدہ ایک سلطنت ہے، اور اس کے ماتحت دس راجے ہیں، ان سب کے مجموعہ کو "مملکت فنصور" کہتے ہیں،

۵۔ ہنجیرہ۔ یہ ایک ایسا شہر ہے جس کا بازار تین میل کا ہے، سطوہا کے ماتحت یہ آباد اور مالدار شہر ہے،

۶۔ قمار۔ ایک بڑا شہر ہے، یہاں کے بادشاہ ہندوستان کے تمام بادشاہوں میں سب سے زیادہ عادل ہوتے ہیں، تمام ہندوستان میں زنا حلال ہے، مگر اس ملک میں حرام، یہاں کے بادشاہ ہاتھی کے دانتوں اور عود قماری کی بخشش کرتے ہیں، ہمیاس، ہرکند، اورشین ہمندر، اندیس، دریا کنارے یہ پانچ بڑے شہر ہیں، یہاں کے بادشاہ کو "دھم"[2] کہتے ہیں، اور یہ اپنے کو سب سے بڑا سمجھتا ہے، اور لوگ کہتے ہیں کہ اس کے پاس تین لاکھ لشکر ہے، اور تمام ہندوستان میں کامروپ اور قمار سے بڑھ کر عود نہیں پیدا ہوتا، یہاں روئی بھی اچھی پیدا ہوتی ہے، اس کا بڑا درخت ہوتا ہے، اور سالہا سال اس سے روئی حاصل ہوتی ہے،

۷۔ مال۔ اس ملک میں "سپید مہرہ" بہت ہوتا ہے، اس کو بوق کی طرح بجاتے ہیں، اس کا نام "سنکھ" ہے، اس ملک میں ہاتھی بھی بہت ہوتے ہیں،

۸۔ طوسول۔ چین سے ملا ہوا ایک بڑا خطہ ہے، ان دونوں کے درمیان ایک پہاڑ حد فاصل ہے،

---

[1] شاید "بدھ راجہ" کا لقب تھا جس کو "ستوہ" کہتے تھے، چینی مسافر ہونگ تسانگ نے اس کا ذکر کیا ہے۔ [2] شاید دھرم یا رحمی ہو جیسا کہ سلیمان بصری وغیرہ نے لکھا ہے، یہ مشرقی بنگال کا علاقہ ہے، جو سمندر سے لے کر سرحد چین تک تھا،

گندمی رنگ کے لوگ آباد ہیں، جو روئی کے کپڑے پہنتے ہیں،

۹۔ موسہ۔ ایک خطہ ہے جو چین اور طوسول سے ملا ہوا ہے، اس میں مضبوط قلعے اور بلند مکانات ہیں، یہاں سے مشک بہت نکلتا ہے،

۱۰۔ مانک، چین اور موسہ سے متصل یہ ملک واقع ہے، ان تینوں ملکوں سے چینی جنگ کرتے رہے ہیں،

۱۱۔ نوبین۔ مملکت وہم (رحمی) کی سرحد ہے، سراندیپ میں غلہ زیادہ تر اسی جگہ سے جاتا ہے،

۱۲۔ اور شفین، یہ ایک جزیرہ نما شہر ہے، جہاں کی آب و ہوا اچھی نہیں ہے، جس دریا کے کنارے یہ شہر آباد ہے، اس کو لوگ "بحر الاہناب" کہتے ہیں، اور یہاں کی ملکہ کو "راتیہ" کہتے ہیں، جو ان پر حکمراں ہے، اور یہاں اس قدر طاقتور ہاتھی ہوتے ہیں کہ ہندوستان میں ان کا کوئی نظیر نہیں، یہاں بلبل اور نیزے بھی ہوتے ہیں،

۱۳۔ ملی۔ اس نام کے دریا کنارے چار شہر ہیں، جو ولبھ رائے کی حکومت میں داخل ہیں، بلبل اور نیزہ خوب ہوتا ہے،

چیمور، سندان، سوپارہ، کنبھائت یہ چاروں شہر سمندر کے کنارے واقع ہیں[1]، ان میں ہندو مسلمان دونوں رہتے ہیں، یہاں جامع مسجد اور مندر دونوں ہیں، یہاں کے لوگ بال رکھتے ہیں، اور ہر وقت ازار پہنتے ہیں، یہاں کی ہوا گرم ہے، اور ولبھ رائے کی سلطنت میں یہ تمام شہر داخل ہیں، انہی کے نزدیک پہاڑ ہیں، جہاں بید، نیزہ، بلبل، جو ہندی ناریل بہت ہوتے ہیں، کنبھائت سے جوتے سارے جہان کو برآمد کئے جاتے ہیں،

کاہل۔ آباد اور پر رونق شہر ولبھ رائے کی حکومت میں ہے،

---

[1] یہ سب گجرات میں واقع ہیں،

بابیہ - خوشحال شہر ہے، جہاں کا بادشاہ مسلمان ہے، عمر بن عبد العزیز جس نے بغاوت کر کے منصورہ دپایہ تخت سندھ) پر قبضہ کر لیا تھا، اسی شہر کا رہنے والا ہے[1]،

قندھار - سب سے بڑا شہر ہے، جس میں چاندی اور سونے کے بیشمار بت ہیں، یہ برہمنوں اور رشیوں کی جگہ ہے، یہ زرخیز اور پر رونق شہر ہے، اور وسیع خطہ زمین کا اس میں شامل ہے[2]،

بلہاری - بہت بڑا اور آباد شہر ہے، اور تجارتی منڈی ہے، ہندوستان، خراسان اور عمان کے تاجروں کی ہمیشہ آمد و رفت رہتی ہے، یہاں مشک کی تجارت خوب ہوتی ہے،

رہنبیات - آباد شہر ہے، یہاں سے منقش پگڑی اور رنگین ساڑی کی برآمد خوب ہوتی ہے اور یہ دونوں شہر ولھب راے کی حکومت میں داخل ہیں، اور اس بادشاہ کے بعد قنوج کے بادشاہ کا ہے،

قمہ - ایک چھوٹا شہر ہے، جہاں موتیوں کی درآمد خوب ہوتی ہے،

قالھین - چھوٹا مگر آباد شہر ہے، مخمل منقش پگڑی، رنگین ساڑی اور دواؤں کی تجارت خوب ہوتی ہے،

قنوج - یہ بڑا شہر راجہ قنوج کا پایہ تخت ہے، ہندوستان کے اکثر راجے اس کی اطاعت کرتے ہیں، خود راجہ اپنے کو سب سے بڑا جانتا ہے، لوگ کہتے ہیں کہ اس کے پاس ایک لاکھ پچاس ہزار سوار ہیں، اور آٹھ سو جنگی ہاتھی رکھتا ہے، جن پر سوار ہو کر میدان جنگ میں نکلتا ہے،

بلری، کالری، فری، رور، یہ چاروں شہر سندھ میں شامل ہیں، لیکن دریاے سندھ کے اس دوسرے پار ہے، یہ پر رونق شہر ہیں، ہندوستان کے جہاز یہاں ٹھہرتے ہیں، مگر حاکم نشین جگہ نہیں ہے البتہ رور میں دوہری مضبوط فصیلیں ہیں، اور زمین یہاں کی نمناک ہے،

بسمد - چھوٹا مگر پر رونق شہر ہندوستان کا ہے،

ملتان - ہندوستان کے بڑے شہروں میں اس کا شمار ہے، یہاں ایک بڑا بُت ہے جس کی

---

[1] یہ شہر قدیم زمانہ سے سندھ میں داخل ہے [2] بعض سندھ اور بعضوں نے ہندوستان میں اس کا شمار کیا ہے،

یاترا کے لئے تمام ہندوستان سے لوگ آتے ہیں، اور اس بت کا نام "مولتان" ہے، یہ معنبوط اور ریگستانی جگہ ہے، یہاں کا بادشاہ قریش خاندان سے سامہ قبیلہ کا ہے، وہ اپنے لشکر گاہ میں رہتا ہے، جو ملتان سے ½ میل پر واقع ہے، خطبہ المعز باللہ کا یہاں پڑھا جاتا ہے،

جندروز - ایک بہت ہی چھوٹا شہر، ملتان کے پاس واقع ہے۔

لاہور - ایک بڑا شہر ہے، جس کے متعلق ایک وسیع خطہ ہے، اس کا بادشاہ (حاکم) امیر ملتان کے ماتحت ہے، اس کے اندر بازار اور بتخانے ہیں، چلغوزہ، بادام، ناریل کے درخت بے شمار ہیں، یہاں کے باشندے بت پرست ہیں، اور یہاں کوئی مسلمان نہیں ہے،

رامیاں - ایک ٹیلے پر یہ شہر آباد ہے، یہاں تھوڑے مسلمان بھی رہتے ہیں، جن کو لوگ "سالہاری" کہتے ہیں، باقی ہندو ہیں، یہاں تجارتی کشتیاں بکثرت آتی ہیں، یہاں کا بادشاہ (حاکم) امیر ملتان کے ماتحت ہے، شہر کے دروازہ پر ایک مندر ہے، جس میں سونے کا ایک بت بنا ہوا ہے، جس کی شہر والے بڑی عزت کرتے ہیں، تیس عورتیں خاص اس کام کے لئے مقرر ہیں کہ بت کے گرد ڈھول اور ساز کے ساتھ ناچیں، اور گائیں بجائیں،

جالندھر - پہاڑ پر یہ شہر آباد ہے، جہاں کی آب وہوا سرد ہے، یہاں مخمل اور دوسرے قسم کے سادہ اور منقش کپڑے بہت بنے جاتے ہیں، رامیاں اور جالندھر کے درمیان پانچ دن کی راہ ہے، تمام راستوں پر ہلیلہ، بلیلہ اور آملہ اور دوسری دواؤں کے درخت لگے ہوئے ہیں، جو یہاں سے ساری دنیا میں جاتے ہیں، اور یہ شہر راے قنوج کے حدود میں داخل ہے،

سلاپور - یہ بڑا شہر تجارتی منڈی ہے، جس میں بڑے بڑے بازار ہیں، یہاں کا حاکم راے قنوج ہے، راے قنوج کے سکے مختلف قسم کے ہیں جن سے لین دین ہوتے ہیں، مثلاً بادہ، ناخوار، شبانی، کبھورہ، کورہ ان میں سے ہر ایک کا وزن جدا جدا ہے، یہاں

بہت سے مندر ہیں، اور یہاں کے عالموں کو "برہمن" کہتے ہیں، شکر، مصری، شہد، ناریل، گائے، بکری، اور اونٹ بہت کثرت سے یہاں ہوتے ہیں،

برہمیون۔ مسافر خانہ کے طرز کا یہ ایک شہر ہے، سال میں چار دن بازار تیز ہو جاتا ہے، یہاں سے قنوج نزدیک ہے، اور راے قنوج کے حدود میں داخل ہے، یہاں تین سو مندر ہیں، یہاں ایک کنڈ بھی ہے، کہتے ہیں کہ جو کوئی اس میں ایک دفعہ غسل کرلے تو کوئی آفت اس کو نہ پہنچے،

یہاں کا یہ بھی دستور ہے کہ جو کوئی حاکم یا امیر مرجاتا ہے، تو اس کے باڈی گارڈ (محافظ) کے لوگ بھی اس کے ساتھ اپنی جان دیتے ہیں، یہاں کا حاکم تخت پر بیٹھتا ہے، اور جہاں کہیں جانا چاہتا ہے، لوگ اس کو کندھے پر رکھ کر اٹھالے جاتے ہیں[1]، اس شہر اور تبت کے درمیان ۱۰ روز کا فاصلہ ہے،

ھیتال۔ مملکتِ قنوج سے متصل ایک چھوٹا ملک ہے، جس کے درمیان ایک بڑا پہاڑ ہے، یہاں کے لوگ زیادہ تر جنگی ہوتے ہیں، اور حکومت اطراف کے بادشاہوں کی ہے، راے قنوج سے اس کی سخت دشمنی ہے،

طیثال۔ ھیتال سے متصل ایک ملک ہے، ان کے درمیان ایک دشوار گذار پہاڑ ہے، یہاں کے لوگ اپنے اپنے بوجھوں کو پیٹھ پر لاد کر اس پہاڑ کو طے کرتے ہیں، غیر شاداب جگہ ہے،

بیثال۔ طیثال سے ملی ہوئی ایک منڈی ہے، یہاں تمام دنیا کے تاجر جمع ہوتے ہیں، اور بکثرت یہاں سے مشک باہر لیجاتے ہیں، (اس کے بعد شمال مغرب کے غیر معروف ملکوں کے نام اور مختصر حالات تحریر ہوئے ہیں، جن کو غیر ضروری سمجھ کر نظر انداز کر دیا گیا)،

---

[1] یہ چیز ہندوستان میں مختلف طرز پر رائج ہے، اور سب کا نام الگ الگ ہے، مثلاً عورتوں کے لئے جو چیز مستعمل ہے اس کو ڈولی اور محافہ کہتے ہیں، مردوں کے لئے پالکی، نالکی، بارہ دری، تام جھام مختلف اقسام کے ہوتے ہیں، جن کو دو سے لے کر ۱۶ نفر تک اٹھاتے ہیں، اٹھانے والے خاص کر یہی پیشہ کرتے ہیں اور ان کو "کہار" کہا جاتا ہے،

فیروزہ - (پیر دزہ) حدود ملتان کے اندر واقع ہے، ہندوستان کے تمام تجارتی جہازات یہاں آکر ٹھہرتے ہیں، یہاں مندر بھی متعدد ہیں،

لمغان - دریا کے کنارے بیچ راہ (جو غزنہ کی طرف جاتی ہے) میں ایک شہر ہے، جو ہندوستان کی سرحد پر واقع ہے، یہ تجارت کی منڈی ہے، یہاں بھی مندر متعدد ہیں،

دینور - اسی کے برابر ایک شہر دریا کنارے واقع ہے، تجارتی منڈی بھی ہے، لوگ خراسان سے آتے ہیں، مندر بھی بہت ہیں، اور ان دونوں شہروں میں بہت سے مسلمان تاجر مقیم ہیں، خوشحال اور آباد شہر ہے،

دے ہند - دے ہند بڑا شہر ہے، یہاں کا حاکم راجہ جے پال ہے، اور خود جے پال راجہ قنوج کے ماتحت ہے، یہاں مسلمان تھوڑے رہتے ہیں، اور ہندوستان کے جہاز زیادہ تر اسی جگہ آکر ٹھہرتے ہیں، مشک، موتی، اور قیمتی کپڑوں کی تجارت ہوتی ہے،

قشمیر - یہ ایک بڑا خوشحال شہر ہے، جہاں تجار بکثرت رہتے ہیں، یہاں کی حکومت راجے قنوج کے ہاتھ میں ہے، یہاں بہت سے مندر ہیں جن کی زیارت کے لئے ہندو دور دور سے آتے ہیں[۱]

سندھ | سندھ کے متعلق مصنف کا خیال ہے کہ وہ دریائے سندھ کے پار کے علاقہ کا نام ہے اسی سبب سے اس نے رور کو ہند کے سلسلہ میں لکھا ہے، اور سندھ کا حدود اربعہ اسطرح تحریر کیا ہے اس ملک کے مشرق میں دریائے سندھ، اور جنوب میں دریائے اعظم (بحر عرب) مغرب میں کرمان، اور شمال میں وہ بیابان ہے، جو خراسان سے متصل ہے،

[۱] قشمیر سے مراد وہ کشمیر تو نہیں ہو سکتا جو اس وقت پنجاب کے اوپر ایک ریاست کی صورت میں ہے جس کا پایہ تخت سری نگر ہے، بلکہ اس سے مراد کشمور یا کشمر ہے جو آجکل ضلع جیکب آباد میں واقع ہے، اور قدیم زمانہ میں ریاست دے ہند سے متصل تھا،

یہ گرم ملک ہے جس میں بیابان زیادہ اور پہاڑ کم ہیں، یہاں کے باشندے گندمی رنگ کے ہیں، دبلے اور تیز دوڑنے والے، چمڑہ، جوتے، خرما اور مصری کی برآمد خوب ہوتی ہے،

منصورہ - مثل جزیرہ کے سندھ دریا کے اندر ایک بڑا شہر واقع ہے، جو خوب آباد ہے اور تاجروں سے بھرا ہوا، آبادی مسلمانوں کی ہے، اور یہاں کا بادشاہ قریشی خاندان سے ہے،

منحابری اور سدوسان، یہ دونوں آباد شہر دریاے سندھ کے کنارے ہیں،

نوروز ہسواہی - یہ دونوں بھی سندھ کے شہروں میں سے ہیں، دریائی تاجروں کا مرکز ہے، مگر خوشحالی کم ہے،

دیول، (دیبل) سمندر کے کنارے سندھ کی ایک بڑی بندرگاہ اور تجارتی منڈی ہے، جہاں خشکی اور تری (ہند و غیر ممالک) کے اسباب (سامان) آتے ہیں،

قنبلی، ارمائیل - مکران کی سرحد پر دو شہر سمندر سے نزدیک ہیں جس کے دوسرے کنارے پر بیابان ہے،

تیز - سندھ کے شہروں میں سب سے پہلا شہر ہے، جو سمندر کے کنارے پر واقع ہے، اور گرم ملک ہے،

کیز، کوشک قند، بہ، بند، درک، اسکف - یہ سب حدود مکران کے اندر داخل ہیں اور ساری دنیا میں جو مصری (یا شکر) جاتی ہے، ان کا بڑا حصہ انہی مقامات سے برآمد ہوتا ہے، مکران کا بادشاہ کیج (کیز) میں رہتا ہے،

راسک - خروج کے ملک کا صدر مقام ہے یہاں کی آبادی بہت ہے، اور تجارتی منڈی بھی ہے

مشکی - بیابان میں ایک چھوٹا سا شہر ہے،

پنج پور - سندھ کا بہت بڑا شہر ہے، جو دریاے سندھ کے اس طرف واقع ہے،

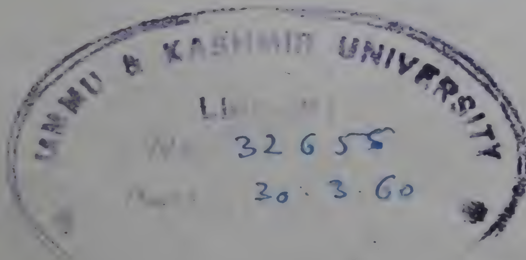
بھلپورہ ۔ خروج کے متعلق ایک شہر ہے، جہاں خوشحالی کم ہے،

محالی، ہندان، کیج کانان دکیز کانان یا قیقان) اور شورہ، ملک طوران کے خوشحال شہر ہیں، یہاں جانوروں کی بڑی کثرت ہے، یہاں آبادی میں مسلمانوں کا بھی حصہ ہے، پارسی بھی بہت ہیں، بادشاہ کا پایہ تخت کیز کانان ہے،

ابل ۔ علاقہ بدھ کا ایک شہر ہے، جو بہت ہی سرسبز وشاداب اور خوشحال ہے، یہاں مسلمان رہتے ہیں،

قندابیل ۔ دگندادی) بہت بڑا آباد اور خوشحال شہر ہے، جو بیابان میں واقع ہے، یہاں سے خرما بہت برآمد ہوتا ہے،





فہرست مآخذ

(جن سے اس کتاب میں مدد لی گئی)

(عربی)

۱ ابن ماجہ

۲ کتاب الخراج

۳ طبقات ابن سعد جلد ہفتم قسم دوم

۴ تہذیب التہذیب جلد سوم

۵ اخبار الحکما قفطی،

۶ عیون الانباء فی طبقات الاطباء لابن ابی اصیبعہ،

۷ الکامل لابن اثیر،

۸ مروج الذہب مسعودی،

۹ تاریخ یعقوبی لابن واضح،

۱۰ ابن خلدون جلد سوم

۱۱ تاریخ الخلفاء سیوطی

۱۲ ظفر الوالہ جلد دوم

۱۳ فتوح البلدان بلاذری

۱۴ تاریخ یمینی للعتبی،

۱۵ اعلام بیت اللہ الحرام

۱۶ سلسلۃ التواریخ مطبوعہ پیرس

۱۷ تقویم البلدان ابو الفداء

۱۸ معجم البلدان یاقوت حموی

۱۹ المسالک والممالک لابن خرداذبہ

۲۰ عجائب الہند،

۲۱ الاعلاق النفیسہ،

۲۲ نزہۃ الافکار (قلمی)

۲۳ سفرنامۂ ابن بطوطہ

۲۴ سفرنامۂ ابو اسحاق اصطخری

۲۵ سفرنامۂ ابن حوقل بغدادی

۲۶ احسن التقاسیم بشاری مقدسی

۲۷ معجم الامکنہ لنزہۃ الخواطر

۲۸ مراصد الاطلاع، جلد دوم،

۲۹ کتاب الفہرست لابن ندیم،

۳۰ کتاب الہند ابوریحان بیرونی

۳۱ کتاب الہند والصین (قلمی دار المصنفین)

۳۲ اغانی جلد ۱۲

۳۳ عقد الفرید جلد اول،

(فارسی)

۳۴ تحفۃ الکرام جلد سوم

۳۵ طبقات اکبری

۳۶ مآثر رحیمی

۳۷ مرآۃ الاسرار

۳۸ طبقات ناصری

۳۹ معصومی

۴۰ فرشتہ جلد اول،

۴۱ تاریخ فیروز شاہی عفیف سراج

۴۲ منتخب التواریخ بدایونی

۴۳ مرآۃ مسعودی

۴۴ آئینِ اکبری

۴۵ زین الاخبار

۴۶ ترخ نامہ (قلمی دار المصنفین)

۴۷ سیر البلاد اقلیم دوم (قلمی)

۴۸ سبعۃ الاقالیم (قلمی)

۴۹ مخزن الادویہ

۵۰ دیوان فرخی،

(انگریزی)

۵۱ تاریخ ہند مصنفہ الیٹ صاحب

۵۲ بھنڈارکر کا مضمون بمبئی یونیورسٹی،

۵۳ سائیکس کی کتاب پرشیا

۵۴ سلطان محمود کی لائف مؤلفہ پروفیسر ڈاکٹر ناظم صاحب

۵۵ انڈین امپائر مصنفہ ہنٹر صاحب

۵۶ تاریخ الفنسٹن حصہ پنجم

۵۷ انسائیکلوپیڈیا جلد ۲۵

(اردو)

۵۸ جغرافیۂ سندھ

۵۹ تاریخ جوناگڈھ سورٹھ

۶۰ عرب وہند کے تعلقات سید سلیمان ندوی

۶۱ تاریخ ہند ہاشمی صاحب

۶۲ جغرافیہ خلافت مشرقی (ترجمہ)

۶۳ تاریخ سندھ مولفہ مولانا عبدالحلیم شرر

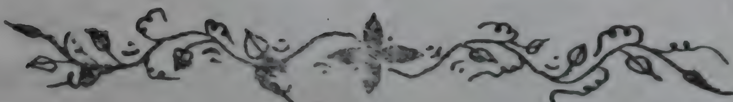
۶۴ اسماعیلی (ترجمہ اردو)

(گجراتی)

۶۵ پراچن اتہاس

۶۶ موسمِ بہار، تاریخ فرقۂ اسماعیلیہ،

۶۷ کوکب فلک



سلسلۂ تاریخ اسلام

اردو مین اسلامی تاریخ پر کوئی ایسی جامع کتاب نہین تھی جس مین تیرہ سو سال کی تمام اہم اور قابل ذکر حکومتون کی سیاسی، علمی اور تمدنی تاریخ ہو، اس لئے دار المصنفین تاریخ اسلام کا ایک پورا سلسلہ خاص اہتمام سے مرتب کرا رہا ہے، جس کے بعض حصے یہ ہین، اور بعض زیر طبع ہین اور اکثر زیر تالیف و تکمیل ہین جو تدریج جیسے جیسے حالات مساعد ہون گے شائع ہوتے رہین گے،

تاریخ اسلام حصۂ اول، (عہد رسالت وخلافت راشدہ) اس مین آغاز اسلام سے لے کر خلافت راشدہ کے اختتام تک کی مفصل مذہبی، سیاسی وتمدنی اور علمی تاریخ ہے (زیر طبع)
ضخامت ۴۰۷ صفحے، قیمت: سے ر

تاریخ اسلام حصۂ دوم (بنو امیہ) اس مین اموی حکومت کی صد سالہ سیاسی وعلمی وتمدنی تاریخ کی تفصیل ہے،
ضخامت ۴۳۰ صفحے، قیمت: ۳ سے ر

تاریخ اسلام حصۂ سوم (تاریخ بنی عباس جلد اول) اس مین خلیفہ ابو العباس سفاح ۱۳۲ھ/۷۵۰ سے خلیفہ ابو اسحٰق متقی للہ ۳۳۳ھ/۹۴۴ تک دو صدیون کی بہت مفصل سیاسی تاریخ ہے، ضخامت ۵۰۴ صفحے، قیمت: للعہ

تاریخ اسلام حصۂ چہارم (تاریخ بنی عباس جلد دوم) اس مین خلیفہ مستکفی باللہ کے عہد ۳۳۳ھ/۹۴۴ سے آخری خلیفہ مستعصم باللہ ۶۴۰ھ/۶۵۶ تک خلافت عباسیہ کے زوال وخاتمہ کی سیاسی تاریخ ہے،
ضخامت ۳۲۴ صفحے، قیمت: عہ ر

(مرتبہ: شاہ معین الدین احمد ندوی)

تاریخ دولت عثمانیہ حصۂ اول، اس مین عثمان اول سے مصطفےٰ رابع تک سلطنت عثمانیہ کے چھ سو برس کے کارنامون کی تفصیل ہے، ضخامت: ۵۰۰ صفحے، قیمت عہ

تاریخ دولت عثمانیہ حصۂ دوم، سلطنت عثمانیہ کے عروج وزوال کی تاریخ اور اس کے نظامی اور تمدنی کارنامون کی تفصیل، از محمود ثانی ۱۲۲۳ھ/۱۸۰۸ تا جنگ عظیم ۱۳۴۸ھ/۱۹۲۹، ضخامت: ۶۸۴ صفحے، قیمت صہ

مرتبہ: مولوی محمد عزیر صاحب ایم اے علیگ سابق رفیق دار المصنفین، اعظم گڈہ،

تاریخ صقلیہ جلد اول، اس مین صقلیہ کے جغرافی حالات، سسلی، اٹلی وجزائر سسلی پر اسلامی حملون کی ابتدا، حکومت کا قیام اور عہد بہ عہد کی ترقیون اور عروج کی پوری اور مفصل داستان ہے، ۵۴۶ صفحے، قیمت: للعہ

تاریخ صقلیہ حصۂ دوم، یہ سسلی کے تمدنی وعلمی ترقیون کا مرقع ہے، جس مین عہد بعہد کے مفسرین محدثین، فقہاء، ادباء وشعراء کے مفصل حالات اور اُن کی تصنیفات کا ذکر ہے،
۵۰۰ صفحے، قیمت: للعہ

مرتبہ
مولانا سید ریاست علی ندوی،

مسعود علی ندوی — منیجر — دار المصنفین اعظم گڈہ

(پرنٹر و پبلشر صدیق احمد)